صدائے حجاز

بیادگار حضرت مولانا محمد مبارک حسین صاحب مرحوم
بانی دارالعلوم میرٹھ

ناشر

دارالعلوم میرٹھ

مرتب

ظل الرحمن

زرِ تعاون
سالانہ دس روپئے

دار العلوم میرٹھ کا دوماہی جریدہ

صدائے حجاز

مُرتّب
ظِلّ الرحمٰن

| جلد نمبر ۱ | بابت ماہ مارچ ۱۹۷۸ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ | شمارہ نمبر ۲ |

نمبر شمار	مضامین	صاحب مضمون	صفحہ
۱	دُعا	جناب مولانا صدر الدین احمد صاحب صدر	۵
۲	اسلام آزادیٔ کامل کی انقلابی جدوجہد	سید قطب شہید ترجمہ منور عظیم صاحب ندوی	۶
۳	شانِ رحمت للعالمین	ادارہ	۱۸
۴	سراقہ کفر سے ایمان تک	مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی	۲۰
۵	خاتم النبیین بحیثیت سپہ سالار	مولانا ڈاکٹر رشید الوحیدی صاحب	۲۱
۶	فتحِ مکّہ	ادارہ	۳۱
۷	فاتح اور پیغمبر کا امتیاز	علامہ شبلی نعمانی	۳۳
۸	طبقاتی کشمکش حکمتِ نبوی میں	مولانا برہان الدین سنبھلی	۳۵
۹	کلیدِ دو عالم	علامہ سید سلیمان ندوی	۴۶
۱	آخری صبح کا پیغام	ماخوذ از رحمۃ للعالمین	۴۷
۱	عہدِ نبوی کا تحریری سرمایۂ حدیث	مولانا عبد الماجد صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی	۴۹
۱	مسئلۂ حیات النبی ﷺ	مولانا منظور نعمانی صاحب	
۱	محسنِ انسانیت نے فرمایا	ادارہ	۶۲
۱	جاء الحق وزہق الباطل	حفیظ جالندھری	۶۳
۱	نصیحت	مولانا صدر الدین احمد صاحب صدر	۶۴

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ:

مینجر صدائے حجاز، بالائی منزل سنہری مسجد، چاندنی چوک دہلی ۶

لرحمان ایڈیٹر، پرنٹر پبلیشر و پروپرائٹر نے جمال پریس میں چھپوا کر دفتر صدائے حجاز سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی سے شائع کیا

حرف آغاز

توکل علی اللہ اگر کوئی کام شروع کیا جائے تو نصرت الٰہی ہمیشہ اسکا مقدر قرار پاتی ہے توکل علی اللہ کوئی تاثیر نہیں ہے اسکا کلیتاً انحصار اعمال کی نیت پر ہوتا ہے۔

بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔

انما الاعمال بالنیات۔

کسی کام کی نیت میں خلوص اور مقصد میں پاکیزگی ہو تو رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور پھر

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ

کے مصداق کامیابی کی تمام راہیں فتح ہوتی چلی جاتی ہیں۔

صدائے حجاز کا پہلا شمارہ خدا کے بھروسے پر شروع کیا گیا تھا۔ اس مالک حقیقی کا شکر اور احسان ہے کہ اس کے تمام مراحل خوش اسلوبی سے طے ہوتے چلے گئے اور رسالہ سال نو کے روز اول یعنی یکم جنوری ۱۹۸۸ء کی صبح دس بجے جمال پریس سے مکمل ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔

بروقت اجرا اور تکمیل میں جس شخصیت کا سب سے بڑا دخل رہا وہ ہیں جمال پریس کے روح رواں جناب شبیر صاحب جنہوں نے اسکی طباعت اور جز بندی کے تمام مراحل طے کرائے خدا ان کو اسکا اجر عطا فرمائے۔

نصرت الٰہی کا یہ حال تھا کہ احباب نے اس کی اشاعت کے لیے بے پایاں کوششیں کیں اور مجھے یہ محسوس کرا دیا کہ یہ میرا کام نہیں بلکہ خود انکا اپنا کام ہے یہ بھی اس مالک کا احسان عظیم ہے کہ اسنے مجھے مخلص احباب کا ایسا حلقہ عطا فرمایا ہے۔

احباب اور اساتذہ دار العلوم کی کاوشوں کے نتیجہ میں یہ کام بہت جلد اپنی منزل کو پہنچ گیا اور ۹ جنوری ۱۹۸۸ء میرے پاس مطبوعہ کاپیوں کی پانچسو کی تعداد میں سے صرف بارہ کاپیاں باقی رہ گئیں تھیں اور طلب برقرار تھی اس طرح :

اور رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ کی تصویر بھی سامنے آگئی۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ سب سے پہلے خریدار جن کا مجھے منی آرڈر ملا وہ تھے ادارہ اسلامک اسٹڈیز کے بانی عالی جناب حکیم عبدالحمید صاحب جو حال ہی میں حج بیت اللہ اور دیگر ممالک اسلامیہ کے دورے سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے ہیں اور اس کے بعد یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی رہا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
راہرو ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

پہلے ہی مہینہ میں خریداروں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک پہنچ چکی ہے۔ یہ سب نصرت الٰہی نہیں تو اور کیا ہے۔

حسن طباعت کے فقدان کا اعتراف میں نے خود بھی کیا تھا اور احباب کو بھی یہی گلہ رہا۔ لیکن جیسا کہ میں سابقہ شمارے میں عرض کر چکا ہوں کہ کسی تعمیر میں اسکے معماروں کا کردار کا بھی بہت بڑا رول ادا کرتا ہے۔ مجھے وزیر تعلیم کویت کا ادارہ اسلامیات کی تقریب کا وہ جملہ ابھی تک یاد ہے کہ ادارہ اسلامیات کی تعمیر میں اینٹ اٹھا کر لانے والا بھی نیک طینت مسلمان ہونا چاہئے تاج محل اور جامع مسجد دہلی آج تک صرف اسلئے زندہ و جاوید نہیں ہیں کہ وہ عظیم عمارتیں ہیں۔ عظیم تعمیر تو مسجد قوت الاسلام بھی تھی لیکن اسے تکمیل کی منزل تک نصیب نہیں ہو سکی اور صرف قطب مینار ہی مکمل ہو سکا۔ جامع مسجد اس لئے زندہ و جاوید ہے کہ اس کے بانی شہنشاہ شاہجہاں کی ایک وقت کی بھی تہجد کی نماز ترک نہیں ہوئی تھی جس کا اظہار اس وقت ہوا جب شاہجہاں نے جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ اسی تاج محل کے قریب پور فتح پور سیکری کیوں بے نور اور غیر آباد ہے یہ سب بانی کے کردار کے اثرات نہیں تو اور کیا ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے ایک اچھے کاتب پر ایک اچھے مسلمان کو ترجیح دی ہے جو حسن اتفاق سے کاتب بھی ہے۔ میں نے حسن طباعت کے مقابلے میں ایمان اور نصرت الٰہی کا سودا کیا ہے اور میں اس سودے پر مطمئن ہوں ابتداً میرے احباب نے حسن طباعت کی شکایت فرمائی تھی لیکن جب وہ اسکا مطالعہ کر چکے تو اس شکایت کا انہیں احساس تک باقی نہیں تھا وہ لطف دین قیم میں مست ہو چکے تھے اور یہی میری مسرت کی منزل تھی کہ میری محنت قارئین نے پسند فرمالی۔ تاہم میں یقین دلا دوں

ہر آنے والے شمارے کے لئے میری کوشش یہی ہوگی کہ پہلے سے بہتر حسن طباعت پیش کر سکے۔

میں اپنے قارئین کو یقین دلادوں کہ اس رسالہ کے اجرار میں منفعت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں وہ مجھے زندگی بھر اس رسالہ کے نقصان کی تلافی کی توفیق عطا فرماتا رہے اور جب بھی اس کی اقتصادیات میں گنجائش پیدا ہو میں اسے اسکی بہتری پر صرف کر سکوں۔

میں اسکے نقصان سے بے نیاز ہوں آپ بھی اس سے بے نیاز رہئے یہ جسکا کام ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے خود اس کا انتظام فرما دیگا۔

موجودہ شمارہ ربیع الاول کا شمارہ ہے جو حضور اکرم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا مہینہ ہے اس میں سوائے حیات طیبہ کے کسی دوسرے موضوع کی گنجائش نہیں ہے بدیں وجہ جملہ مضامین ایک ہی نوعیت کے مختلف پہلوؤں پر ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اسے پسند فرمائنگے۔

دعا کیجئے کہ میں اس جریدہ کو آپ کے بلند معیار پر لیجانے میں جلد کامیاب ہو سکوں اور پھر اپنے لئے بھی آپ سے دعاء خیر کا طالب ہونے کا مستحق کر سکوں۔

بہرکیف میری یہ دوسری کوشش نذر خدمت ہے اس کی خامیوں کی نشاندہی اور بہتری کے لئے راہوں کی تجاویز کے لئے میں آپکا ممنون ہونگا۔

طالب دعا
ظل الرحمٰن
منیجر دار العلوم عربک کالج میرٹھ

دُعَاء

جناب مولانا صدرالدین صاحب صدرؔ

اے خدائے دوجہاں اے پاک و برتر ذوالجلال
زندگی وہ دے ہمیں جس میں نہ ہو حزن و ملال
اپنی رحمت سے دکھا دے ہم کو راہِ مستقیم
ہوں اسی پر گامزن ہم اور چلیں سنجیدہ چال
حضرت بوبکرؓ میں جو تھی صداقت دے ہمیں
حضرت فاروقؓ جیسا دے ہمیں جاہ و جلال
حضرت عثمانؓ کی سیرت کے تصدق میں کریم
ان کے الطاف کریمانہ کا سایہ ہم پہ ڈال
دے ہمیں شیر خدا ابن ابی طالبؓ کا دل
شیر دل بن کر دکھائیں ہم بھی دنیا کو کمال
بوذرؓ و سلمانؓ جیسا ذوق دینداری بھی دے
اور پھر اس میں عطا کر رحمتوں کی اپنے دال
حضرت خالدؓ کا یارب اعزم و ہمت بخش دے
دے صلاح الدینؒ ایوبی کا جوش اعتمال
ہم رضا پر تیری قائم تا دمِ آخر رہیں
ہو میسّر ہم کو اخلاص و وفا ۔ جذب و خلال

سید قطب شہید
ترجمہ منور عظیم صاحب ندوی

اسلام آزادیِ کامل کی انقلابی جدّوجہد

خاتم النبیین، محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی حق و باطل کی طویل کشمکش کی داستان ہے، آپ ساری عمر باطل کی طاقتوں کو شکست دیتے اور ان کو پاش پاش کرتے رہے، خواہ ان باطل طاقتوں کا تعلق موجودات و محسوسات کی دنیا سے رہا ہو یا ذہن و خیال اور عقائد و افکار کی دنیا سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، انسانیت اپنی طویل تاریخ میں کسی بھی ایسے مرد کامل سے آشنا نہیں ہوئی جس نے اس قدر بتوں کو پاش پاش کیا اور وہ بھی انتہائی مختصر مدت میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں انسانی قوت سے بالاتر کوئی اور قوت بھی کارفرما تھی، جس کی ان کو تائید حاصل تھی جس سے مستقل اور گہرا رابطہ رکھتے تھے اور اس سرچشمہ سے فیض اور طاقت و قوت حاصل کرتے تھے۔

ہم آزادی کے اس طویل انقلابی معرکہ تحلیل کا مطالعہ کرتے ہیں جس کی قیادت ۲۲ سالوں تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اور اس مختصر سی مدت میں برپا ہونے والے روحانی، سماجی، اقتصادی، فوجی اور فکری انقلابات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نسانی اور محدود انسانی قوت، حقیقی اور ابدی و ازلی طاقت کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی۔

ہمہ گیر اور کامل انقلاب کے یہ عجائب و معجزات فانی اور مٹ جانے والے نہیں؛ بلکہ یہ پہاڑوں کے ہٹا دینے سمندر کو خشک کرنے اور عناصر کی حالت بدل دینے سے اہم برتر قائم و دائم معجزات ہیں۔

- محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت درحقیقت انسانیت کی آزادی کامل کے لئے ایک انقلابی جدوجہد تھی، ایسی جدوجہد جو انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی اور محیط تھی، اور اس

نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوں پر اثر انداز ہونے اور مختلف نام رکھنے والی طاغوتی طاقتوں کو چور چور کر دیا۔

● یہ رسالت، عقائد کی دنیا میں شرک باللہ کے طاغوت کے خلاف ایک بغاوت تھی، اس نے عالم تصور میں بھی معبود حقیقی کی ذات کی عظمت اور تقدس کو اجاگر کیا اور شرک کی کثافتوں کو زائل کیا۔

شرک باللہ کا طاغوت ۔ جس شکل وصورت میں بھی ہو۔ بہت مہیب اور موثر ہوا کرتا ہے، اس کی جڑیں انسانی شعور میں بہت گہرائی تک اتر جایا کرتی ہیں اور نوع انسانی، توحید کے آسمانی پیغامات رسولوں کی جدوجہد اور ان ادیان کی فہم و بصیرت رکھنے والوں کی تشریحات کے باوجود مسلسل اس مصیبت کا شکار ہوتی رہی ہے، مخلوقات سے خدائے لم یزل ولایزال کے دین (مختلف الہی پیغامات میں شکلوں میں تعدد کے باوجود جس کا جوہر ایک ہی رہا ہے) کے صحیح فہم و ادراک میں جہاں بھی غلطی ہوئی، وہ کسی نہ کسی شکل میں شرک کے طاغوت کے پنجوں میں پہنچ گئی ۔ اس وقت عالم میں رائج اولیاء اور مقدس بزرگوں کے مزارات پر جبہہ سائی بھی اسی کی ایک شکل ہے جس نے دین کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے حالانکہ اللہ کا دین اس سے بالکل بری ہے۔

● خاتم النبیین کی رسالت ۔ تعصب کے طاغوت کے خلاف بھی ایک بغاوت ہے خواہ وہ جس قسم کا اور جس شکل میں بھی ہو ۔ اس نے رنگ ونسل کے تعصب کی مخالفت کی اور سارے انسانوں کو ایک خاندان کے افراد اور ایک حیثیت کا قرار دیا، ذات پات اور طبقاتی تفاوت کے مکروہ بت کو پاش پاش کر دیا ' اس نے یہ بات واضح کردی کہ فضیلت کا معیار صرف ایک ہے جو نہ تو چمڑے کی رنگت ہے، نہ پیدائش سرزمین اور نہ زبان کے حرف وصورت بلکہ فضیلت کا اصل اور حقیقی معیار ہے تقویٰ۔ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور یہ خالص نجی اور ذاتی فضل وکمال ہے جس کا رنگ ونسل سے کوئی تعلق نہیں۔

اے لوگو! ہم نے تو تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو،

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے اس
کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں"

ليس منا من دعا الى	جو کسی عصبیت کی دعوت دے
عصبية وليس منا من	وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت
قاتل على عصبية و	کی بنیاد پر جنگ کرے وہ ہم
ليس منا من مات على	میں سے نہیں۔ اور جس کی موت
عصبية (ابوداود)	عصبیت پر ہو وہ ہم میں سے نہیں

طبقاتی تفاوت کے اس طاغوت کی بلاؤں میں وہ تمام انسانی معاشرے گرفتار ہیں جو پیغام محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مبارک سرچشمہ کے فیض سے محروم ہیں۔ امریکہ کے حبشی اور ریڈ انڈینس ایک لاینحل مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ چند سال پیشتر آریائی نسل کی برتری کی بنیاد پر قائم نازی فلسفہ نے نوع انسانی کو کتنے مصائب میں گرفتار کیا۔ اور آج اسرائیل عرب قوم کے دل میں زہریلے کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے، اسکی بنیاد بھی خدا کی پسندیدہ قوم کی دیومالائی روایت پر قائم ہے

اسی طرح پیغام محمدی (صاحبہا الف تحیہ) مذہبی تعصب کے بت کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ وہ ایمان وعقیدہ کی مکمل آزادی کا اعلان کرتا ہے۔

دین میں زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے،
جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو تو اس نے بڑا
مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ہو سکتی" (البقرہ: ۲۵۶)

' اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب
ایمان لے آتے، سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس سے وہ
ایمان ہی لے آئیں، (یونس: ۹۹)

آپ نے مذہبی عصبیت کے رنگ گراں کو راہ سے ہٹا دیا تاکہ ایمان وعقیدہ کی آزادی اور مکمل رواداری اس کی جگہ لے سکے، بلکہ اس غرض سے بھی اسلام کی عملداری میں دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لیے عقیدہ کی آزادی اور اپنے طریقہ پر عبادت کی آزادی کی ضمانت مسلمانوں پر فرض قرار دی جائے اسلام میں اللہ کی راہ میں

جہاد کی اجازت دی گئی تو قرآن نے اصل حکمت بیان کرتے ہوئے کہا۔

"ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دیدی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلا شبہ اللہ تعالےٰ ان کے غالب کر دینے پر قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹواتا تو صوامع، بیع، صلوات اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔"

(الحج ۱، ۴۰)

صوامع، راہبوں کی خانقاہیں ہیں۔ بیع، نصاریٰ کے گرجے۔ صلوات یہودیوں کی عبادت گاہیں، اور مساجد مسلمانوں کی نماز کی جگہیں۔ صوامع۔ بیع اور صلوات کو قرآن نے مساجد سے پہلے ذکر کیا تاکہ ان پر دست درازیوں کی مدافعت اور ان کی مکمل حفاظت کی تاکید اور اہمیت ذہن نشیں ہو جائے یہی نہیں بلکہ اس رواداری کے حدود مشرک کی حفاظت و حمایت کو بھی محیط ہے جو کسی آسمانی دین کا مقصد نہیں ہوتا جب تک وہ کمزور ہو اور مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے اور دین سے برگشتہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یہ حکم اس کی معذوری کا لحاظ رکھتے ہوئے دیا گیا ہے اور اس کی معذوری ہے اس کی جہالت

"اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اسکو اس کی جگہ پہونچا دیجئے، یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے۔"

(التوبہ ۶)

یہ رواداری کی وہ بلند ترین چوٹی ہے جس کی طرف انسانیت اکثر زمانوں اور علاقوں میں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہوگا کہ کمیونزم کے حدود مملکت میں کسی ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں جو اسکا مقصد نہ ہو، حالانکہ وہ ایک معاشرتی نظریہ ہے، کوئی مذہبی عقیدہ نہیں اور سائبیریا کا

بیچارگیسپ قید خانوں کی تاریک کوٹھریاں اور" صفائی" کی قربان گاہیں ہمہ دم کارل مارکس، لینن اور اسٹالن کے "منکروں" کی منتظر رہتی ہیں" حالانکہ یہ لوگ بھی اللہ کے پیدا کیے ہوئے انسانوں ہی کے افراد ہیں

● یہ رسالت، ذات پات اور طبقاتی تفاوت کے طاغوت کے خلاف بھی بغاوت تھی، قریش کے سردار سب کچھ برداشت کر سکتے تھے، اپنی عالی نسبی اور اپنے آباد اجداد کے مفاخر پر مستحکم عالی شان عمارت کی شکست و ریخت ان کی برداشت سے باہر تھی، اپنے عقائد کی کمزوری اور بت پرستی کی حماقت ان ذہین سرداروں کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھی، وہ اس سے بھی ناواقف نہیں تھے کہ جن عقائد کی طرف محمد صلے اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں وہ ان کے تسلیم کردہ عقائد سے ہزار درجہ بہتر اور برتر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ پوری طاقت سے اس کی مدافعت کر رہے تھے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم جس کی دعوت دے رہے ہیں اس سے ان کی موروثی روایت جو طبقاتی تفاوت کی انتہائی شکل پیش کر رہی تھیں، اور عالی نسبی پر ان کے تفاخر، ان کے امتیازات ان کی برتری اور ان کی سرداری کا محل مسمار ہو رہا تھا۔

عام حج کرنے والے عرفات میں جاکر ٹھہرتے تھے اور وہاں سے واپس آتے تھے لیکن قریش ـــــ وہ مزدلفہ ہی میں رک جاتے تھے اور وہیں سے واپس آجاتے لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ جو قریش کے چوٹی کے لوگوں میں سے ہیں۔ وہ عرفات میں جاکر ٹھہرتے ہیں اور قرآن تمام لوگوں میں بلا امتیاز مساوات قائم کرنے کے لیے قریش کو حکم دیتا ہے۔

ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔	آؤ جہاں اور لوگ جاکر وہاں سے واپس آتے ہیں۔

اشراف قریش عام عربی کے ساتھ بھی اپنی بہن، بیٹی، کی شادی کرنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے لیکن قریش کی چوٹی کے ایک فرد۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے ہیں اور اپنی پھوپی زاد بہن کی شادی اپنے غلام زید کے ساتھ کر دیتے ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ چوری کی مرتکب ہونے والی مخزومی عورت کے

معاملے نے قریش کو سخت تشویش میں مبتلا کر دیا، انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کے حق میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کون گفتگو کرے؟ لوگوں نے کہا اسامہ بن زید کے علاوہ اس کی جرأت اور کون کر سکتا ہے۔ وہ رسول اللہ کے منظور نظر ہیں۔ اسامہؓ خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو کی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور تلخ لہجے میں فرمایا: - کیا تم اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود میں سفارش کرنے آئے ہو پھر کھڑے ہوئے اور تقریر کی۔

تم سے پہلے کے لوگ اسی لئے ہلاک کر دیئے گئے کہ ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا اس پر حد جاری کرتے تھے

۔خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (متفق علیہ)

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودہ صدیوں سے انسانیت آرزومندانہ نگاہوں عدل وانصاف کی اس بلندی کو دیکھ رہی ہے اور اس دشوار مقام کی بلندیوں تک پہونچنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تصور اور خیال کی دنیا میں نہیں بلکہ حقائق اور محسوسات کی دنیا میں پہونچ چکے تھے۔

● یہ رسالت ظلم وجور کے طاغوت کے خلاف بھی زبردست بغاوت تھی، جس نے حکمرانوں اور بادشاہوں سے ہر طرح کا امتیاز و اختیار سلب کر لیا۔ کیونکہ اس نے قانون سازی کے سارے حقوق اللہ کے لئے مخصوص کر دیئے اور قوانین کے نفاذ کا ذمہ دار منتخب کرنے کے سارے اختیارات قوم کو عطا کر دیئے۔

یہاں تھوڑے توقف اور وقت نظر کی ضرورت ہے تاکہ اس نظام میں دبی ہوئی ضمانتوں کی گیرائی و گہرائی منکشف ہوتی چلے جن کا نشان کسی بھی دوسرے نظام میں نہیں ملتا قانون سازی کے اختیارات انسان سے سلب کر لینے اور ایک اللہ کے لیے مخصوص کر دینے سے کسی انسان کسی جماعت اور کسی طبقہ کے لیے دوسروں پر اپنی مرضی سے اپنا حکم چلانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی اور اس امکان کا بھی خاتمہ ہو گیا کہ کوئی فرد کسی فرد یا جماعت پر یا کوئی طبقہ کسی طبقہ پر تفوق حاصل کر سکے۔ حاکمیت پوری پوری اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی کو قانون سازی کا اختیار نہیں (سوائے اس کے کہ اللہ کے دیے ہوئے قوانین

سے اخذ کرے اور اللہ تو سب کا پروردگار ہے اس لیے اس کے دیے ہوئے قوانین
میں کسی فرد یا جماعت یا طبقہ کے لیے کوئی رعایت یا جانب داری کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا
اور ایسے قوانین کے نفاذ کے وقت کسی کے حاشیہ خیال بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ وہ کسی فرد
کی مرضی یا مشیت کے سامنے سرنگوں ہے بلکہ اسکا ذہن اور عقیدہ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ اس
رب کے سامنے سر جھکا رہا ہے جو سب کا پروردگار ہے۔ لہذا یہاں سبھی سربلند ہیں اور
برابر ہیں کیونکہ سب صرف ایک ذات اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے سامنے
جھکتے ہیں۔

اس نظام میں جو فرد یا گروہ قانون کے نفاذ کی ذمہ داری لیتا ہے اور اس کے لیے
جدوجہد کرتا ہے وہ قانون سازی نہیں کرتا بلکہ صرف قوانین کو نافذ کرتا ہے اور یہ نافذ کرنے
کا حق بھی اس کو اس وجہ سے حاصل ہوا ہے کہ قوم نے اس کو اس کام کے لیے منتخب کیا ہے
اور قوم کو اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اس کی اطاعت نہیں بلکہ وہ قوانین الٰہی کی اطاعت
ہے جس کو وہ نافذ کر رہا ہے اگر وہ شخص شریعت کے حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اس کو قوم
سے اپنی اطاعت کرانے کا کوئی حق نہیں ـــــ پھر اگر قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں کسی
معاملے میں اختلاف واقع ہو تو آخری فیصلہ شریعت کا ہی ہوگا۔

پس اگر تم جھگڑو کسی چیز میں تو لوٹاؤ اس کو اللہ اور اس کے رسول
کی طرف۔ (انساء ۹۹)

جہاں تک قوانین کے نفاذ میں عدل کا تعلق ہے وہاں بھی عدل و انصاف
اسی بلند چوٹی تک پہونچا ہوا ہے۔ جہاں آج تک انسان کا تصور بھی پہونچنے سے قاصر
ہے، وہاں تک پہونچنے کی جدوجہد کرنا اور اس بلند چوٹی کو پالینا تو دور کی بات
ہے۔

"اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ ہو اپنے رشتہ دار (الانعام ۱۵۲)
" اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا مرتکب نہ کردے کہ تم عدل نہ
کرو۔ عدل کرو یہی بات تقویٰ سے قریب ہے اور اللہ سے
ڈرتے رہو" (مائدہ)

یہ ایسا کامل انصاف ہے جس کی میزان کو محبت یا عداوت کسی طرف جھکا نہیں سکتی،

جس کے اصولوں میں دوستی یا دشمنی کی وجہ سے لچک پیدا نہیں ہوتی۔ یہ ایسا انصاف ہے جو افراد کی باہمی قرابت سے متاثر ہوا کرتا ہے نہ قوموں کی باہمی عداوت یا آویزش سے۔ اس سے ملت اسلامیہ کے تمام افراد پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں ان میں حسب ونسب کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہوتی مال وجاہ کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ اسی طرح اس سے دوسری قومیں بھی بہرہ اندوز ہوتی ہیں خواہ ان میں اور مسلمانوں میں عداوت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ عدل وانصاف کا وہ بلند مقام ہے جہاں آج تک نہ بین الاقوامی اصول وضوابط پہونچ سکے ہیں اور نہ کسی ملک کا مقامی وداخلی قانون!

جن کو اس میں شبہ ہو وہ ذرا بین الاقوامی دنیا میں کمزور قوموں کے ساتھ طاقت ور حکومتوں کے منصفانہ رویہ" کا جائزہ لیں، ایک دوسرے سے برسر پیکار قوموں کے باہمی معاملات میں عدل وانصاف کے نمونوں کا مشاہدہ کریں۔ امریکہ کی ریاستوں میں ریڈ انڈینس کالوں کے ساتھ گوروں کے اور جنوبی افریقہ میں رنگ دار نسل والوں کے ساتھ گوروں کے برتاؤ پر بھی نظر ڈالیں۔ ان کی طرف اشارہ ہی کافی ہے۔ یہ اپنے زمانے کے حالات ہیں جن سے ہر انسان کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے۔

اور اسلام کے نظام عدل میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ صرف نظریات نہیں بلکہ حقیقی زندگی میں اس نے اپنی راہ بنائی ہے جس کی بے شمار مثالیں صحیفہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

● یہ رسالت غلامی کی طاغوت کے خلاف بھی ایک بغاوت تھی جس نے غلاموں کو مال ومتاع یا جانوروں کے معیار سے بلند کر کے انسان کے معیار تک پہونچایا۔ اسکی تفصیل بھی ملاحظہ ہو:

"غلامی کا نظام عالمی پیمانہ پر قائم تھا رومی حکومت میں غلاموں کے ساتھ انتہائی شقاوت کا برتاؤ کیا جاتا تھا وہ دن بھر تو جاگیروں میں کام کرتے تھے اور جب رات اپنا تاریک دامن پھیلاتی تو زنجیروں میں جکڑ کر غاروں میں ڈال دیے جاتے ہیں اور وہیں رات گذرتی تھی ان پر انتہائی سخت گیر اور شقی القلب قسم کے لوگ نگراں مقرر کیے جاتے، بے تحاشہ کوڑے برسانے سے لے کر سولی تک کی سزائیں ان کو

دیکھا تھیں۔ اور ان سب پر مستزاد یہ کہ ان کو "شرفا" کے ذوقِ تماشا کی تسکین کا سامان بنایا جاتا تھا۔ ان کے وحشتناک مقابلے کرائے جاتے، شیروں اور چیتوں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ یہ سب ان تقریبات میں ہوتا تھا جن میں شرفا بڑی دلچسپی کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ (ص ۹۶،۹۵)

اور رحمتِ عالم محمد بن عبد اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تاکہ اعلان کر دیں۔

جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اسے قتل کریں گے جو اپنے غلام کے کان، ناک کاٹے گا ہم اس کے کان ناک کاٹ دیں گے جو اپنے غلام کو خصی کریگا ہم اس کو بھی خصی کر دیں گے (متفق علیہ)

آپ نے تلقین کی:

"تمہارے بھائی تمہارے غلام ہیں جس کے بھائی کو اللہ نے اس کا زیر دست بنا دیا ہو تو جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے اور کوئی ایسا کام اس کے سر نہ ڈال دے جو اس کو عاجز کر دے اور اگر کوئی مشکل کام اس کے ذمہ کر دے تو خود اسکی مدد بھی کرے"

(مشکوٰۃ بحوالہ صحاح)

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے آواز آئی۔

ابو مسعود! سمجھ لو، اللہ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے،

میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔

میں نے فوراً عرض کیا" اللہ کے رسول یہ اللہ کی راہ میں آزاد ہے" فرمایا" اگر ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تم کو جھلا دیتی" (مشکوٰۃ بحوالہ صحاح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا ہی میں غلامی کا مکمل خاتمہ نہیں کیا۔ اس وجہ سے کہ قیدیوں کو غلام بنا لینا اور غلاموں سے خدمت لینا کسی ایک ملک یا قوم میں مخصوص نہیں تھا بلکہ یہ اس زمانہ کے معاشرہ میں عام بات تھی اور بین الاقوامی دنیا

میں مشہور و متعارف دستور تھا اور یا جتماعی رسوم جیاوی اور ہمہ گیر اصلاحات کے تقاضی ہوتے ہیں اور اسی طرح بین الاقوامی رسوم کو بدلنے کے لیے بھی اسی پیمانہ کے معاہدات کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے غلام بنانے صراحتہً حکم نہیں دیا ہے اسی طرح قیدیوں کو غلام بنانے کے بین الاقوامی دستور اختیار کرنے کا حکم بھی قرآن میں صراحتہً کہیں نہیں یہاں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی کہ عام معاشرتی صورت حال اور ایک عالمی نظام کی اصلاح میں قدرے قوی اور تدریج و اجمال سے کام لیا جائے۔

اسلام نے یہ طریقہ پسند کیا کہ غلامی کے اصل سرچشمہ کو اور اس کے بڑے راستوں میں روک قانونی جائے تاکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ نظام اپنی موت آپ مرجائے اور اجتماعی زندگی میں کوئی ایسی سوزش نہ پیدا ہو جس پر قابو پانا مشکل ہوجائے۔ چنانچہ اسلام جائز جنگوں میں گرفتار کیے جانے والے قیدیوں کے غلامی کے تمام راستوں کو بند کردیا۔ اور جنگی قیدیوں کو اس لیے باقی رکھنا پڑا کہ اسلام کی مخالف قومیں اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق مسلم جنگی قیدیوں کو غلام بناتی تھیں اور اسلام اس پر قادر نہیں تھا کہ ان قوموں کو بین الاقوامی دستور ترک کرنے پر مجبور کرسکتا تھا اگر وہ قیدیوں کو غلام بنانے کا اعلان کرتا تو یہ قانون صرف انہی قیدیوں کے لیے نفع بخش ہوتا جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوکر آتے جبکہ مسلمان قیدی غلامی کی دنیا میں اپنے مکروہ انجام کو پہونچتے اور یہ ایک طرح سے مسلمانوں کے خلاف دشمن اسلام قوموں کی ہمت افزائی ہوتی۔

اس معاشرہ کے اسی دستور کی وجہ سے قرآن نے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا صراحتہً حکم نہیں دیا بلکہ صرف اتنا کہا،

"پس لڑائی کے بعد یا تو احسان کرتے ہوئے یا فدیہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی کے ہتھیار رکھ دیے جائیں۔

لیکن اسی طرح قیدیوں کو غلام بنائے جانے کی بھی تصریح نہیں کی۔ بلکہ اسلامی حکومت کو اجازت دے دی ہے کہ وہ جنگی قیدیوں کے ساتھ برسرپیکار قوموں کے باہمی معاہدہ کے مطابق برتاؤ کرے۔ جہاں فدیہ دیں وہاں فریقین اپنے جنگی قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرائیں۔ یا باہم قیدیوں کا تبادلہ کرلیں اور جو مسلمان قیدیوں کو غلام بناتے ہوں ان کو یہ بھی غلام بنائیں۔

تاکہ ایسی صورت نہ پیش آئے کہ مسلمان قیدی تو غلام بن جائیں اور کفار گرفتار شدگان آزاد ہو جائیں ۔۔۔ اس معاملہ میں اسلام کی پالیسی اس وقت تک کے لیے ہے جب تک یہ رواج باتفاق ختم نہ ہو جائے اس ایک کے علاوہ جس پر اسلام کا اختیار نہیں تھا غلامی کے تمام سرچشموں کو خشک کرنے سے غلاموں کی تعداد برابر گھٹتی رہے گی اور یہ قلیل تعداد بھی صرف اتنی بات سے آزادی کی نعمتوں سے مستفید ہونے لگتی ہے کہ جنگ کرنے والے کفار سے تعلق منقطع کر کے مسلمانوں سے مل جائے ۔ پس قرآن نے اس غلام کو جذیہ طلب کرنے کا پورا حق دیا ہے جو اپنے آقا سے طے کر لے اور اس کو فدیہ ادا کرتا رہے اور اسی وقت سے اس کو مرضی کے مطابق کام کرنے، کمانے اور اپنی کمائی کو اپنی ملکیت بنانے کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے ۔ اس کے کام کی اجرت اس کی اپنی ملکیت ہوتی ہے اور اس کو اختیار ہوتا ہے کہ آقا کی خدمت چھوڑ کر دوسرے کام کرے تاکہ فدیہ کی رقم حاصل کر سکے پھر اس کو بیت المال سے زکواۃ سے حصہ ملتا ہے ۔ اس کے علاوہ مسلمان اس کے بھی مکلف قرار دیے گیے ہیں کہ اس کی آزادی بحال کرنے کے لیے اس سے مالی تعاون کریں ۔

اس کے علاوہ چند کفارات ایسے ہیں جو غلام آزاد کیے بغیر ادا ہی نہیں ہوتے جیسے قتل خطا اور ظہار وغیرہ ۔۔۔ اور اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ غلامی کا یہ نظام فطری طور پر آپ سے آپ ختم ہو جائے گا ۔ اچانک اور بیک وقت اس کا ختم کرنا ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ اس کی جڑیں اس وقت کے معاشرہ اور عالمی نظام میں بہت گہرائی تک اتری ہوئی تھیں ۔

● یہ رسالت " مرد " کے طاغوت کو بھی برداشت کرنے پر تیار نہیں ۔ جی ہاں مرد کے طاغوت اور عورت پر اس کی ظلم و زیادتی کے خلاف بھی یہ رسالت ایک بغاوت ہے جس نے عورتوں کو انسانیت کے حقوق عطا کیے اور ان کو قانونی ضمانتیں دیں ۔ اور اس وقت جبکہ روم کے بعض حلقوں میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ عورت انسانی روح رکھتی تھی ہے یا نہیں ۔ اس وقت قرآن کریم یہ صراحت کر رہا تھا ۔

"پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی ہیں تم سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا ، خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک

ہو۔ (آل عمران ۱۹۵)

"مردوں کا حصہ ہے اس میں جو چھوڑ کر مرجائیں ان کے ماں باپ اور رشتہ دار اور عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ اسمیں جو چھوڑ کر مرجائیں ان کے ماں باپ اور رشتہ دار۔ (نساء ۷)

"مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے۔ (نساء ۳۲)

اس طرح قرآن بلا کسی جھجک اور تردد کے عورتوں کو روحانی اور مادی زندگی میں مردوں کے برابر کا درجہ دے رہا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمان جاری کر رہے تھے۔

"شیبہ عورت کی شادی نہیں کی جائے جب تک کہ اس کی مرضی نہ معلوم کر لی جائے اور کنواری کی شادی نہ کی جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔ اس کا خاموش رہنا بھی اجازت ہے"

(متفق علیہ)

اس طرح عورت کی ذاتی زندگی میں رفیق زندگی منتخب کرنے کی آزادی عطا کر رہے تھے۔

شانِ رحمۃٌ للعالمین ﷺ

میں ان لوگوں کی تباہی کیلئے دُعا کیسے کروں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے اور بیرون نجات وعظ کیلئے تشریف لے گئے۔ نبیؐ کے ساتھ اس سفر میں زید ابن حارثہ تھے، مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ پا طائف پہونچے۔ طائف میں بنو ثقیف آباد تھے: سرسبز ملک اور سرد پہاڑ رہنے کی وجہ سے غرور کی کوئی حد نہ تھی، عبد یالیل، مسعود، حبیب، تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انہیں سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت فرمائی۔ ان میں سے ایک بولا: میں کعبہ کے سامنے ڈاڑھی منڈوا دوں اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو" دوسرا بولا، کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا، جسے چڑھنے کی سواری میسر نہیں۔ اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا" تیسرا بولا" میں تجھ سے کوئی بات ہی نہیں کرنے کا کیونکہ اگر تو خدا کا رسول ہے جیسا تو کہتا ہے تب تو یہ بہت خطرناک بات ہے کہ میں تیرے کلام کو رد کر دوں اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مجھے شایان شان نہیں کہ میں تجھ سے بات کروں"

نبی اللہ نے فرمایا" اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی تک رکھو، ایسا نہ ہو یہ خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کے سبب بن جائیں"

نبی اللہ نے وعظ کہنا شروع فرمایا۔ ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھلا دیا وہ لوگ وعظ کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے پتھر پھینکتے حضور لہو میں تر بتر ہو جاتے خون بہہ بہہ کر جوتے میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

ایک دفعہ بد معاشوں نے نبی اللہ کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں اور چیخیں چلائیں کہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے۔ اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسول کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور بیہوشی کے عالم میں گر پڑے حضرت زید نے ان کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا آبادی سے باہر لے گئے پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا

اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج میں اور صدمہ کے وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خدائی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ اس وقت جو دعا مانگی وہ یہ تھی۔

الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترشرو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں۔ جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری رضامندی مجھ پر وارد ہو مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی مجھے تیری طرف سے ملتی ہے لے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔ میں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں۔ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہونگی۔

مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی

سراقہ، کفر سے ایمان تک

تین روز غار میں رہنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق رضی اللہ عنہ معیت میں اپنے رہبر اور عامر بن فہیرہ کو لے کر نکلے تعاقب سے بچنے کے لئے عام راستہ چھوڑ کر ساحل کا لمبا راستہ اختیار کیا ادھر مکہ میں اعلان کیا گیا کہ دونوں مہاجروں میں سے جس کسی کو بھی کوئی شخص قتل کردے یا گرفتار کر لائے اس کے لئے سو اونٹ کا انعام ہے لوگ برابر تلاش میں تھے سراقہ بن جعشم کو خبر ملی ایسے ایسے دو آدمی ساحل کے راستہ پر دیکھے گئے ہیں اس نے نیزہ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ قریب آکر جب سراقہ تیزی سے جھپٹا تو گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے سراقہ نے دو تین بار ناکام کوشش کے بعد عفو چاہی نیز درخواست کی کہ ایک تحریری امان لکھ دیجئے۔ گویا اس نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ ان ہستیوں کے طفیل ایک نیا دور نمودار ہونے والا ہے امان لکھ دی گئی اور فتح مکہ کے دن کام آئی، اسی موقع پر حضور نے سراقہ کو ایک بشارت بھی دی کہ "اے سراقہ"! اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا" — پیشین گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ایران کے موقع پر پوری ہو گئی —

مولانا رشید الوحیدی صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی، استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

خاتم النبیین بحیثیت سپہ سالار

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع انتہائی عظیم اور وسیع ہے جتنی عظیم تاجدار مدینہ کی ذات مبارک اور جتنی وسیع جناب کی رحمت، اس موضوع کے کسی ایک پہلو پر قلم اٹھائیے لکھتے جائیے، لکھتے جائیے اس بحر ناپیدا کنار سیرت کے موضوع کا یہ ایک پہلو بذات خود ایک وسیع و عریض سمندر بن جائیگا اور حیران قلم رک جائے گا۔ دماغ سوچنے لگے گا میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا پھر سیرت کے کسی ایک پہلو کا انتخاب بذات خود ایک مشکل کام ہے اور میرے لیے یہ مشکل آسان نہ ہوتی اگر میرے دوست فضل الرحمٰن صاحب اس پہلو کا تعین خود ہی نہ فرمادیتے کہ سیرت کے جنگی پہلو پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ حضورؐ کی سیرت کے ہر بات کے متعلق اختصار اور تفصیل کے ساتھ کم و بیش ہر شخص کچھ نہ کچھ جانتا ضرور ہے پھر آپ کی دماغی حیثیت عسکری زندگی، فوجی قیادت اور فن سپہ گری کا عنوان کیوں نہ ہمارے سامنے آئے جس سے ہم سمجھ سکیں کہ آپ کی فوجی نقل و حرکت اور جنگی اصول کس قدر منظم اور اعلیٰ و ارفع تھے۔

سب سے پہلے ہمیں اسلام میں جنگ کی اجازت کے اس پہلو کو سامنے رکھنا ہوگا جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ان لوگوں اجازت دی جاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا"

اس اجازت سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اسلام نے مظلوم کی حمایت اور اپنی دفاع کے لئے جنگ کی اجازت دی ہے کسی ملک یا قوم کو غلام بنانا، تاراج و برباد کرنا ہرگز اسلام کا مزاج و منشا نہ تھا یہی وجہ ہے کہ مہذب دنیا اور شائستہ اقوام جبکہ اپنی تمام تر شائستگی اور تہذیب کے دعووں کے باوجود یہ اصول اپناتی ہیں کہ جنگ میں وہ تمام باتیں جائز اور روا ہیں دوسرے

مذاہب کے عبادت خانوں کو، بزرگوں اور پیشواؤں کو، عورتوں، بچوں بوڑھوں، ضعیف اور کمزور کو بیمار، پھل دار درخت پکی کھیتوں بے قصور مجبور انسانوں وغیرہ کو کوئی نقصان نہ پہونچایا جائے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بخاری و مسلم میں حدیث ہے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضورؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ جہاد میں جانے والے صحابہ کو حضور نے ہدایت دی کہ کسی بوڑھے ضعیف چھوٹے بچے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ ایسے ہی حضرت صدیق اکبر نے سفیان کے لڑکے یزید کو شام جاتے وقت ہدایت دی کہ عبادت گزار راہبوں اور کاشتکاری کرنے والوں کو قتل نہ کریں۔

یہ اس جہاد کے احکامات ہیں جو قرآن کی زبان میں فی سبیل اللہ کے راستے میں لڑی جاتی ہے اور جس کی فضیلت خود قرآن و حدیث میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہے حدیث میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ مومن بہتر ہے جو اپنی جان و مال سے خدا کے راستے میں جہاد کرے (بخاری) اور ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا خدا کے لئے جہاد کرنے والے کی شان ایسی ہے جیسے روزہ دار اور نفل پڑھنے والا خدا تعالیٰ اس کے لیے جنت کا کفیل ہو جاتا ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ جب جہاد کے لئے مجاہدین اور میدان جہاد کے ہر سپاہی کی یہ ذہنی تربیت ہو کہ وہ خدا کے انعام اور اسکی رضامندی کے حصول کے جذبے سے سرشار ہو، تو اثنائے جنگ یا جنگ کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ کوئی ایسا فعل اس سے سرزد ہو جائے جس سے ظلم یا سختی یا کسی غیر انسانی فعل کا مظاہرہ ہو اور یہ حضورؐ کے جنگی اصول کی پہلی بنیاد تھی جسکے بعد شہادت ہی اصل کامیابی بن جاتی ہے اور موت کا تصور کالعدم ہو جاتا ہے پھر خدا اور رسول کے اس وعدے و بشارت کے بعد جنگ میں ناکامی کا سوال کہاں رہ جاتا ہے جنگ کے لئے سامان حرب اور ضابطۂ جنگ بھی بہرحال لازمی ضرورت ہے تاہم حسن اخلاق خوبیٔ کردار نصرتِ الٰہی کی بشارت خدا اور اسکے رسول کی رضامندی کے لئے جان سپاری کا جذبہ یہ وہ قوتیں ہیں جن سے حیرت انگیز کامیابی قدم چومتی ہے۔

سرکار دو عالمؐ کی مبارک دانشگاہ کے تربیت یافتہ مجاہدین اس تصور سے کوسوں

دور تھے کہ جنگ کا مقصد، کسی قوم کو غلام بنانا یا دنیوی جاہ و جلال کو حاصل کرنا بھی ہو سکتا ہے حتیٰ کہ جنگ میں ذاتی انتقام و بدلے کا بھی کوئی خیال ان کے دل میں نہ آتا تھا ان کے سامنے اعلاء حق ہوتا تھا یا اشاعت حق کے راستے کے موانع اور رکاوٹوں سے بریاب مقصود ہوتا تھا، انہوں نے پیغمبر خداؐ کی زبان مبارک سے خدا کا کلام سنا (ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ کے اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں) بس ایسے باطل پرستوں اور ایسی طاغوتی طاقتوں کو سزا دینے کے لئے جان مال سے تیار ہو جاتے ہیں جو خدا کے نور اور اسکے عطا کئے ہوئے مقدس نظام زندگی کا دشمن ہو، اور پھر ان کے سامنے دنیا اپنی تمام رعنائیوں اور لذت کوشیوں کے باوجود محض حقیر تھی انکے مقدس جنرل اللہ کے محبوب نے آخرت کی ابدی زندگی اور دنیا ر فانی کی چند روزہ حیات کا جو تصور پیش کردیا تھا وہ ایسا نہ تھا جسکا نشہ کسی وقت دور ہو جاتا قرآن نے ہر ایسے امکانی خدشے اور خدشے کا توڑ پیش کیا جہاں جہاد فی سبیل اللہ سے بچنے اور جان بچانے کا کوئی واہمہ بھی ہو سکتا تھا یہ آیت اسوقت کی ہے جب مسلمانوں کا امام عام حکم دیدے تو جہاد فرض ہو جاتا ہے

یا ایہا الذین امنوا مالکم	اے مسلمانوں تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب
اذا قیل لکم انفروا فی	تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم
سبیل اللہ اثاقلتم	بوجھل ہو جاتے ہو (زمین سے لگے جاتے ہو)
الی الارض أرضیتم بالحیٰوۃ	کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر
الدنیا فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی	قناعت کرلی سو دنیوی زندگی کا تمتع آخرت کے
الآخرۃ الا قلیل۔	مقابلے میں بہت قلیل ہے

جب متاع دنیا کے قلیل اور حقیر ہونے کا یہ اعلان مجاہدین اسلام کو ملتا ہے اور اس پیغمبر صادق کی زبان مبارک سے جسکے اشارہ ابرو پر جان دینا عین ایمان سمجھ لیا گیا ہو تو کسی ضابطے اور اُصلیے کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے اس کے باوجود آئیے ہم دیکھیں کہ ایک "ماہر فن سپہ گری" اور "عسکری اصول کے آزمودہ کار کمانڈر" کی حیثیت سے اللہ کے رسولؐ کا کیا مقام ہے

آپ نے لشکر اسلام کی تربیت میں ہر سپاہی ہر مجاہد اور ہر صحابی کو جنگ کی صعوبت اور صبر آزما لمحات کا ہمیشہ سے عادی بنایا اس کے لئے روزہ رکھنا، شب بیداری لذائذ دنیا

سے اجتناب محنت وجفاکشی کی عادت ہر قسم کے ذرائع سے کام لیا تاکہ اسلام کے یہ مجاہد سخت سے سخت موقع پر بھی ہمت نہ ہاریں۔

پھر میدان کارزار میں جس اطاعت اور بے چون وچرا فرمابرداری کی ضرورت ہوتی ہے، جاں نثار صحابہ میں وہ خوبی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ قرآن نے اس معاملے میں آخری بات یہاں تک فرمادی (نبی کی آواز کے مقابلے میں اپنی آواز اونچی مت کرو) اس اطاعت اور فرمابرداری کے بعد فوج میں اپنے کمانڈر پر اعتماد وانقیاد کا وہ جذبہ پیدا ہو جانا کچھ بعید نہیں جو ایک لشکر کے لئے کامیابی کی ضمانت ہے۔

زندگی کے عام کاروبار میں کسی انسان میں ایک خاص قسم کی صلاحیت اور استعداد کو پہچان کر اس شخص کو اسی کام میں لگا دینا بہت بڑی کامیابی ہے پھر میدان جنگ میں تو اس وصف کی بے حد ضرورت ہوتی ہے اس معاملے میں ہمارے سامنے عام مومنین کے لئے ایک اصول بتا یا گیا ہے مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) پھر سرور دو عالم جو اللہ کے انوار و اسرار کے مہبط ومنبع ہیں آپ کی فراست خطانت ذہانت کی تشریح وبیان کی طاقت کسے ہے آپ نے اللہ کی عطا کی ہوئی اس اعلیٰ خوبی اور صلاحیت کو کام میں لاکر فوج کی ترتیب میں سپہ سالاروں کا انتخاب اس انداز پر فرمایا کہ جو پرزہ جہاں مناسب تھا فٹ کر دیا گیا اور تاریخ جہاد اس کی گواہ ہے کہ اس ترتیب اور تنظیم نے بڑے بڑے جبابرہ اور قیصر وکسریٰ میز وکش کے پرخچے اڑا کر ان کے محلوں اور لشکروں پر اسلام کا پھریرا لہرادیا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک جہاں دیدہ ہوشیار کمانڈر کی حیثیت سے آپ دشمن فوجوں اس کی فوجی طاقت کا پتہ لگانے کے لئے اور اپنی فوجی طاقت کا رعب دشمن کے دل پر بٹھانے کے لئے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو باہر روانہ فرماتے کہ ان میں حتی الامکان اپنے آپ کو پوشیدہ رکھو۔ ، رات کو سفر کرو، حالات کا جائزہ لے کر ضروری معلومات فراہم کرکے واپس آؤ۔ چونکہ ہر لشکر کا مقصد محض حالات سے باخبر ہونا تھا اس لئے جنگ اور تعارض سے گریز کرنا ضروری ہوتا تھا عبیدہ ابن حارث حمزہ بن عبدالمطلب اور سعد ابن ابی وقاص اس قسم کے لشکر کے امیر مقرر کئے جاتے تھے۔

فوجوں کی لشکری نقل وحرکت کی مشق کے لئے جناب اکثر عام اور آسان شاہراہ کو

چھوڑکر دشوار گذار راہوں سے پہاڑیوں اور وادیوں سے مجاہدین کو بنفس نفیس لے کر چلتے تھے اس کے ایک طرف دشمن کو نقل وحرکت سے بے خبر رکھنا مقصود ہوتا تھا دوسری طرف مجاہدین کو صبر وتحمل اور فوجی تکنیک کے اصول بتانے ہوتے تھے اور راستوں کا نشیب وفراز پگڈنڈی، چشمہ، غار غرض ہر اس چیز کا عادی بنانا تھا اور ان امور کو سامنے رکھنا تھا جو عین موقعۂ جنگ میں پیش آسکتے تھے۔

جنگ پر روانگی سے قبل ایک کامیاب جنرل کی حیثیت سے سرکار دوعالم فوجوں کی خود صف بندی فرماتے، چھڑی کے اور ہاتھ کے اشارے سے کبھی ایک مجاہد کو اپنی جگہ سے ہٹاکر دوسرے کو اسی جگہ دے کر فوج کی ترتیب اور صف درست فرماتے اجمالی اور تفصیلی طور پر فوج کا معائنہ فرماتے اور اطمینان فرماتے تھے۔

اچانک حملہ ہو، شب خون ہو یا باقاعدہ پلاننگ کے تحت لشکر کشی ہو ہر حال میں جنگی ارادہ اور حملے کو راز میں رکھنا آپؐ کا خاص کام تھا نہ صرف یہ کہ دوسرے لوگوں کو بلکہ خود فوجی دستوں کو لشکر کے کوچ کرنے کا وقت اور سمت آخر وقت تک معلوم نہ ہوتا تھا اور نہ کسی جاں نثار مجاہد اور صحابی کو اس بات کی جستجو ہوتی تھی کہ حضرت کا ارادہ کیا ہے وہاں تو عالم یہ تھا کہ ایک صحابی انصاری سعد بن معاذ کا بیان پورے صحابہ کی جماعت کے جذبۂ اطاعت کی نمائندگی کرتا ہے

"ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور ہم نے پختہ دلی سے آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کیا ہے لہٰذا آپ اپنے ارادے پر عمل فرمایئے ہم اس ذات کی قسم کھاکر کہتے ہیں جس نے آپ کو نبی برحق بنایا ہے اگر آپ نے ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیا تو ہم خوشی اس میں کود جائیں گے ہم لڑائی میں ثابت قدم رہیں گے ہمارا قدم ہرگز پیچھے نہ ہٹے گا ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ہم کوئی ایسا کام کریں جس سے ہمیں آپ کی خوشنودی حاصل ہو سکے"

اور اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سمندروں میں کود جانے والے سرفروشوں کو اس سے کیا بحث ہو سکتی تھی کہ فوج کب، کدھر اور کتنے دنوں کے لئے جا رہی ہے آنحضورؐ کی فوجی نقل وحرکت نہ صرف یہ کہ راز میں ہوتی تھی بلکہ ایسی پر اسرار اور دوسروں کے لئے ناقابل فہم ہوتی کہ چالاک سے چالاک دشمن باوجود اپنی تمام جاسوسانہ

کارروائیوں کے دھوکے میں آجاتا تھا۔ خیبر کے حملے کا واقعہ سامنے رکھیے۔ مقصود اور منزل خیبر ہے ایک طرف غطفان واقع ہے آپ فوجوں کو لے کر سیدھے خیبر جا سکتے تھے مگر ایسا درمیانی راستہ اختیار فرمایا کہ خیبر اور غطفان والوں میں سے کوئی نہ سمجھ سکا کہ حملہ کس پر ہونے والا ہے اور آپ نے پہلے غطفان کو قبضے میں لے لیا پھر خیبر والوں سے نبرد آزما ہوئے

میدان جنگ میں پہونچ کر محل وقوع اور جنگی مورچے کا پوری بالغ نظری سے جائزہ لے کر ایسی جگہ پر پہلے سے قبضہ کر لیا جاتا ہے جو رسد رسانی۔ حفاظت اور دشمن کا حوصلہ پست کر دینے کے لئے مفید ہو پھر حضورؐ اپنی فوجوں کو رات کی تاریکی میں لے کر نکلتے ہیں اور رات ہی میں میدان میں لشکر اسلام کو صف بندی کر کے مستعد فرما دیتے ہیں۔ فوج کے مختلف حصوں پر افسر متعین فرما دیتے ہیں اور الگ الگ علم بردار مقرر فرماتے ہیں فوج کو ہدایت ہے کسی حالت میں صف نہ توڑیں سیسہ پگھلائی دیوار بن جائیں اسلحہ کے استعمال میں جوش انتقام، ذاتی رائے اور بہادری کے جذبے کی جگہ فرمان نبی کو سامنے رکھیں تیر پتھر اور تلوار کا کون کون سا موقع اور وقت مناسب ہے سب حضورؐ بذاتِ خود بتا دیتے ہیں۔

پھر اللہ کا رسول جس اطمینان، دلولے اور سکون کا جنگ کے خطرناک موقع پر اظہار فرماتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ سپاہیوں اور مجاہدین کی ہمت اور حوصلے کو مضبوط و مستحکم فرما رہے ہیں جبکہ آپ کا یہ عالم ہے کہ میدان جنگ کے تمام مادی اصولوں کو نہایت حسن و خوبی سے انجام دینے کے بعد کامیابی و ناکامی کے اصل مالک خدائے ذوالجلال کے دربار میں ساری رات سجدہ ریز رہتے تھے اور اس قدر بے قراری سے بار بار فرما رہے ہیں "اے خدائے قادر و توانا تیرے یہ مٹھی بھر مجاہد تیرے دین کی حفاظت کے لئے میدان میں آگئے ہیں اگر آج یہ دشمن سے ہار جاتے ہیں تو قیامت تک روئے زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا" اور بیقراری گریہ زاری کا یہ عالم ہے کہ تن بدن کا ہوش نہیں ہے چادر مبارک گر جاتی ہے رفیق غار خلیفۂ ثانی حضرت ابو بکرؓ کرتا کے لاڈلے کی یہ تڑپ و بے چینی دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک ضرور اپنے محبوب کی لاج رکھ لے گا فرماتے ہیں بس بس اے اللہ کے نبی، آپ کی کامیابی

یقینی ہے اور پھر۔

ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنودا لم تروھا۔	اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے قلب پر اور دوسرے مومنین کے قلب پر تسلی نازل فرمائی ایسے لشکر امداد کے لئے نازل فرمائے جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

اگر ہم سرور کائناتؐ کی جنگی مہارت اور فن سپہ گری سے بحث نہ کرتے تو آپ کی تمام کامیابیوں کے لئے صرف مذکورہ بالا واقعہ کافی ہوتا جس میں اللہ کا نبی اللہ سے مدد چاہتا ہے، مانگنے کا حق ادا کر دیتا ہے اور مدد مل جاتی ہے مگر وہ " مانگنے کا حق " اور " شرط " کیا ہے جو سرکارؐ نے پوری طرح ادا کر دیا تھا قرآن ہی سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اگر " حق " اور شرط " کا کچھ حصہ " دن " سے متعلق ہے اور کچھ حصہ " رات " سے رات کا حصہ تو یہی ہے جو ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا اور جسکی شہادت میں رومیوں کی شکست کے بعد شہنشاہ ہرقل کو اس کے ایک تجربہ کار بوڑھے جرنل کا جواب پیش کیا جاسکتا ہے۔ جب ہرقل نے پوچھا تھا کہ یہ مٹھی بھر نہتے بدو کس طرح ہماری ٹڈی دل فوج کے مقابلے پر فتح پا گئے اس نے کہا تھا " وہ رات کا کچھ حصہ اپنے خدا کی عبادت میں صرف کرتے ہیں باہم اخوت ومساوات سے رہتے ہیں۔

اور " دن " کا حصہ یہ ہے کہ ایک بہادر سپاہی کی حیثیت سے

دشمن سے لڑنے کے لئے سامانِ حرب اور اپنی سپاہیانہ طاقت کو ہر وقت تیار رکھو تاکہ دشمنوں پر تمہارا رعب قائم رہے " (قرآن) دوسری طرف کردار وسیرت عزم بلند صبر وشجاعت جو رسول اللہؐ کی مبارک تربیت سے مجاہدین کو حاصل ہے اسکی بھی ضرورت ہے پھر دیکھو کر دشمن کی عددی اکثریت تمہارے سامنے ہیچ ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔

ترجمہ۔ اے نبی آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم سے بیس آدمی ثابت قدم رکھنے والے ہونگے تو دوسو پر غالب ہو جائیں گے اور اس طرح اگر تم میں سے سو آدمی ہونگے تو ایک ہزار کفار پر غالب ہو جائیں گے " یہ ثابت قدمی وہ بنیادی شرط ہے جو سو کو ہزار کفار کو پسپا کرنے کو کافی تھی اور یہ تھی وہ شرط اور مانگنے کا وہ حق جو اسلامی فوج اور مجاہدین اسلام کے جرنیل اعظم حضورؐ نے پورا کر دیا تھا۔

ایک عارضی مگر محفوظ جگہ میدان جنگ سے تھوڑا ہٹ کر کھجور کی شاخوں سے گھیر کر بنائی گئی ہے جہاں سے فوجی کمانڈر میدان جنگ کے حالات اور فوجوں کی نقل و حرکت کا معائنہ کر سکے اور یہ جگہ فوجی لحاظ سے ہر ضرورت سے مزین ہے لمحہ لمحہ کی خبر لانے اور لے جانے کے لئے گھوڑے سانڈنیاں تیار ہیں پھر جانباز وجان نثار صحابہ کا ایک دستہ اپنے آقا کی یا زیر نظر مضمون کے لحاظ سے یوں کہئے کہ اپنے کمانڈر کی حفاظت کے لئے موجود ہے۔ پھر اس جگہ کا جسے ہم معائنہ گاہ کہہ سکتے ہیں محل وقوع ایسی جگہ کسی پہاڑی پر واقع ہے جہاں سے پورے میدان کا نقشہ نظر آرہا ہے اور دشمن کی نگاہ سے مخفی ہے۔ جنگ کا تمام نقشہ حضورؐ اپنی مبارک آنکھوں سے معائنہ فرمارہے ہیں۔ نگاہ کبھی کبھی مالک حقیقی کی طرف ملتجیانہ اٹھ جاتی ہے جس نگاہ سے صاف جھلکتا ہے کہ مالک ومختار میرا اسباب کو اختیار کرنا۔ اسلحہ فوجی تربیت تنظیم و ضبط سب اس لئے تھے کہ یہ بھی تیرا حکم ہے ورنہ اصل سہارا اس بپھرے ہوئے خونی سمندر کا ساحل وکنارا ان مٹھی بھر مجاہدین کی فتح کا واحد ذریعہ تو اور صرف تو ہے، اور تازہ دم مجاہدین کا دستہ وقت ضرورت کے لئے محفوظ ہے ہر کمک کو سرکار اپنے سے قریب ٹھہرا ہوئے ہیں جب دشمن کی فوج لڑتی ہوئی مجاہدین فوجوں سے تھک جاتی ہے تو تازہ دم کمک نکل کر انہیں تلواروں اور تیروں پر لے لیتی ہے اور جب وہ پسپا ہو کر بھاگتے ہیں تو سرکار کے اشارے پر یہ مجاہدین کا دستہ دور تک ان کا تعاقب کرتا ہے مبادا وہ کسی اور طرف سے لوٹ کر حملہ آور ہو جائیں۔ یا پلٹ کر واپس نہ آئیں۔

آنحضورؐ مقام جنگ اور پڑاؤ کے لئے جس جگہ کا انتخاب فرماتے تھے اور پہلے سے پہونچ کر اس پر قبضہ کر لیتے تھے وہ آپ کی فوج کے لیے ہر وقت، ہر حالت اور گرمی، سردی، برسات ہر موسم کے لیے نہایت موزوں اور دشمن کے لئے مضر، اُحد کی مثالیں خاص طور پر پیش کی جاسکتی ہیں باقی دوسری تمام جنگوں کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو بخوبی ثبوت فراہم ہو جاتا ہے۔

اس بات کا دشمن، اور جنگ میں گرفتار قیدی، دونوں ہی اقرار کرتے ہیں کہ درمیان جنگ یا بعد از جنگ قید کی حالتیں آنحضرتؐ یا آپ کے تربیت پائے ہوئے مجاہدین میں سے کسی نے سختی، ظلم نا انصافی انتقام عدم مساوات یا کسی قسم کا وحشیانہ سلوک کبھی نہیں کیا چنانچہ بدر کے قیدیوں کی گواہی حدیث وتاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے کہ اسلام کے

یہ فاتحین خود پیدل چلے قیدیوں کو سوار کر کے لے گئے خود کھجور کھا کر گذارا کیا قیدیوں کو کھانا کھلایا حالانکہ جنگ کی سختی اور صعوبت دونوں اٹھائے تھے، زخمی دونوں تھے، تھکے ہوئے دونوں تھے تو وہاں کوئی بدلہ تھوڑا ہی لیا تھا، دشمنی تھوڑا ہی نکالنی تھی سرکار تو سارے عالم کے لئے رحمت تھے پھر قیدی اس رحمت سے محروم کیوں رہتے۔

نہ جنگ سے مقصد حصول زر اور دشمنوں کا مال و متاع ذخیرہ کرنا تھا اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ قرآن نے حکم دیدیا۔" اے نبی لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے تمہاری خواہشات کا اس میں دخل نہیں ہے"

"دوسری جگہ ارشاد ہوا

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان	جان لو جو کچھ مال غنیمت تم کو ملا ہے اسمیں
لله خمسه وللرسول ولذی	سب کا ایک خمس اللہ کا ہے اور اسکے رسول کا ہے
القربٰی والیتٰمٰی والمساکین	ایک حصہ آپکے قرابت داروں کا ہے ایک حصہ
وابن السبیل۔	یتیم کا ہے ایک حصہ مسکین اور ایک حصہ مسافر کا ہے

مجاہد میدان جہاد میں پیغمبر کے حکم و اشارے پر اللہ کے فرمان اور اس کے دین کو بلند کرنے کے لئے مصروفِ جہاد ہے وہاں کسی ذاتی خواہش اور دینوی مفاد یا جاہ و عزت کا کیا تصور ہو سکتا ہے اس جذبہ کے ساتھ سرکار دو عالمؐ کے دانشمندانہ طریقۂ جنگ نے ملکر اسلامی تاریخ جہاد میں کامیابی ہی کامیابی بھر دی۔ نعت رسول اور منقبت نبی میں لفظ و بیاں کا جادو جگانے والے بڑے دلبرانہ انداز میں ذکر کرتے ہیں" کالی کملی والے، حرم پاک میں ساری رات بارگاہِ حمد میں کھڑے ہونے والے "یتیموں کے والی" بیواؤں کے پناہ گاہ، غلاموں کے سہارے، صائم الدھر، اللہ کے لاڈلے، شہنشاہوں کے شہنشاہ اور اس قسم کے معزز القاب و آداب، بے شک یہ ذات پاک اسکی مستحق ہے کہ تمام عمر، علم و دانش کی تمام کوششوں کے بعد جس قدر بلند و بالا القاب و آداب سمیٹ لیئے جائیں، ذاتِ عالیؐ ان سے ماورا ہے، جسکی فرشتے تعریف کریں، خدا خود توصیف فرمائے، پھر بھلا ہم ذرّے کیا ہیں اور ہمارے الفاظ کیا اس مقدس بابرکت ذاتِ پاک کو ذرا دیکھئے تو میدان کارزار میں نہایت مستعد چاق و چوبند پھرتیلا اللہ کا شیر تجربہ کار کمانڈر بھی نظر آرہا ہے کاش مسلمان آپ کی سنّت کا عشرِ عشیر بھی اپنالیں

تو قوم کی تقدیر بدل جائے)

کیس عبداللہ ابن جبیر کو تیر اندازوں کا افسر بنا کر کسی پہاڑی پر مقرر فرمایا ـــــ ادھر سے ہٹ کر مصعب بن عمیر کو علم عطا فرمایا حضرت زبیر کے ماتحت سواروں کا ایک دستہ مقرر کیا اور اس دستے کے ہمراہ مددگاروں کا ایک اور دستہ مقرر فرمایا دوربین نگاہیں پورے میدان کارزار کا جائزہ لے رہی ہیں اور جبل احد کے عقب سے خطرہ کو محسوس فرمایا کفار ادھر سے حمد کر سکتے ہیں وہاں کچھ مختصر سا دستہ مقرر فرمایا۔

دشمن کی طرف سے دو بہادر غرور کے نشے میں چور دستہ لے کر بڑھے ادھر سے مقدس جرنل نے دونوں دستے میں سے ایک دستے کو اپنی جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا، دوسرے کو پہاڑ کی جانب بڑھنے کا حکم دیا اور مجاہدوں کے بڑھتے ہوئے دستے نے تیروں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا اور پھر تو اللہ کے نبی نے جرنل اور کمانڈر ہونے کا پورا حق ادا فرمایا کبھی ایک دستے کو ایک طرف سے حملے کا حکم دے رہے ہیں کبھی دوسرے دستے کو دوسرے مناسب رخ پر پڑھا دیتے ہیں دشمن کا ایک حصہ آگے بڑھتا ہے اسے مسلمانوں کی طرف میدان خالی ملتا ہے جوشِ غضب و بہادری میں وہ حصہ بڑھتا جاتا ہے بڑھتا جاتا ہے جب" آپ اپنے دام میں صیاد آجاتا ہے" تو کسی پہاڑی یا کمین گاہ سے اللہ کے شیروں کی للکار تیر و تلوار کی صورت میں موت کا پیغام بن کر ان پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ اسلامی جھنڈا بلند ہے بلند رہے گا (اسلام سر بلند رہے گا سرنگوں نہیں ہوگا) جھنڈے والا

ہاتھ کٹ جاتا ہے تو دانتوں میں جھنڈ دبا لیا جاتا ہے مگر گرنے نہیں دیا جاتا اللہ کا لاڈلا جس پر جن و انس تو ایک طرف فرشتے قربان ہونے کو تیار ہیں اللہ کو بھی اسکے دشمنوں کو پیس ڈالنے کا انتظار ہے مگر خود پیغمبر خدا کو اصرار کہ" بارِ الٰہا انکی ہدایت فرما سزا نہ دے یہ ناواقف ہیں بھولے ہیں۔ جی ہاں وہی اللہ کا لاڈلا میدان کارزار میں دشمنوں کے نیزوں برچھوں پتھروں اور تیروں میں گھرا ہوا ہے اور یہ ہے اسلام کی خدمت اور یہ ہے سرکار کی صفت، انتہائی تھکے ہوئے، پیاسے مہلک زخموں سے چور سر سے پیر تک لہو لہان مگر دست و بازو ہیں کہ بجلی کی طرح تلوار کے وار دشمن کے سر پر فرما رہے ہیں برابر لڑ رہے ہیں کبھی بھالا سنبھالے ہیں کبھی تلوار کبھی تیر اور ایسے موقع پر جاں نثار صحابہ نے اس شمع پر پروانہ سوزی کی کیا مثال پیش کی یہ مستقل ایک مدح کا پہلو ہے۔ بس قلم حیرت زدہ ہے۔ موضوع سمندر بلکہ بحر زخار کی طرح موجیں مار رہا ہے کوئی کہاں لکھا جائے کوزے میں دریا کیسے سمائے۔

فتحِ مکّہ

تلخیص
سیرۃ النبی

۱۰ ر رمضان ۸ھ کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار فوجیں رکاب میں تھیں۔ قبائل عرب راہ میں آکر ملتے جاتے تھے۔ مرالظہران پہونچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔ آنحضرتؐ کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادیٔ ایمن بن گیا۔ فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ تحقیق کے لئے انھوں نے حکیم بن حزام، ابوسفیانؓ اور بدیل ابن ورقاء کو بھیجا۔ خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیانؓ کو دیکھ لیا حضرت عمر جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی کہ کفر کے استقبال کا وقت آگیا لیکن حضرت عباس نے جان بخشی کی درخواست کی۔ حضرت عمر نے دوبارہ عرض کیا۔ حضرت عباس نے کہا "عمر اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے" حضرت عمر نے کہا آپ یہ نہ فرمائیں۔ آپ جس دن ایمان لائے تھے مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اسکے قتل کی دعویدار تھی اسلام کی عداوت مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرانے کی خفیہ سازش۔۔ ان میں سے ہر چیز اسکے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی اسنے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام ہے (۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔) اعلان کر دیا گیا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اسے پناہ)

خدا کی شان حرم محترم جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا اس کے آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکر دیتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔
(حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی)

حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کنجی طلب کی دروازہ کھلوایا۔ اور حضرت بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ قریش کے سارے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے خطبہ دیا اسمیں آپ نے فرمایا۔

اے قوم قریش جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ آج لوگ آدم کی نسل سے ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنے ہیں ؛؛

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو سرداران قریش سامنے تھے انہیں وہ حوصلا مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے پر سب سے پیشرو تھے۔ وہ بھی تھے جنکی زبانیں رسولؐ اللہ پر گالیوں کی بارش برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جن کے تیغ وسنان نے نبی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے وہ بھی تھے جنکی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جھلستی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینے پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا ——— اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا؟ تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے پکار اٹھے۔ تو شریف بھائی اور شریف بیرزادہ ہے ؛؛ ارشاد ہوا ؛؛

تم پر کچھ الزام / الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو ؛؛　　(سیرۃ النبی تلخیص کے ساتھ)

علامہ شبلی نعمانی

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز

جہاد کے معرکوں میں آپ کے ہاتھ میں گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا۔

عین اس وقت جب معرکہ کارزار گرم ہے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔ دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آرہی ہیں عین اسی وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم بنرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدہ نیاز میں ہے معرکۂ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا لیتا ہے اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے۔ دفعۃً فوجوں کا بادل چھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

جنگ میں دشمن نے دفعتاً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے.....
۱۲ ہزار آدمیوں میں سے ایک بھی پہلو میں نہیں سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برسا رہے تھے لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہے اور ایک پر جلال آواز آرہی ہے۔
انا النبی لا کذب۔ میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں عین اس وقت جب کہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں موت کی تصویریں ہر طرف نظر آرہی ہیں، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہے دفعۃً نماز کی صفیں قائم ہو جاتی ہیں سپہ سالار امام نماز ہے فوجیں صفوف

نمازیں، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہیں جوش وخروش تہور وجاں بازی غیظ وغضب، اب عجز ونیاز تضرع وزاری اور خضوع وخشوع بن جاتا ہے صفیں دو دو رکعتیں ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہیں ان کے بجائے لڑنے والے نمازیں شامل ہوجاتے ہیں یہ دو رکعتیں ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہیں اور مشغول جنگ سے آکر بقیہ نمازیں پوری کر لیتے ہیں لیکن یہ تبدیلیاں فوجوں میں ہوتی ہیں امام اور رسول اول سے آخر تک عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔

تعلیم وارشادات، ہدایت وتلقین، تہذیب وتزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے عین فتح کے وقت جبکہ مجاہدین فتح کے نشہ میں چور ہیں مال غنیمت فروخت ہو رہا ہے ایک ایک کو ہزاروں کی رقمیں وصول ہو رہی ہیں ایک صحابی خوش خوش آتے ہیں اور جوش مسرت میں کہتے ہیں یارسول اللہ آج میں نے مال غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا کبھی نہیں اٹھایا تھا پورے تین سو اوقیہ ہاتھ آئے (اوقیہ دس روپے کے برابر ہوتا ہے) آپ فرماتے ہیں کہ میں اس سے بھی زیادہ نفع اٹھاؤں؟ وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہیں کیا؟ ارشاد ہوتا ہے نماز فرض کے بعد دو رکعتیں

اظہار تحریری حسب قواعد پریس ایکٹ

۱- مقام اشاعت: سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی

۲- وقفہ اشاعت: دوماہی

۳- پرنٹر
۴- پبلشر
۵- ایڈیٹر
۶- پروپرائٹر
ظل الرحمٰن

۷- پتہ: سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی

۸- شہریت: ہندستانی

میں ظل الرحمٰن بحلف اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم ویقین کے مطابق بالکل درست ہیں۔

۵- مارچ ۱۹۸۰ء ظل الرحمٰن

مولانا برہان الدین سنبھلی، استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ

طبقاتی کشمکش حکمتِ نبوی میں

آج ساری دنیا گویا جہنم کا نمونہ معلوم ہو رہی ہے اور سارا عالم شکایت کناں نظر آتا ہے، کسی جگہ مزدور ہڑتالیں کرنے اور کارخانے کا مشغلہ اختیار کئے ہوئے ہیں، کہیں حکام سے برسرپیکار ہیں تو کہیں مل مالک اور مزدور باہم دست و گریباں ہیں۔

ادھر دیکھئے تو ملازم اپنے آقا، یا افسر کی شکایت کا دفتر لئے بیٹھا ہے، ادھر نظر کیجئے تو افسر یہ کہتے سنا جا رہا ہے "آج کل، ملازمین بڑے کام چور اور حرام خور ہو گئے ہیں" خریداروں سے حال پوچھئے تو وہ اس طرح لب کشا ہوں گے کہ جیسے دوکانداروں پر غصہ اتارنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہوں۔ بتائیے کہ فلاں دکان دار نے ... فلاں چیز کے دام تو پورے، بلکہ زیادہ لے لئے ہیں مگر چیز گھٹیا۔ اور تھرڈ کوالیٹی بھڑا دی۔ بکنگ آفس جائیے تو وہاں "بابوجی" گپ مارتے ہیں، چائے پیتے اور کچھ مسافر لائین لگائے کھڑے بقیہ دھینگا مشتی کرتے "بابوجی ٹکٹ دیجئے" کی صدا، لگاتے لگاتے لڑنے پر آمادہ دیکھے جائیں گے۔

غرض کہ ہر شخص کو جس سے سابقہ پڑا ہے وہ اس کو حریف اور مدِّ مقابل سمجھ رہا ہے اور ہر ایک، اپنے حقوق، بلکہ اس سے زائد لینے پر آمادہ (یا بالفاظ صحیح چھیننے کیلئے تیار) لیکن اپنے فرائض سے مجرمانہ کوتاہی برتنے میں مشغول ہے۔

ذرا سوچئے یہ صف آرائی کیوں ہے؟ اور اس کے کیا اسباب ہیں؟ کہ زمین کے سینہ پر آباد، آج آدم کا کنبہ، باہم مربوط، متفق اور ایک دوسرے سے مانوس ہونے کے بجائے نفرت وعناد کا رویہ اختیار کر کے اس چمنستانِ عالم کو گویا، درندوں کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہے اور آخر اس کا علاج کیا ہے؟ اگر صحیح تجزیہ کیا جائے تو ان تمام

خرابیوں کی بنیاد ایک اور صرف ایک نظر آئے گی اور وہ ہے " دلوں سے خوف خدا کا رخصت ہو جانا - اور اس کے نتیجہ میں ذمہ داری کے احساس کا فقدان اور خود غرضی کا غلبہ!

جب بھی کوئی دنیا اس مرض کا شکار ہوئی، یہی مناظر دیکھنے کو ملے، اور پھر جس نسبت سے اس مرض میں کمی ہوتی گئی اسی تناسب سے ان حالات میں تبدیلی رونما ہوئی۔

آج سے چودہ سو سال قبل روئے زمین کی آبادی، بگاڑ اور خرابیوں کے نقطۂ عروج پر پہونچ کر، تباہی اور ہلاکت کے کنارے کھڑی ہوئی تھی --- اس نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک ایسے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا، جو سراپا رحمت تھے، جنہوں نے اپنے محبت بھرے انداز، حکمت بھرے پیغامات، نصائح سے بھرپور ہدایات اور اعتدال و میانہ روی کی شاہکار، راہ عمل کے ذریعہ اسی سرزمین کو جنت کا نمونہ اور یہاں کے، رہنے والے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور در پئے آزار تھے، انہیں بھائی بھائی، مال لوٹنے والوں کو اپنا پیشہ، اور امانتوں کی حفاظت کرنے والا آبروریزی میں مشغول افراد کو عصمت و ناموس کا محافظ، کم دینے بلکہ نہ دینے والوں کو حق سے زیادہ دینے والا بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اس عظیم احسان کو اس طرح یاد دلایا ہے -

واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم	ترجمہ اور تم پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جبکہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا کے انعام سے آپس میں......
فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها -	بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے کنارے کھڑے تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی -

اگر پوچھا جائے کہ رحمت عالم کے پاس آخر وہ کون سا " نسخۂ کیمیا" تھا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا کہ جیسے زمین و آسمان ہی بدل گئے ہوں، تو اس کا جواب ایک ہی ملے گا - اور وہ یہ کہ صرف " خدا کا خوف تھا"!

" رأس الحكمة مخافة الله "

وہ خوف خدا ہی تو تھا جو ایک بادیہ نشین دوشیزہ کو تنہائی میں بھی دودھ کے اندر پانی ملانے سے باز رکھے ہوئے تھا۔

اسی کا کرشمہ تھا کہ حیرہ سے بصرہ تک ایک خاتون تنِ تنہا ساز و سامان کے ساتھ سفر کرتی، مگر اس کی یا اس کے مال کیطرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ یہی وہ "محتسب" ہے جو خلوت میں بھی جرم کرنے سے روکتا، اور اگر بشری تقاضہ سے اتفاقاً جرم سرزد ہو جائے تو "ماعز اسلمیؓ" کی طرح اعتراف جرم کرنے اور سزا بھگتنے کے لئے بیتاب کر دیتا ہے۔

اسی وصف کے پیدا ہو جانے کے بعد ہر تدبیر موثر، اور ہر ہدایت مفید ہوتی ہے مذکورہ تفصیل کے بعد یہ سمجھ لینا دشوار نہیں رہ جاتا کہ جب قوانین کی تنقید اور اصولوں کی کارفرمائی کا عمل "خوف خدا کے ذریعہ" "زمین" تیار ہو جانے کے بعد ہو گا تب ہی وہ حقیقی طور پر بار آور اور متوقع ثمرات پیدا کرنے والا بنے گا، اس کے بغیر نہیں!

آج کا المیہ یہی ہے کہ قوانین و ضوابط کی تو بھرمار ہے۔ کہ ہر صوبہ میں ایک قانون ساز ٹولہ موجود ہے۔ مگر ان پر عمل کرنے کا جذبہ قانون بنانے والوں میں بھی مفقود ہے۔ اس لئے قانون اور قانون کے نگہبانوں کے زیر سایہ، جرائم پرورش پا رہے ہیں، بلکہ شاید کہنا بے جا نہ ہو کہ ان کی رہنمائی میں ہی قانون شکنی کا۔ مقدس فریضہ، انجام پا رہا ہے۔

بہترین معاشرے کے حصول کے لئے متوازن احکام اور معتدل قوانین کی اثر انگیزی سے بھی انکار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں میں "خوف خدا" پیدا کر کے گویا بہترین نتائج حاصل کرنے کے قابل "زمین" تیار کر لی مگر اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اس کے بعد معاشرتی آداب سکھلائے۔ تمدنی احکام دیئے اور تعزیری قوانین نافذ کئے۔

ان تمام احکام و ہدایت نیز اصول و ضوابط میں، اعتدال و میانہ روی کی راہ اختیار کی، جو اسلام کا طرہ امتیاز اور نبی رحمت کے پیغام کا خلاصہ ہے اسی بنیاد پر اسے "دین قیم" اور اس کے قبول کرنے والوں کو "امت وسطاً" کا امتیازی لقب دیا گیا ہے

تمام احکام و قوانین کا تجزیہ کر کے، مذکورہ امتیاز کو واضح کرنا بہت بڑا کام ہے۔ جو تفصیل طلب بھی ہے اور تھوڑے وقت میں نہ ہو سکنے والا بھی! اسی لئے یہاں صرف، آج کے حالات اور وقت کے تقاضہ کے مطابق "اجیر و مستاجر" کے بارے میں ارشادات نبویؐ سے جو رہنمائی حاصل ہو رہی ہے اسے مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ کارخانہ دار، مزدور کی کشاکش

دجو آج ایک عالمی مسئلہ بنی ہوئی ہے اور جس کے حل کرنے کے واسطے متعدد نظریات وجود میں آ گئے۔) اس جیسے اہم مسئلہ کا پیغام نبوت کی روشنی میں حل تلاش کیا جا سکے اس بارے میں اسلامی تعلیمات کی اصل روح یہ ہے کہ ہر شخص بس اپنے فرائض کی انجام دہی، حقوق ادا کرنے کی فکر اور اپنی ذمہ داریوں سے اچھے طریقہ پر عہدہ برآ ہونے کی کوشش میں لگا رہے نیز ہر اک۔ خدا کے سامنے اپنے کو جواب دہ ہونے کا تصور ہمہ وقت ذہن میں رکھے۔ دوسروں کی کوتاہیوں پر نظر رکھنے، عیب جوئی کرنے اور ان پر تنقید کرنے سے گریز کرے (کیونکہ یہی چیزیں تنازعکو ابھارنے کا سبب بنتی ہیں۔)

لیجیے! اس سلسلہ میں نبیؐ رحمت کے حکمت بھرے کچھ پیغامات سن لیجئے۔ جس سے آج کی پیاسی واداسی دنیا پیاس بجھا سکتی، اور تروتازگی حاصل کر سکتی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم	اللہ کے رسولؐ نے فرمایا لوگو۔ کان کھول کر
الاکلکم راع وکلکم مسئول عن	سن لو! تم سب کے سب چھوٹے بڑے ذمہ
رعیتہ فالامام الذی علے الناس	دار ہو، اور تم سب سے ہی اپنی اپنی ذمہ داریوں کے
راع وھو مسئول عن رعیتہ و	(پورا کرنے نہ کرنے کے) بارے میں باز پرس
الرجل راع علے اھل بیتہ وھو	ہوگی۔ چنانچہ سربراہ حکومت پر تمام لوگوں کی
مسئول عن رعیتہ والمرأۃ	ذمہ داری ہے، اور اس سے ان سب کے بارے
راعیۃ علے بیت زوجہا وولدہ	میں پوچھا جائے گا (کہ ٹھیک طرح عہدہ برآ ہوا یا نہیں)
وھی مسئولۃ عنہم وعبد الرجل راع	اور گھر کا بڑا شخص، اپنے تمام اہل خانہ کا نگراں
علی مال سیدہٖ وھو مسئول عنہ ألا	ہے اور اس سے ان (زیر اثر افراد) کے بارے
فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔	میں دریافت کیا جائےگا۔

(کہ ان کی نگرانی کا حق ادا کیا، یا نہیں؟) عورت اپنے شوہر کے مکان کی ذمہ دار ہے اور اس کی اولاد کی (تربیت کی بھی) چنانچہ اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا (کہ خیرخواہی اور تربیت کا حق ادا کیا یا نہیں۔؟) کسی شخص کا گھریلو ملازم اس کے مال کا محافظ اور (خیرخواہی کرنے کا) ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسی سے اس بارے میں معلوم کیا جائےگا (کہ اپنا فرض منصبی اچھی طرح ادا کیا، یا نہیں) (دوبارہ غور سے) سن لو! کہ تم سب ہی (کسی نہ کسی اعتبار سے) ذمہ دار ہو اس لئے تم سب سے ہی اپنی اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں باز پرس کی جائےگی۔

رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیان کردہ زریں اصول پر بار بار غور فرمائیے! اور بتائیے، کیا اس سے زیادہ بہتر راہ پیش کرنا ممکن ہے؟ کیا ان ہدایات سے بڑھ کر مفید، معاشرہ میں سدھار پیدا کرنے اور ذمہ داری کا احساس جگانے کی کوئی اور تدبیر ہو سکتی ہے؟

آج سارا عالم خود غرضی کی آگ میں جل رہا ہے۔ ذمہ داری کے احساس کو ترس رہا ہے، اس کے نتیجہ میں زمین کی پشت، آرام گاہ (فراش و مہاد) ہونے کے بجائے میدان جنگ نظر آرہی ہے۔ اس آگ کو بجھانے اور اس جنگ کو ختم کرنے کی اس کے سوا بھی کیا اور کوئی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ذمہ داری کے سوئے ہوئے احساس کو جگایا جائے۔ خیر خواہی کے خوابیدہ جذبہ کو جھنجھوڑا جائے اور ہر اک کے ذہن میں ایک علیم و خبیر ہستی۔ جس پر کوئی چھوٹی سی چھوٹی مخفی سے مخفی چیز بھی چھپی نہیں رہ سکتی اس کے سامنے جوابدہ ہونے کا تصور جو بے عملیوں بلکہ بد اعمالیوں کی گرد میں پوشیدہ ہو گیا ہے، اسے اُجاگر کیا جائے۔

یہی سب کچھ اس نہایت معجز اسلوب، جامع انداز بیان، دل نشیں پیرایہ میں اور اثر انگیز طریقہ پر نبی امی۔ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) نے فرمایا۔ چاہئے کہ ہم سب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر چلنے اور ان اصولوں کو زندگی کا دستور العمل بنانے کی توفیق دے اور اپنانے کی کوشش میں دل و جان سے لگ جائیں۔

نفس کے اندر مسئولیت کا احساس پیدا ہو جانے کے بعد نتیجہ کے طور پر دو چیزیں خود ابھر آتی ہیں۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا۔ دوسروں کے حقوق ادا کرنا۔

یہی وہ عملی چیزیں ہیں جن کے نہ ہونے سے آج سارا عالم میدان جنگ معلوم ہو رہا ہے کہ آئے دن مظاہروں، بھوک ہڑتالوں، آندولنوں اور ان سے بڑھ کر آگ لگانے نیز کشت و خون کے مناظر دیکھنے اور سننے میں آتے رہتے ہیں۔

آئیے! دیکھیں! کہ زیر نظر مسائل کے بارے میں اس منارہ نور سے کیا روشنی ملتی ہے۔

ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة رجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره۔	اللہ نے فرمایا کہ تین شخصوں کے خلاف یعنی ان کے مدمقابل قیامت کے دن میں خود خدا کے دربار میں مقدمہ کا فریق ہوں گا

. . . . (اور) تیسرا ایک وہ شخص ہے کہ جس نے
. . . . مزدور سے کام تو پورا لے لیا مگر اس کی اجرت نہیں دی۔

آخرت کے محاسبہ کا جسے یقین ہو، اس کے بدن پر لرزہ طاری کرنے کے لئے یہ حدیث کافی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم۔ رحمت مجسمؐ صلی اللہ علیہ وسلم، جس شخص کے خلاف خدا کی بارگاہ میں کوئی مقدمہ پیش کریں اور اس کے مدمقابل ہو کر فریق بن جائیں، اس کی بدبختی اور ہلاکت و بربادی میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے اور اس کو کہیں ٹھکانا مل سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین پیدا فرما دے۔ مزدور کی حمایت اور اس کی پشت پناہی کا اس سے زیادہ اثر انگیز طریقہ اور اس کی اجرت نہ دینے والے کے لئے اس سے زیادہ لرزہ خیز اور کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں بیان ہوا۔ بشرطیکہ مرنے کے بعد آنے والی زندگی کا یقین کامل اور خدا کا خوف ہو۔ اگر یہ نہیں تو کوئی تدبیر کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اس طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے :-

اعطو الاجرۃ قبل ان یجف عرقہ۔　　مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

ساتھ ہی یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ پہلے اجرت متعین کی جائے اس سے اجیر کو مطلع کر دینا ضروری بتایا گیا ہے۔

من استاجر اجیرا فلیعلمہ اجرہٗ۔ جو شخص جس سے بھی مزدوری پر کام کرائے اسے اجرت کی تعداد طے کر کے، بتا دے ان حدیثوں میں مزدور کی اجرت متعین کرنے اور اس کا پورا حق ادا کرنے کے علاوہ اسے جلد ہی مزدوری دے دینے کا بھی حکم ہے تاکہ وہ اپنا حق محنت حاصل کرنے کے لئے مزید پریشانی اٹھانے اور سیٹھ جی یا ٹھیکیدار صاحب، یا کارخانہ دار کے مکان کا چکر لگاتے رہنے پر مجبور نہ ہو، اور اس کا جو وقت کسی دوسری جگہ مزدوری کر کے مزید اجرت حاصل کرنے میں خرچ ہونا چاہیئے وہ اسی گزشتہ کام کا حق وصول کرنے کی نظر نہ ہو جائے۔ ایک طرف ان احکامات پر نظر رکھئے دوسری طرف "ترقی یافتہ دور میں سرکاری کاموں کے پیمنٹ کی تاخیر، دفتر کے اندر فائلوں کے جنگل میں۔۔۔ کاغذات" کی گمشدگی اور اس پر مستزاد افسروں و کلرکوں کی لاپرواہی وغیرہ وغیرہ جنجھلاہٹیں۔ کہ جس کی وجہ سے حق محنت وصول کرنا گویا جوئے شیر لانے کے برابر ہو گیا ہے۔ جناب ایک

معروف حقیقت ناگزیر مصیبت سمجھی جاتی ہے، ان سب کو دیکھئے تو بے ساختہ کلمات شکر زبان پر آجائیں گے اور ان ہدایات کی قدر پیدا ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب حق کا حق دلانے کے لئے محض اخلاقی ہدایات دینے اور ترغیبی و ترہیبی انداز بیان اختیار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ بعض مواقع پر قانوناً بجبر حق دلایا، جیساکہ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاتون نے اپنے شوہر کے پورا خرچ نہ دینے کی شکایت کی تو آپؐ نے حکم دیا۔

خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف۔	تم اتنا خرچ (قانون کی طاقت سے) لے لو جو تمہیں اور تمہارے بچے کو قاعدہ کے ساتھ کرو تو کافی ہوجائے۔

اسلام کے قوانین میں نہ صرف یہ کہ مزدوری جلد اور پورا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی ہدایت کی گئی کہ طاقت سے زیادہ، کام نہ لیا جائے اور مشقت میں نہ ڈالا جائے۔

قرآن مجید نے حضرت شعیبؑ کا۔ اس بات میں۔ ایک نہایت مفید اور زریں قول نقل کر کے اسے گویا "راہنما اصول" کی حیثیت سے پیش کیا ہے حضرت شعیبؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے (اجرت کے معاملہ طے کرتے وقت) کہا:۔

وما ارید ان اشق علیك (قصص)	لیکن تم کو مشقت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا

اسی طرح رحمتِ عالم نے فرمایا:

لا یکلف من العمل اِلّا ما یطیق۔	(خادم پر) کام کا اتنا بار نہ ڈالا جائے کہ اس سے نہ اٹھ سکے۔

ہاں اگر کسی وقت بڑا کام لینا، ناگزیر ہوجائے تو اس کی مدد کرنا اور اسے سہارا دینا ضروری قرار دیا گیا۔

ولا یکلفه من العمل ما یغلبه فان کلفه ما یغلبه فلیعنه علیه۔	اس کو ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے جو اسکے بس کا نہ ہو۔ اگر ایسی صورت پیش آہی جائے تو خود سہارا دو اور ہاتھ بٹاؤ۔

دیکھئے! سیٹھ صاحب، ٹھیکدار، ساہوکار، ہر ایک کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ مزدور کا ایسے کاموں میں ہاتھ بٹائیں اور اسے سہارا دیں۔ جو کام وہ تنہا بآسانی نہ کر سکتا ہو اس میں کسی کو

اپنی توہین یا ان سلطنت "احساس کمتری" کرنا چاہیئے۔

رسول رحیمؐ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ یہاں تک ہدایت دی کہ جس ملازم نے کھانا پکایا، اور سلسلہ میں اس نے آگ کی گرمی دھوئیں کی گھٹن نیز پکانے کی تکلیف برداشت کی ان چیزوں کا تقاضہ ہے کہ جب وہ کھانا تیار کر کے لائے تو اسے بھی پاس بٹھا کر کھلایا جائے۔

اذا صنع لاحدکم خادمه طعامه ثم جاءبه وقد ولی حره و دخانه فلیقعده معه فلیأکل۔	جب تمہارے خادم نے کھانا تیار کر کے آگ کی گرمی ودھوئیں کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد، تمہارے سامنے پیش کیا تو اسے بٹھا کر ساتھ کھلاؤ۔

غور فرمائیے! اور بتائیے۔ کہ آج کوئی چھوٹا بڑا اکا مرکیہ سرمایہ داروں کا پورا از درصرف کر کے سوشلزم "کا نعرہ لگا والا بھی ایسا کرتا ہے؟

یہی نہیں، اس کے علاوہ اور بھی احکامات دیئے۔ مثلاً خادم کو مارنے۔ اس کو برابھلا کہنے اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کو ممنوع کر دیا، نیز اسکی غلطیاں معاف کرنے کا حکم دیا، مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

کنت اضرب غلاما لی فسمعت من خلفی صوتا أعلم ابا مسعود الله اقدر علیك منك علیه۔	میں اپنے کام کاج کرنے والے لڑکے کو مار رہا تھا، تو پشت کی طرف سے آواز آئی۔ اسے ابو مسعود! اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قابو یافتہ ہے، جتنا تو اس خادم پر۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے۔

لا تضربوه	خادم کو مارا نہ کرو۔

ایک شیعہ رسول صحابیؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا

کم نعفو عن الخادم؟	خادم کی کتنی غلطیاں معاف کی جائیں (تاکہ پھر اسکے بعد سزا دی جائے)

آپؐ نے اس سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ خاموش رہے انھوں نے دوبارہ یہی سوال کیا تب ارشاد فرمایا:۔

أعفوا عنه کل یوم سبعین مرةً۔	ہر روز اسکی ستر غلطیاں معاف کرو۔

اور یہ ہدایات صرف دوسروں کے لئے ہی نہیں تھیں۔ بلکہ آپؐ نے خود اس سے کہیں

زیادہ بہتر اپنے خادم کے ساتھ معاملہ کیا۔

جیسا کہ دس سال مسلسل خدمت اقدس میں رہنے والے خوش قسمت صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مسلسل دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، مگر کبھی آپ نے مجھے ڈانٹا نہیں، جھڑکا نہیں، کبھی کوئی کام خراب ہو گیا تب بھی یہ نہیں کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ یا یہ کیوں نہیں کیا؟ کام بگڑ جانے پر گھر کے کسی فرد نے ڈانٹا تو آپ نے اس کو بھی روک دیا۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وارزقنا اتباعہ۔

جس طرح نبی رحمت (علیہ الف الف صلوۃ وتحیۃ) نے کام لینے والوں سے مزدوروں کا حق دلانے کے بارے میں انتہائی تاکیدی اسلوب اختیار کیا، اسی طرح مزدور سے دیانت داری کے ساتھ مزدوری کرنے اور محنت و جفاکشی سے کام کرنے کا مطالبہ کیا۔ اسی کو ان کی آخرت میں کامیابی کا ایک اہم سبب اور ایسا نہ کرنے پر خدا کے غضب کا مستحق بتایا۔ اسی طور پر دونوں گروہوں کو ان کے واجبات و فرائض نہ صرف یاد دلائے بلکہ انھیں بہتر طریقہ کے ساتھ پورا کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی دونوں کو ایک دوسرے کے حدود میں دخل دینے سے روکا کہ یہی بات دوسروں کے دائرہ کار میں دخل اندازی، تمام تر فتنہ انگیزی کا سبب بنتی ہے۔

اس طریقہ سے پیغمبر اسلام نے اسلام کے بنیادی اصول۔ اعتدال پسندی، میانہ روی کو یہاں بھی کارفرما بنایا، ایسا نہیں کیا کہ کسی ایک فریق کے حقوق کو بالکل نظر انداز یا پامال کر کے دوسرے کی جنبہ داری کی ہو۔ کیونکہ یہ طریقہ مسائل کا حل پیش کرنے کے بجائے مزید پیچیدگیاں پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ نصف صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ سے دنیا اسی کے نتائج بھگت رہی ہے جس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ اس مشکل سے نکلنے کے لئے اکثر غیر متوازن راہیں تلاش کی گئیں مثلاً کہیں مزدوروں کو حقوق دلانے کے نام سے تمام اہل دولت کی دولت پر قبضہ جما لینا، بہترین حل سمجھا گیا اسی اصول پر مبنی ایک مستقل دستور جہانبانی اور نظریہ حیات وجود میں آیا۔ جس کو ہم "کمیونزم" کے نام سے جانتے ہیں۔

ذرا آج، اس جیسی غیر معتدل راہ اپنانے والے ممالک کے باشندوں، کہ اسی راہ میں جن کو تختہ مشق بننا پڑا ان سے اس سرخ جنت، کی حقیقت دریافت کیجئے جس کا لالچ دلا کر اور راتوں رات خوش حال ہو جانے کا سبز باغ دکھا کر انھیں گویا صبر آزما

اور شمشیر بکف کر دیا گیا تھا۔ مگر جب نشہ ہرن ہوا اور یہ آندھی اتر گئی تب معلوم ہوا کہ اس تبدیلی کے بعد ان کی حالت اس مثال کے مصداق ہے کہ "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا"

دائی فطرت نے نہ وہ کیا اور نہ یہ کیا کہ دولت مندوں اور کارخانہ داروں کی بے جا حمایت کر کے انھیں مزدوروں پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑتے رہنے کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہو اور محنت کش طبقہ کو سسکتے رہنے اور نالہ و شیون کے لئے رہنے دیا ہو۔

بلکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان۔ ایک شاہراہ دکھائی اور ہر انتہا پسندی سے روکا، کیونکہ ہمیشہ ایک انتہا دوسری انتہا کا سبب بنتی اور شورشیں پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن انقلاب اور جوابی انقلاب کے تماشے دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔

اس کے برخلاف میانہ روی "ہی وہ فطری طریقہ ہے جس پر چل کر آسودگی سادہ امن و اطمینان کو توقع کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ہادیٔ کل نے جس طرح اجرت پر اپنا کام کرانے والوں، کو فوراً اجرت دینے اور مزدوروں کا حق نہ مارنے کے احکامات دیئے اسی طرح مزدوروں کو بھی کچھ ہدایات دیں۔ ان کے لئے سب سے اہم ہدایت ہے "دیانت داری کے ساتھ مفوضہ خدمت انجام دینا۔ لیکن یہی وصف سب سے زیادہ کمیاب، بلکہ آج کل مفقود ہے۔ حالانکہ اس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے قرآن مجید میں بھی اجیر کے لئے "امین" ہونے کی صفت گویا بطور شرط۔ نہایت اہمیت کے ساتھ ذکر کی گئی اور اسی وصف کو اجیر کی بہترین اور ترجیحی صفت بتایا گیا ہے۔

ان خیر من استجارت القوی الامین (سورۂ قصص)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ایک دوسرے موقعہ پر ہر قسم کے معاملات کو ٹھیک انجام دینے اور ہر وہ کام جس کی ذمہ داری قبول کر لی گئی ہے، اسے تن دہی اور لگن کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا اوفوا	اے ایمان والو اتمام معقود لی گئی ذمہ
بالعقود، (مائدہ)	داریوں کو پورا کرو

یہ بات ظاہر ہے کہ "مزدور" یا "ملازم" (خواہ وہ نجی ہو یا سرکاری) بھی ایک معاملہ کرتا ہے کچھ انجام دینے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ لہذا اسی آیت کی رو سے وہ بھی اس پر شرعاً مامور ہے کہ تمام ذمہ داریاں اور مفوضہ خدمات دیانت داری کے ساتھ انجام دے خواہ کوئی نگرانی

کرنے والا سامنے موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کے ایمان اور آخرت پر یقین کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ کام بگاڑنے یا ٹھیک طرح نہ کرنے سے بچے، یعنی یہ نہ ہونا چاہیے کہ جب ٹھیکیدار نگراں یا افسر کو دیکھا تو کام شروع کر دیا، اور ہوا تکھوں سے اوجھل ہوئے تو پھر بیڑی یا حقہ پینے، باتیں کرنے یا کسی اور طرح وقت ضائع کرنے میں لگ گیا۔ اصل محافظ و نگراں اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ حقیقت سمجھئے کہ اس سے کسی وقت اوجھل نہیں ہو سکتا۔

بس اتنا ہی نہیں۔ بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ جس کا کام اپنے ذمہ ہو گیا ہے یا لے لیا ہے اس کو خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ پورا کرے۔ جان بوجھ کر اسے نقصان پہونچانے یا اس کا زیادہ خرچ کرانے کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

ان العبد اذا نصح	جب ملازم اپنے تنخواہ دینے والے کی خیر
لسیدہ واحسن عبادۃ	خواہی کرتا ہے، اور مالک حقیقی کی عبادت
اللہ فلہ اجرہٗ مرتین۔	بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دہرے عمل کا اجر

دوہرا ملتا ہے۔

ان ترغیبی انداز کی ہدایت کے علاوہ اس سلسلے میں ایک نہایت اہم اور تشویش انگیز بات یہ بتائی گئی۔ جو "ملازم" اپنے متعلقہ کام، اور مفوضہ خدمت سے بچنے اور پیچھا چھڑانے کے لئے کام چوری اور تن آسانی کے مرض کی وجہ سے کہیں خلاف ضابطہ، اور بے جا طریقہ پر بھاگ جاتا ہے اسکی نمازیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔

اگر آج بگڑی اور فتنہ و شر سے بھری ہوئی دنیا، ان ہدایات کو اپنا لے اور اسی راہ پر چل پڑے تو یقین جانیئے کہ طبقاتی کشمکش ختم ہو جائے اور یہی سرزمین جنت کا نمونہ بن جائے۔ کہ جہاں ہر ایک آسودہ مطمئن، اور مسرور و خوش حال ہو، اس طرح فلاحی ریاست کا وہ خواب جو ہزار کوششوں کے باوجود ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا حقیقت بن کر سامنے آجائے۔

علامہ سید سلیمان ندوی

کلیدِ دو عالم

اگر تم دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر تم بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر تم رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر تم فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نظر کرو، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو"

...... غرض تم جو کوئی بھی اور کسی حال میں بھی ہو تمہارے ظلمت خانے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبری کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب نور ایمانی ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے۔

— سید سلیمان ندوی رح

آخری صبح کا پیغام

ماخوذ از رحمۃ العالمین

میدان عرفات سراسر لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر ایک شخص تکبیر و تہلیل اور تحمید و تقدیس میں مصروف تھا اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار (بعض روایتوں میں چوالیس ہزار) کا مجمع احکام الٰہی کی تعمیل کے ساتھ ہمہ تن حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی پر چڑھ کر اور اپنی اونٹنی، قصواء پر سوار ہو کر خطبہ کا آغاز فرمایا۔

لوگوں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ لوگو! تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے کہ تم آج کے دن کی اس شہر کی اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

لوگو! جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ ابن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا۔ میں چھوڑتا ہوں جاہلیت کے زمانے کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سب کا سب چھوڑ دیا گیا۔

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا ہے۔ اور تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔ عورتوں کا حق یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ اگر اسے مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ــ وہ قرآن اور سنت ہے۔

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی ہے۔

خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ ہر سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکواۃ دلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے اولیا کے امور واحکام کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے۔

لوگو قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتلاؤ کہ تم کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا ہم اسکی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہونچا دئے۔ آپ نے رسالت ونبوت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بات اچھی طرح بتلا دی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے پھر فرماتے تھے۔ اے خدا سن لے تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں اے خدا گواہ رہنا۔ اے خدا شاہد رہنا۔

لوگو دیکھو جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ اس آیت کا نزول ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و	آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل
اتممت علیکم نعمتی ورضیت	کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اپنے
لکم الاسلام دینًا۔	تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کر لیا۔ (رحمۃ للعالمین)

مولانا عبدالماجد صاحب ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، فاضلِ دارالعلوم میرٹھ
استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی۔

عہدِ نبوی کا تحریری سرمایۂ حدیث

امم عالم میں جس طرح مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وافعال، سیرت وکردار کو محفوظ کیا ہے، تاریخ اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور متعلقاتِ زندگی کو از اول تا آخر محفوظ کیا بلکہ ان راویوں کے حالات، تاریخ زندگی اخلاق وعادات کو بھی قلمبند کیا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کی ہے۔ ایسے حضرات کی تعداد کئی لاکھ ہے اور ان سب کے مجموعہ اقوال کا نام اسماء الرجال ہے۔ مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے "لائف آف محمدؐ" میں اسکا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

> کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری۔ نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جسکی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

کچھ مستشرقین نے اس بنا پر کہ احادیث نبویہ کی تحریر وتدوین کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تقریباً ۹۰ سال بعد شروع ہوا، ان کی صحت اور وثوق میں شک وشبہ پیدا کرنیکی ناکام کوشش کی ہے۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی حدیث کو ضبط تحریر میں لانے کا کام شروع ہو چکا تھا گو کہ مندرجہ ذیل چند وجوہات سے اس کا عام رواج نہیں پڑا تھا۔

عرب اپنے حافظہ کیلئے مشہور تھے۔ وہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزار ہا اشعار اور بے شمار قصائد زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس وجہ سے صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث کو اسی طرح زبانی یاد رکھتے تھے جس طرح آج مسلمان قرآن مجید کو یاد کرتے ہیں۔ وہ لوگ اہل علم کی نگاہ میں زیادہ وقیع نہیں سمجھے جاتے تھے جو کہ احادیث کو زبانی یاد نہ رکھتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ صحابہؓ کو یہ ڈر تھا

کہ احادیث تحریری صورت میں آجائیگی تو بعد کے لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہیگی جو ان کا حق ہے اور لوگ تحریری مجموعہ کی وجہ سے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت گوارہ نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ تھی کہ ابتدائی زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز (یعنی حدیث) کی کتابت سے منع فرما دیا تھا آپ کا ارشاد تھا،

لا تکتبوا عنی غیر القرآن — قرآن مجید کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام الناس کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے۔ لیکن جب قرآن مجید پوری طرح محفوظ ہوگیا تو آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو احادیث قلمبند کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص فرماتے ہیں

کنت اکتب کل شئ اسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم اريد حفظه فنهتني قريش و قالوا تكتب كل شئ تسمعه و رسول الله صلى الله عليه وسلم يتكلم في الرضا والغضب فامسكت عن الكتاب فذكرت ذالك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاومى باصبعه الى فمه وقال اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه الا الحق [1]	"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کرنے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا۔ (لیکن) قریش (کے کچھ لوگوں) نے مجھے منع کیا اور کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے ہو سب لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ خوشی میں بھی باتیں کرتے ہیں اور غصہ کی حالت میں بھی۔ یہ سنکر میں نے لکھنا چھوڑ دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کیطرف اشارہ کرکے فرمایا" لکھتے رہو۔ خدا کی قسم اس سے حق کے علاوہ اور بات نہیں نکلتی"

[1] ابوداؤد، جامع الصغیر

اس طرح کتابت حدیث کا کام خود عہد نبوی سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور احادیث کا ایک حصّہ دورِ رسالت میں ہی کتابی شکل میں مرتب ہو گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ بخاری نے بھی اس کی تائید ہوتی ہے [۵۲] اس مجموعہ کا نام صادقہ تھا۔ [۵۳] یہ مجموعہ ان کو اتنا محبوب تھا کہ فرمایا کرتے تھے:

مایرغبنی فی الحیاۃ الاخصلتان الصادقۃ والوھط [۵۴]

"مجھے زندگی کی خواہش صرف دو چیزوں کی وجہ سے ہے، صادقہ اور وھط" [۵۵]

حضرت علیؓ کے پاس بھی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جس کی تائید بخاری کی ذیل کی حدیث سے ہوتی ہے:

عن ابی جحیفۃ قال قلت لعلیؓ رضی اللہ عنہ ھل عندکم کتاب قال لا الا کتاب اللہ او فھم اعطیہ رجل مسلم او ما فی ھٰذہ الصحیفۃ

"ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس قرآن کے علاوہ اور کوئی کتاب بھی ہے۔ حضرت علیؓ فرمانے لگے نہیں مگر خدا کی کتاب ہے یا وہ سمجھ ہے جو ایک مسلمان مرد کو دی جاتی ہے۔ یا وہ (چند مسائل ہیں) جو اس صحیفہ میں (لکھے ہوئے) ہیں" [۵۶]

ابو داؤد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں بخاری کی ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیفہ حضرت علیؓ کی تلوار کی نیام میں پڑا رہتا تھا اور اس میں احکام کے متعلق متعدد حدیثیں قلمبند تھیں لوگوں کی درخواست پر انہوں نے اس کو دکھایا بھی تھا۔

بہت سے صحابہؓ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے حکم کی وجہ سے کتابت حدیث کے مخالف تھے بعد میں وہ بھی صرف اس کے قائل ہو گئے بلکہ اس پر عمل کرنے لگے۔

---

۵۲ بخاری کتاب العلم کتابۃ العلم۔ ۵۳ طبقات ابن سعد ج ۲ ۵۴ حاشیہ ص ۳۶ ("حدیث نبوی کے اولین صحیفے" از مولانا عبدالسلام قدوانی) ۵۵ وھط ایک زمین کا نام تھا
۵۶ بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم۔

اور اپنے شاگردوں کو اس کی اجازت دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ شروع میں کتابتِ حدیث سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن بعد میں ان کا یہ حال تھا کہ ان کے شاگرد ان کے پاس بیٹھ کر احادیث لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ کاغذ نہ ہونے کی صورت میں کجاوے کی لکڑی پر کتابت کی جاتی تھی۔ ترمذی کی ایک روایت کے مطابق ان کے پاس متعدد صحیفے جمع ہو گئے تھے [۱] جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے کتابت کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا تھا جو کہ ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

جن صحابہؓ سے سب سے زیادہ روایت نقل کی گئی ہیں اُن میں حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا ہے۔ یہ روایات ان کی زندگی میں ہی ضبطِ تحریر میں آگئی تھیں۔ ان روایات کا ایک مجموعہ حسن ابن عمرو ابن امیۃ الضمری کے پاس تھا۔ [۲] ایک تحقیق کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا وہ مجموعہ جو ہمام ابن منبہ کے پاس تھا اور "صحیفۂ ہمام" کے نام سے مشہور ہے، آج بھی برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے [۳] اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کے شاگردوں نے بھی ان حضرات کی روایت کردہ احادیث کے مجموعے تیار کئے تھے۔ سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ "میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روائتیں سنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا" [۴] حضرت نافع تابعی جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے لوگوں کو (احادیث) لکھوایا کرتے تھے۔ [۵] "عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ایک کتاب نکال کر لائے اور قسم کھا کر کہا یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے" [۶] حضرت جابرؓ کے شاگرد کہتے ہیں "ہم حضرت جابر ابن عبداللہ کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنن کے متعلق پوچھا کرتے تھے پھر انہیں لکھ لیا کرتے تھے" [۷] اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ احادیث بھی حضرت عروہ (حضرت عائشہؓ کے ہمشیرزادے) اور حضرت عمرہ کے ذریعہ اسی زمانے میں کتابی شکل میں مرتب ہو گئی

[۱] تدوینِ حدیث نبوی کے اولین صحیفے بحوالہ ترمذی کتاب العلل۔ [۲] ایضاً ص۱۔ [۳] تدوینِ حدیث از مولانا مناظر احسن گیلانی ص۹۹۔ [۴] خطبات مدراس ص۴۳ بحوالہ دارمی ص۶۸۔ [۵] ایضاً۔ [۶] ایضاً بحوالہ جامع ص۱۷ [۷] حدیثِ نبوی کے اولین صحیفے ص۲۹

تھیں۔ سلہ اسی طرح دوسرے صحابہؓ مثلاً ابو سعید خدریؓ، زید بن ثابتؓ، سمرہ ابن جندبؓ، مغیرہ ابن شعبہؓ وغیرہ حضرات کی روایت کردہ احادیث بھی ان کے زمانے میں ہی ضبط تحریر میں آ گئی تھی۔ ایک تحقیق کے مطابق صرف حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ابن العاص، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت کردہ احادیث ہی کی تعداد ۲۴ ہزار سے متجاوز کر گئی۔ یعنی "مذکورہ بالا صرف آٹھ کثیر الروایات صحابہؓ کی بیان کردہ حدیثیں کم از کم بخاری کی بیس جلدوں میں آئیں گی جن کے صفحات کی تعداد بائیس ہزار سے متجاوز ہوگی" سلہ یہ یاد رہے کہ مکرر حدیثوں کو نکال کر بخاری شریف میں "حقیقۃً" صرف ۲۶۰۲ روائتیں ہیں جو بار بار کی تکرار سے ۹۰۸۲ ہو گئی ہیں۔

رسول اکرمؐ کی طرف سے تحریر کرائی گئیں احادیث

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض ضروری احکام، ہدایات، صلحنامے اور خطوط وغیرہ لکھوائے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کو تحریری طور پر لکھوایا گیا تھا۔ سلہ حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ سے معاہدہ ہوا تھا وہ تحریری طور پر لکھا گیا تھا۔ اس کے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ اس کی ایک نقل قریش نے لے لی تھی اور ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ سلہ

بخاری کی ایک روایت کے مطابق مدینہ منورہ آنے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے۔ سلہ عمرو بن حزم کو جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو صلواۃ،

سلہ "حدیث نبوی کے اولین صحیفے" ص ۲۱ سلہ ایضاً ص ۲۴ سلہ السیرت النبویۃ لابن ہشام ج ۲ ص ۵۰۱ - ۵۰۴ نیز دیکھئے طبقات لابن سعید الروض الانف لعبد الرحمٰن سہیلی۔ سلہ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲ ص ۹۷ و تاریخ الطبری ج ۲ ص ۶۳۶۔ سلہ صحیح البخاری کتاب الجہاد باب کتابت الامام الناس

صدقات، طلاق و عتاق وغیرہ کے احکام لکھوا کر دیے۔ [1] اسی طرح وائل بن حجر صحابی کو جبکہ وہ مدینہ منورہ سے واپس اپنے وطن حضرموت جا رہے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ، ربوا، شراب وغیرہ کے احکام لکھوائے تھے۔ [2] ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا...." [3] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپؐ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ [4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سلاطین یا امراء کے پاس تبلیغی خطوط ارسال کئے تھے جن پر آپؐ نے باقاعدہ اپنے اسم مبارک کی مہر بھی لگوائی تھی۔ یہ خطوط ذی الحجہ ۶ھ کو مندرجہ ذیل سلاطین کے پاس بھیجے گئے تھے: بازنطینی سلطنت کا شاہ ہرقل، ایران کا شاہ خسرو، مصر کا شاہ مقوقس، حبشہ کا شاہ نجاشی، گورنر شام حارث غسانی، امیر بحرین المنذر، اور یمن و عمان کے امراء [5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط معاہدے اور زبانی احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ ہم آپ کی خدمت میں اس کو پیش کر سکیں گے۔

---

[1] مقدمہ انوار الباری شرح بخاری، حصہ اول ص ۲۲ بحوالہ کنز العمال؛ حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۱۱۹۔
[2] ایضاً بحوالہ معجم صغیر۔ [3] خطبات مدراس، ص ۵۸ بحوالہ دارقطنی ۲ صفحہ ۴۸۵۔ [4] ایضاً بحوالہ دارقطنی صفحہ ۲۵۱۔ [5] تفصیل کے لئے دیکھئے: "السیرۃ النبویۃ" لابن ہشام ج ۲ ص ۶۰۷؛ "الطبقات الکبریٰ" لابن سعد ج ۲ ص ۲۵۸ تا ۲۶۳۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اب سے ایک سال پہلے میں پاکستان گیا تھا، اس وقت وہاں مختلف صحبتوں میں یہ بات سننے میں آئی تھی کہ دیوبند کے علمی اور دینی سلسلہ سے تلمذ اور عقیدت کی نسبت رکھنے والے یہاں کے حضرات علماء میں ایک نیا اختلاف مسئلہ حیات النبیؐ کے بارہ میں پیدا ہو گیا ہے لیکن جن لوگوں سے میں نے اس بارے میں وہاں کچھ سنا، وہ یا تو اصل حقیقت سے واقف نہ تھے یا اپنے علم و فہم کی خاص سطح کی وجہ سے نقطۂ اختلاف کو صحیح طور پر سمجھے ہوئے نہ تھے اس لیے ان کے بیانوں سے میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ اس اختلاف کی اصلی حقیقت کیا ہے — اور جن حضرات اہل علم کا اس نزاع کے فریق کے طور پر نام لیا جاتا تھا، اتفاق سے ان میں سے کسی سے بھی اس سفر میں ملاقات کی نوبت نہیں آئی، اس لیے، اپنے ان بزرگوں اور دوستوں سے حسن ظن کی بنا پر میرا یہی خیال رہا کہ یہ اختلاف غالباً نزاع لفظی کے قبیل سے ہو گا۔

پھر پاکستان سے میری واپسی کے بعد مختلف اوقات میں اس سلسلہ میں میرے پاس کچھ خطوط بھی آتے رہے اور ان سے معلوم ہوتا رہا کہ یہ کشمکش برابر بڑھ رہی ہے اور ایک نئے فرقہ کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔

اس سلسلے کے بعض خطوط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتاب "آب حیات" کا حوالہ دیکر جماعت دیوبند کا مسلک یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد ہی نہیں ہوئی، بلکہ آپ کے ساتھ اسی دنیا میں، رونق افروز تھے، اسی حیات کے ساتھ قبر مبارک میں منتقل کر دیے گئے — ان میں سے بعض خطوط میں یہ بھی تھا کہ بعض دوسرے اہل علم اس مسئلہ کی وجہ سے علماء دیوبند پر سخت طعن و تشنیع کر رہے ہیں — اور

مجھ سے اصرار کیا گیا تھا کہ اس بارہ میں جو کچھ میں صحیح سمجھتا ہوں" اس کو "الفرقان" میں لکھوں پھر گذشتہ مہینے (اکتوبر میں) رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن ندوی پاکستان سے تشریف لائے تو انھوں نے بھی بتلایا کہ یہ اختلاف و نزاع وہاں ایک اچھا خاصا فتنہ بنتا جارہا ہے اور اس کے اور بڑھنے کا خطرہ ہے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے مجھے مشورہ دیا بلکہ اصرار سے فرمایا کہ اس بارہ میں کچھ لکھنا ضروری ہے۔ الغرض یہی باتیں ان سطور کے لکھنے کی محرک ہوئی ہیں۔

میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس کی حیثیت ہرگز فیصلے اور محاکے کی نہیں ہے، مجھے تو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ واقعہ میں اصل نقطۂ اختلاف کیا ہے۔ بہرحال جو کچھ اس مسئلے میں میں سمجھے ہوئے ہوں اور جو کچھ میرے نزدیک حق ہے اور ہمارے اکابر کا مسلک ہے وہ میں عرض کرتا ہوں۔

پہلے چند مسلمہ دینی اور تاریخی حقیقتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) سب جانتے اور مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترسیٹھ سال (۴۰ سال نبوت سے پہلے اور ۲۳ سال نبوت کے بعد) اس عالم میں ناسوت میں قیام فرماکر ہجرت سے ٹھیک دس سال بعد ربیع الاوّل کے مہینے میں "کل من علیہا فان" اور "کل نفس ذائقۃ الموت" کے عام قانون کے مطابق داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم)

(۲) بہت سے صحابہ کرامؓ پر اس صدمہ کا ایسا اثر پڑا کہ ہوش و حواس بجا نہ رہے، حضرت عمرؓ کا حال تو اس وقت یہ ہو گیا کہ قسم کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے انکار کرتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس وقت اس معاملے میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ حضور کی وفات ہو گئی میں تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا۔

(۳) جب صدیق اکبرؓ اپنی قیام گاہ سے تشریف لائے (جہاں حضورؐ کی اجازت سے وہ کچھ دیر پہلے چلے گئے تھے) اور آپ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ لوگوں کے سامنے اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں تو اپنے کو سنبھال کے اور سب لوگوں کو جمع کر کے مسجد نبوی میں خطبہ دیا جس میں پوری صدیقی شان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کا دو ٹوک اعلان کرتے ہوئے آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا:۔

من کان منکم یعبد	تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
محمد فان محمدا قد	عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ
مات ومن کان منکم	رحلت کر گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی
یعبد اللہ فان اللہ حیّ	عبادت کرتا تھا تو بیشک اللہ تعالیٰ زندہ
لا یموت ۔	ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی ۔

اور اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی :۔

وما محمد الا رسول قد	اور محمد تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک
خلت من قبله الرسل	رسول ہیں ، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول
أفإن مات او قتل	گزر چکے ہیں ۔ کیا اگر انکا انتقال ہو جائے
انقلبتم علی اعقابکم	یا وہ دشمنوں کے ہاتھ شہید ہو جائیں تو تم
ومن ینقلب علی عقبیه	الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے
فلن یضر اللہ شیئا	پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں
وسیجزی اللہ الشاکرین ۔	بگاڑ سکے گا اور شکر کرنے والے بندوں کو
(آل عمران)	اللہ تعالیٰ یقیناً اچھا بدلہ دے گا ۔

اور بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اس موقع پر حضور کی وفات سے متعلق قرآن مجید کی چند اور آیتیں تلاوت فرمائیں ۔

بہر حال آپکے اس خطبہ کے بعد صحابۂ کرام اس مسئلہ میں یکسو ہو گئے ۔ حضرت عمر نے بھی اپنی غلطی محسوس کر لی اور اگلے دن مجمع عام میں اس کا اعلان بھی کر دیا ۔

(۴) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ہی کی بنیاد پر خلافت و امامت کا مسئلہ اٹھا اور آخر کار سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابو بکر صدیق کو آپ خلیفہ منتخب کیا گیا اور بیعت ہو ئی ۔

(۵) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں غسل دیا گیا پھر کفن پہنایا گیا ۔

(۶) پھر صحابہ کرام نے ایک خاص طریقہ اور ترتیب سے آپ کی نماز جنازہ

پڑھی، یعنی اس طرح کہ چند چند صحابہ کرام (بعض روایات کے مطابق دس دس) کی جماعتیں حجرہ، مبارک میں داخل ہوتی تھیں اور بغیر کسی کو امام بنائے نماز جنازہ پڑھ کر باہر آجاتی تھیں۔ اسی طرح تمام صحابۂ کرام نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی (اور ابن سعد وغیرہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ نے کسی کو امام نہ بنانے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے زندگی میں امام تھے اسی طرح بعد وفات بھی امام ہیں هواماما حیا ومیتا۔ بہرحال یہ مسلّم ہے کہ آپ کی نماز جنازہ صحابۂ کرام نے بغیر کسی امام کے پڑھی۔

(آپ کا وصال دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ہوا تھا، اس دن اس کے بعد رات اور سہ شنبہ کا پورا دن جنازہ اسی طرح حجرۂ شریف میں رکھا رہا اور لوگوں کی ٹولیاں باری باری نماز جنازہ ادا کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ شب چہار شنبہ میں آپ کو اسی حجرۂ مقدسہ میں دفن کر دیا گیا۔

یہ سب وہ مسلم دینی اور تاریخی حقائق و واقعات ہیں۔ جو حدیث وسیر کی کتابوں میں عام طور سے مذکور ہیں، اسی لیے میں نے کسی کتاب کا حوالہ دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی ــ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کسی بات سے بھی کسی صحیح العقیدہ صاحب علم کو انکار یا اختلاف نہ ہوگا۔

(۸) اسی طرح کسی صاحب علم پر یہ بھی مخفی نہیں نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید میں ان بندگان خدا کو جو راہ حق میں قتل کئے گئے اور دشمنان حق نے بظاہر جن کو موت کے گھاٹ اتار دیا "احیاء" یعنی زندہ کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ "وہ اپنے رب کے پاس شاداں فرحاں ہیں اور ان کو وہاں انواع و اقسام کا رازق اور طرح طرح کی نعمتیں مل رہی ہیں۔

(۹) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام بہرحال ان سے افضل ہیں اور بدرجہا افضل ہیں، یقیناً ان کا انجام اور مقام ان شہداء کرام سے خوش تر اور بلند ہونا چاہئے اور اسی لیے اس دنیا سے جانے کے بعد ان کی حیات سے اعلیٰ اور اقوی ہونی چاہیئے (؟)

(۱۰) اور نص قرآنی کے اسی "اشارہ" اور اسی "اقتضاء" کی وضاحت ان احادیث سے جو کتب حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں روایت کی گئی ہیں۔ جہاں تک اس ناچیز کو علم ہے ان حدیثوں کو سب سے پہلے امام بیہقی نے ایک مستقل

میں جمع کیا ہے پھر اس رسالے کے قریب پورے مواد کو ساتویں اور آٹھویں صدی کے جلیل القدر محدث و فقیہ شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب "شفاء السقام" میں نقل کر دیا ہے۔ اور متاخرین حفاظ حدیث میں سے علامہ سیوطی نے بھی اس مسئلہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اس موضوع سے متعلق حسب عادت ہر طرح کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ زرقانی شرح مواہب میں بھی یہ حدیثیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان سب احادیث اور روایات سے مجموعی طور پر یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح اس دنیا سے جانے کے بعد شہداء کو ایک خاص طرح کی حیات حاصل ہو جاتی ہے (جس میں وہ دوسرے مومنین سے ممتاز ہیں اور جس کی بناء پر قرآن مجید میں ان کو "احیاء" کہا گیا ہے) اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص الخاص حیات اس دنیا سے منتقل ہونے کے بعد حاصل ہو جاتی ہے اور وہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اور خاص کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا (جس سے غالباً کسی صاحب علم کو بھی اختلاف نہ ہوگا) اس سے لازمی نتیجہ کے طور پر دو باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ناسوتی کا جو سلسلہ پیدائش سے لے کر ۶۳ سال کی عمر شریف تک جاری رہا تھا وہ تو وفات کے دن ختم ہو گیا اور "کل نفس ذائقۃ الموت" کے قانون عام کے مطابق آپ پر وہ کیفیت وارد ہوئی اور آپ اس منزل سے گذرے جس کی تعبیر موت کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ آپ اس رحلت کو صحابۂ کرام نے موت ہی کہا اور موت ہی سمجھا (اور حضرت عمرؓ وغیرہ کو کسی وقتی غلط فہمی یا غلبۂ حال کی وجہ سے) اس کے ماننے میں ابتداء جو تامل اور تردد تھا وہ بھی حضرت ابو بکرؓ کے خطبہ کے بعد ختم ہو گیا اور آخر الامر تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہو گیا کہ آپ کی ناسوتی حیات کا خاتمہ ہو چکا اور آپ پر موت وارد ہو چکی اور قرآن حکیم کی بات "إنك ميت وانهم ميتون" پوری ہو گئی اور پھر اسی بناء پر آپ کو آخری غسل دیا گیا، موت کے بعد والا لباس یعنی کفن پہنایا گیا، قبر میں دفن کیا گیا (حالانکہ اگر کسی آدمی میں ناسوتی حیات کا شائبہ بلکہ شبہ بھی ہو اور اس کی موت کا پورا یقین نہ ہو چکا ہو تو اس کو دفن کر دینا شدید ترین شقاوت اور قطعاً حرام ہے۔ اور کسی پیغمبر کے ساتھ شقاوت و ظلم کا یہ معاملہ کرنا تو

صرف حرام ہی نہیں بلکہ سخت ترین اور خبیث ترین کفر ہے۔

اور دوسری بات مذکورہ بالا دینی اور تاریخی حقائق و واقعات سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام نے آپ کی وفات کو بالکل دوسرے آدمیوں کی سی موت نہیں سمجھا بلکہ اس کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی، اسی لیے آپ کو آخری غسل پہنے ہوئے کپڑوں میں دیا گیا۔ کرتا تک جسم اطہر سے نہیں اتارا گیا، نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی بلکہ دوسرے طریقے سے پڑھی گئی (بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کے بجائے صرف صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے بس دعا کی گئی) اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ مردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا شریعت کا جو عام تاکیدی حکم ہے اس کے بالکل برخلاف قریباً دو دن گزر جانے کے بعد دفن کیا گیا۔ اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ نہیں محسوس کیا گیا۔

اور کسی ایک صحابی نے بھی اس معاملہ میں جلد کرنے کا تقاضا نہیں کیا۔ پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی زندگی کے عزیز مسکن یعنی حضرت صدیقہ کے اس حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنا دیا گیا اور آپ اسی میں دفن کیے گئے۔

اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں ان کا جو مصرف اور جو نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا، اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تا زیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے املاک سے اپنا نفقہ تا حیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے، حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ بیوی کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہو گا۔ اسی طرح بعض احادیث سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کو اپنے مدفنوں میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے جو اس عالم کے مناسب ہے اور بعض حیثیات سے دنیا والی ناسوتی حیات سے بھی اعلیٰ واقویٰ ہے غالباً اسی سے بھی کسی صاحب علم کو اختلاف نہ ہو گا۔ ہاں اس کے آگے موت وحیات کی نوعیت کی تعیین اور تفصیلات میں کچھ اختلاف ہو سکتا ہے اور اس کی گنجائش بھی ہے اور ایسے اختلافات خود اہل سنت میں بلکہ اہل سنت کے ایک ایک حلقے میں بھی ہمیشہ رہے ہیں، ان کو اہمیت دینا اور ان باتوں کا باعث تفرقہ بننا بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔

اعتذار

میں نادم ہوں کہ کتابت کے معیار میں ابھی تک کوئی بہتری پیدا نہیں ہو سکی ہے تاہم میں یقین دلاتا ہوں کہ میری کوشش اس سلسلے میں بدستور جاری رہیں دعا کیجئے کہ یہ کامیابی جلد حاصل ہو جائے

ظل الرحمٰن

محسن انسانیتؐ نے فرمایا

* جس نے کوئی درخت لگایا اور اس درخت کے پھلوں سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ پہنچا تو درخت لگانے والا عنداللہ ماجور ہے۔
* جو چیز تمہیں خریدنی نہیں ہے اس کا بھاؤ مت بڑھاؤ۔
* غلے کو روک کر بیچنے والا ملعون ہے۔
* کام لینے سے پہلے مزدور کو اس کی اجرت بتادو
* جو رزق حلال کے لئے محنت مزدوری کرتا ہے اور رات تھک کر گذارتا ہے، اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔
* مسلمان بھولا اور فیاض ہوتا ہے۔ بدمعاش، چالاک اور کنجوس نہیں ہوتا۔
* لوگو جھوٹی شہادت (گناہ میں گویا) شرک کے برابر ہے۔
* کسی کو پانی اور نمک سے روکنا جائز نہیں
* دنیا کی بہترین متاع نیک بخت بیوی ہے۔
* خدا کی راہ میں مارا جانا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے مگر قرض کو نہیں مٹاتا
* سچا اور امین تاجر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
* تجارت میں رزق کے ۹/۱۰ حصے ہیں
* سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی ہے جو لین دین میں جھوٹ نہیں بولتے اور اہل معاملہ سے وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے۔
* جو کاروبار میں راست باز ہیں، بروز حشر وہ سایہ عرش کے نیچے ہوں گے۔
* جو اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کی جائے گی
* جسم کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔

جاء الحق و زہق الباطل

حفیظ جالندھری

صدا ہاتف نے دی اے ساکنان خطہ ہستی — ہوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اجڑی ہوئی بستی
مبارکباد بیواؤں کی حسرت زا نگاہوں کو — اثر بخشا گیا نالوں کو فریادوں کو آہوں کو
ضعیفوں بےکسوں آفت نصیبوں کو مباک ہو — یتیموں کو غلاموں کو غریبوں کو مبارک ہو
مبارک ٹھوکریں کھا کھا کے پیہم گرنے والوں کو — مبارک دشت غربت میں بھٹکتے پھرنے والوں کو
خبر جا کر سنا دو شش جہت کے زیر دستوں کو — زبردستی کی جرأت اب نہ ہوگی خود پرستوں کو
معین وقت آیا، زور باطل گھٹ گیا آخر — اندھیرا مٹ گیا ظلمت کا بادل چھٹ گیا
مبارک ہو دور راحت و آرام آپہنچا — نجات دائمی کی شکل میں اسلام آپہنچا
مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے — جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی
امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

ندا ہاتف کی گونج اٹھی زمینوں آسمانوں میں — خموشی دب گئی اللہ اکبر کی اذانوں میں
حریم قدس سے میٹھے ترانوں کی صدا گونجی — مبارکباد بن کر شادیانوں کی صدا گونجی
ہر سو نغمہ صل علیٰ گونجا فضاؤں میں — خوشی نے زندگی کی روح دوڑا دی ہواؤں میں

نصیحت

جناب مولانا صدر الدین احمد صاحب صدرؔ

دین سے دنیا جدا ہے اور نہ دنیا سے ہے دیں
ہیں بہم اک دوسرے سے فی الکمال و فی الصفات
یہ نہیں جائز کہ دنیا سے کرے کوئی فرار
یہ بھی ناجائز کہ سمجھیں اس کو مقصودِ حیات
کتنے ہی ایسے فرائض ہیں کہ جن کا چھوڑنا
باعث تذلیل ہوگا پیشِ ربِّ کائنات
یہ اعزّا، اقربا، ہمسائیگاں، فرزند و زن
رکھیے ان پر بھی خدارا کچھ نگاہِ التفات
تھی پسند حضرت کو کب رہبانیت کی زندگی
رہبری کے واسطے کافی ہیں قرآن و حدیث
اہلِ دل کو آئیں گے ان میں نظر سب واجبات
بات جو کہنی ہو اس پر کیجیے خود بھی عمل
ہو ہی جائیں گے بآہستہ مسخر شش جہات

مُرتّب ظل الرحمٰن	دار العلوم میرٹھ کا دو ماہی جریدہ صدائے حجاز	زرِ تعاون دس روپئے

شمارہ نمبر ۳	بابت ماہ مئی و جون ۱۹۷۸ء م جمادی الاخری و رجب ۱۳۹۸ھ	جلد نمبر ۱

نمبر شمار	مضامین	صاحبِ مضمون	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	ادارہ	۲
۲	لمحۂ فکریہ	"	"
۳	دُعائے نیم شبی	آزاد رحمانی صاحب	۶
۴	متاعِ مومن	از ندائے ملّت رسول نمبر	۱۰
۵	امام اعظم ابو حنیفہ	مولانا تقی الدین صاحب	۱۱
۶	سن ہجری اور اس کا مکمل تعارف	مولانا انیس احمد امروہوی صاحب	۲۱
۷	اسلام کا سماجی تصوّر	امیر محمد شمسی صاحب	۳۱
۸	اسلام میں عورت کا مقام اور اس کی ذمہ داری	مولانا رشید الوحیدی صاحب قاسمی ایم اے پی ایچ ڈی	۳۷
۹	فاروق اعظم کی معاملہ فہمی اور فراست	آزاد رحمانی صاحب	۴۶
۱۰	سورۂ یٰسین منظوم	ڈاکٹر سمیع الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی	۵۹
۱۱	عبدیت	مولانا وحید الدین خاں صاحب	۶۴

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ:

مینجر صدائے حجاز، بالائی منزل، سنہری مسجد، چاندنی چوک، دہلی ۶

ظل الرحمٰن ایڈیٹر، پرنٹر پبلیشر و پروپرائٹر نے جمال پریس میں چھپوا کر دفتر صدائے حجاز سنہری مسجد سے شائع کیا۔

حرف آغاز

صدائے حجاز کا تیسرا شمارہ نذر خدمت ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے کتابت کے لئے ایک مناسب کاتب مہیا فرما دیا جو اچھے کاتب ہونے کے ساتھ فاضل دارالعلوم دیوبند بھی ہے۔

ہم نے اپنے معاملات کو اسی کے سپرد کیا ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے انشاء اللہ آئندہ بھی اس کی بہتری کے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

صدائے حجاز خالصاً ایک دینی پرچہ ہے اور ہماری کوشش یہی ہوگی کہ ہم اسے سیاسیات سے بچائے رکھیں تاہم جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ سامنے آئے گا کہ اس کے اثرات تحفظ دین پر پڑ رہے ہوں تو ہمارا قلم اس پر یقیناً اٹھے گا اور ہم اپنے ہم مسلک حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرانا اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے چنانچہ ان صفحات میں لمحہ فکریہ اسی نقطۂ نظر کے تحت ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے قارئین اور خصوصاً دینی ادارے اس پر توجہ فرمائیں گے۔

لمحۂ فکریہ

ایمرجنسی کے دوران جہاں عام شہری زبان بندی کے شکار تھے وہاں وہ علماء حق جو جنگ آزادی کے بانیان کے نقش قدم کے پاسبان ہونے کے دعویدار بھی تھے اعلاء کلمۃ الحق کی جرأت نہ کر سکے اور یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار مقدس پر ہونے والا فیصلہ حرمت نس بندی بھی شرمندہ اعلان و اشاعت نہ ہو سکا۔

الکشن کے فیصلے نے امت مسلمہ کو غور و فکر کا موقع بخشا اور اس نے سلطنت وقت کی تبدیلی کے حق میں اپنا ووٹ دیا اور مملکت ہندوستان کی سیاسی اقدار میں ایک عظیم انقلاب جنتا

حکومت کی شکل میں نمودار ہوا۔

نئی حکومت بلاشبہ کوئی جادو کا ڈنڈا لیکر وارد نہیں ہوئی تھی جو حالات کو یکدم بدل دیتا اسے ایک بگڑا ہوا معاشرہ ملا تھا جس کے بیشتر عناصر وہی تھے جو سابقہ حکومت کے دور میں اسی کے ہمنوا تھے مگر آنے والے وقت اور حالات کا جائزہ لے کر انھوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر نئے انقلاب کا پرچم ہاتھ میں لے لیا تھا نتیجہ کے طور پر حکومت کو مسائل سے عہدہ برا ہونے میں ایک وقت لگا۔

ہمیں اس اعلان سے مسرت ہوئی ہے کہ حکومت نے اقلیتوں کے مسائل کو سمجھنے اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جس کا منصب صدارت جناب مینو مسانی صاحب کو بخشا گیا ہے بعض حلقوں سے اس تقرر پر اختلاف بھی ہوا ہے اور مطالبہ کیا گیا ہے کہ یہ جلیل القدر عہدہ کسی مسلمان قوم کے فرد کو جو ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہے ملنا چاہئے تھا۔

ہمارے نزدیک یہ امر قطعاً قابل غور نہیں ہے کہ اس کا صدر کون ہے۔ جہاں تک اس عہدے کے کسی مسلمان کو سپرد کرنے کا سوال ہے حکومت وقت کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا کہ وہ کسی ایسے مسلمان کو جو حکومت کا پروردہ ہو اور مسلمانوں کے قیادت کے طبقہ سے بھی تعلق رکھتا ہو صدر بنا دیتی اور پھر اس کی رپورٹ بے سود ہو کر رہ جاتی۔ اصل مسئلہ صدر کے مسلمان یا غیر مسلمان ہونے کا قطعاً نہیں ہے کوئی بھی صدر فائل کی شہادتوں سے مرتب ہونے والے بیانات سے باہر رپورٹ نہیں دے سکتا اب یہ ہمارا اجتماعی فرض ہے کہ اپنے معاملات کو جذبات سے بے نیاز ہو کر مکمل اور مرتب حالت میں کمیشن کے سامنے لائیں اور نہ صرف مسائل کی تفصیل دے کر رہ جائیں بلکہ ان کا مناسب حل بھی پیش کریں۔

ملت اسلامیہ کے مسائل کے دو رخ ہیں ایک تو وہ مسائل ہیں جو تقسیم ہند کے بعد اس کی سماجی اور معاشی تنزلی سے پیدا ہو گئے ہیں اس سلسلے میں مجھے یقین ہے کہ پورے ملک سے معاملات سامنے لائے جائیں گے۔ اور ہر طرح ہر پہلو کو اجاگر کیا جائے گا۔

جو باب تشنگی کی منزل میں رہ جائے گا وہ ہے دینی معاملات اور مذہبی آزادی کا باب۔

دستور ہند کے رہنما اصولوں میں ایک اصول یہ بھی درج ہے کہ عام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ مرتب کیا جائے گا۔

اس رہنما اصول کے بعد دستور ہند میں دی گئی مذہبی آزادی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ گذشتہ تیس سال کے عرصہ میں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی بار بار جد و جہد ہوتی رہی ہے۔

اور حکومت وقت کی دیانتداری بھی دیکھئے کہ اس نے یہ جد و جہد ہمیشہ ملت اسلامیہ کے افراد ہی سے کرائی اور جو بھی موقعہ اسے نصیب ہوتا رہا وہ اسے استعمال کرتی رہی کبھی مستشرقین کانفرنس سے اس نے اس کا جواز چاہا، کبھی موڈرن دینیات کے پروفیسروں کو اس کام پر مامور کرتی رہی اور کبھی متبنیٰ ایکٹ پر سیمینار قائم کراتی رہی ہے۔

اب جبکہ حکومت وقت نے اقلیتوں کے مسائل کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا ہے تو ہمارے علمائے کرام کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کمیشن کے روبرو یہ مسئلہ اٹھائیں کہ اسلام میں سول کوڈ کو اپنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو ایک مکمل معاشرتی اور سماجی نظام دیا ہے اور ان کے یہاں کسی ایسے سول کوڈ کی جس کی بنیاد کسی دوسری شریعت یا انسان کے خود ساختہ ضوابط ہوں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسلام ایک مکمل مذہب ہے اور اس کے پیغمبر علیہ السلام نے الیوم اکملت لکم دینکم کا اعلان فیصل فرما کر اسلام میں کسی بھی ترمیم کی گنجائش کو ختم کر دیا ہے۔

ہمارا مطالبہ ہونا چاہئے کہ دستور ہند کے اس رہنما اصول کی حیثیت ہمارے لئے صرف ایک رہبرن اصول کی ہے جو مسلمانوں کو دی گئی دستور ہند کی مذہبی آزادی پر غاصبانہ قبضہ کے مترادف ہے اور جب تک دستور ہند کی یہ تحریر حذف نہیں ہو جاتی ملت اسلامیہ کو اپنے دینی تحفظ کا اعتماد حکومت وقت کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

ہمارا آج کا سب سے بڑا مسئلہ تحفظ دین ہے۔ ابھی تک ان کے قوانین وراثت، نکاح و طلاق وغیرہ کو تسلیم عدالت کا درجہ حاصل ہے لیکن جمہوریت اور سوشلزم کے علمبرداروں کو یہ امر بہت ناگوار ہے اور وہ گاہ بگاہ اس کے خلاف خود مسلمانوں کے ہی اپنے پروردہ حضرات سے ریشہ دوانیاں کراتے رہتے ہیں کبھی یہ آواز عبدالحمید دلوائی بن کر اٹھتی ہے تو کبھی محمد علی چھاگلہ بنکر۔ یہ سب کیا ہے دستور ہند نے جمہوریت کے نام پر کہیں بھی دوسروں کی دل آزاری کی اجازت نہیں دی ہے تو پھر حکومت کیوں ایسے معاملات میں خاموش تماشائی بن کر بیٹھ جاتی ہے اور اسے اپنے شہریوں کے مذہبی تحفظ کا احساس کیوں ختم ہو جاتا ہے۔ وقت کی نبض بتا رہی ہے کہ نہ صرف حکومت وقت بلکہ آنے والے سماج کی تمام طاقتیں اس کے لئے پلاننگ کر رہی ہیں کہ اسلام کا خدائی نظام کسی نہ کسی طرح ختم ہو جائے اور ملت اسلامیہ تعلیمات رسول سے ہٹ کر کسی اور طرف چلی جائے تاکہ ایک وقت ایسا آجائے کہ حکومت وقت اور دوسرے سماجی ادارے

یہ آسانی سے کہہ سکیں کہ اسلام خود کوئی ایک چیز نہیں ہے بلکہ اس کی اس قدر تفسیریں ہیں کہ ان کے لئے سب کو رد کر دینے ہی میں عافیت ہے اور وہ صرف اسی کو اسلام کی تفسیر کہیں گے جس ملت کو اسلامیہ ہند کی اکثریت اپنے معاشرے میں مروجہ قرار دے رہی ہے اور پھر اسلام نام رہ جائے گا عصر جدید کے ان مستشرقین کے قول و فعل کا جن کا علم اسلام انگریزی کتابوں پر منحصر ہے اور جن کا حال یہ ہے کہ حال ہی میں میری ملاقات ہندستان کے ایک اسلامیات کے ادارہ کے سربراہ سے ہوئی جنھیں اپنی تبحر علمی پر ناز بھی ہے اور انگریزی رسالوں میں آرٹیکل بھی لکھنے کے عادی ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ مرد کو وراثت میں اسلامی قانوں میں دوہرا حصہ اس کی شجاعت کی وجہ سے ملتا ہے کیونکہ جہاد وغیرہ کے لئے اس کی ضروریات زیادہ ہوتی ہیں۔

ہمارا تحفظ دین کا مسئلہ معاشی مسائل سے زیادہ اہم ہے۔ معاشی مسائل تو آج نہ سہی کل حل ہو ہی جائیں گے جب ملک میں خوشحالی آئے گی تو ہمیں بھی حسب حیثیت مل ہی جائے گی۔ آج کی دشواریاں صرف نہ ہونے کی دشواریاں ہیں جیسے ہی ملک سے بیروزگاری دور ہوگی تو یقیناً ہمارے معاشی مسائل غیر اہم ہو جائیں گے لیکن حالات کا رخ یہی رہا تو دین اس وقت تک ملت سے رخصت ہو چکا ہوگا اور ہم سب ایک سول کوڈ- ایک قانون وراثت کے علمبردار ہوں گے اور ممکن ہے یہ منزل بھی آجائے کہ حکومت وقت کے سماجی بہبود کے اداروں کی طرف سے مشترک عبادت گاہیں بھی تعمیر کرادی جائیں جس میں ہر فرقہ کے لوگ اپنے اپنے طرز پر عبادت کر لیا کریں اور فاضل وقت میں وہی عمارتیں جلسہ گاہوں کے لئے بھی کارآمد ہو سکیں۔

ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے کہ فوری طور پر دستور ہند سے یکساں سول کوڈ کی بات کو رہنما اصولوں سے خارج کرایا جائے تاکہ آئندہ حکومت کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم اور قانون بے پالکی کا مسلمانوں پر اطلاق کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔ اور دستور ہند میں دی گئی مذہبی آزادی کو حقیقی رنگ مل جائے اور مسلمانوں میں ملی خود اعتمادی پیدا ہو سکے۔

ہماری اپنے علماء کرام اور دینی مدارس اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند اور ندوہ سے درخواست ہے کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں اور اسلامی شریعت کی روشنی میں واضح طور پر تعلیمی کمیشن کو میمورنڈم ارسال فرمائیں جن میں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہو کہ اسلام میں کسی سول کوڈ کی گنجائش نہیں ہے اور اسے رہنما اصولوں سے خارج ہونا چاہئے۔

ظل الرحمٰن

آزاد رحمانی

دعائے نیم شبی

نظر میں جن کی کبھی طور کی تجلی تھی
ترس رہے ہیں وہی آج اک کرن کے لئے

کبھی سجاتے تھے تاروں سے بزم جو اپنی
نہیں ہے شمع بھی اب ان کی انجمن کیلئے

خزاں زدہ ہے گلستانِ دینِ مصطفویؐ
بہار ہوگی نہ کب تک مرے چمن کے لئے

الٰہی تیرے کرم کا ہے آسرا مجھ کو
بہار چاہیئے گلشن کے پیرہن کے لئے

عطا ہو میرے جوانوں کو بازوئے حیدرؓ
کلیم چاہیئے اس دورِ پرفتن کے لئے

دے ان غیور جوانوں کو عشق کی تلوار
ترس رہے ہیں زمانے میں جو کفن کیلئے

الٰہی نور سے خالی ہے جن کی بزم حیات
چراغ طور جلا ان کی انجمن کے لئے

بنا دے لطف سے اپنے تو گلستاں بہ کنار
ترس رہے ہیں جو اک برگ یاسمن کیلئے

کرم سے اپنے شعورِ حیات دے ان کو
ہے جن کی زیست گراں بار جان و تن کیلئے

ترے ہی لطف کا آزاد کو سہارا ہے
کرے گا تو ہی عطا، سوز علم و فن کے لئے

(بشکریہ صوت الجامعہ)

اداره

اتباعِ سُنّت پر
مجدّدِ الفِ ثانی رح کا ایک خط

یہ بندہ ناچیز حضرت حق سبحانہ سے کامل تضرع وزاری، کمال ذلت و انکساری کے ساتھ آپ سے ایک مسئلہ بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہ ہر وہ بات جو دین میں نئی داخل ہو چکی ہے جس کا وجود جناب خیر البشر (صلعم) اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہیں رہا ہے۔ اگرچہ وہ دیکھنے میں سپیدۂ صبح کی مانند روشن و خوشگوار ہو، اس بندہ ناچیز کو اس مجموعہ کے پیش نظر جو اس کے نزدیک مستند ہے اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی یہ اسے عمل کے لئے اختیار کرے یعنی کسی بدعت کا حسن ظاہر عالمے عامل بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ بظاہر یہ غلط معلوم ہوتا ہے شاید یہ ہو گا (نہیں کر سکتا) مگر بندا یں اسی طرح ہے

لوگ کہتے ہیں کہ بدعات دو قسم کی ہیں حسنہ اور سئیہ، بدعت حسنہ اس بدعت کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد وجود میں آئی ہو لیکن اس سے کسی سنت کا رفع (اٹھایا جانا) ظاہر نہ ہوتا ہو، اور بدعت سیئہ وہ ہے جس کے وجود میں آنے سے کوئی سنت اٹھائی گئی ہو، یہ بندہ ناچیز ان دونوں قسم کی بدعات میں کوئی حسن و نورانیت نہیں دیکھتا، اور بجز ظلمت و کدورت کچھ محسوس نہیں کرتا۔

بالفرض کسی عامل بدعت کا عمل آج ضعف بصارت کی وجہ سے لوگوں کو اچھا دکھائی دیتا ہے تو کل جب ان کی آنکھوں میں روشنی ہو گی وہ دیکھ لیں گے کہ نتیجہ میں سوائے خسارہ و ندامت کے اس کے پلے کچھ نہیں پڑا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت		کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں،

من احدث فی امرنا هٰذا ما		جس کسی نے ہمارے امر دین میں کوئی ایسی بات نکالی
لیس منه فهو رد"		جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

پس وہ چیز جو مردود ہو اس میں حسن و خوبی کہاں۔ اور فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة"

ترجمہ: بہترین حدیث کتاب اللہ ہے اور بہترین ہدایت ہدایت محمدی ہے اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

" اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیا فانه من یعش منکم بعدی فیری اختلافا کثیرا، فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ و ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة"

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی اور سمع وطاعت (سننے اور مان لینے) کی اگرچہ تمہارا صاحب امر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب اختلاف عظیم دیکھے گا پس تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا واجب ہے۔ تم اس سے چمٹے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور محدثات سے خبردار رہو اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی میں ڈالنے والی ہے۔

معلوم ہوا کہ جب ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنیٰ؟ ان احادیث سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہے اور سیئہ ہے کوئی بدعت خصوصی طور پر مستثنیٰ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خیر من احداث بدعة"

جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس میں سے اسی بدعت کے مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے پس سنت کو پکڑے رہنا اچھا ہے بدعت کی ایجاد سے

حضرت حسانؓ فرماتے ہیں:

"ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع اللہ من سنتهم

جب کوئی قوم اپنے یہاں بدعت پیدا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں سے اسی بدعت کے مثل

مثلها لایعیدها الیهم الی یوم القیامة ۔" ایک سنت کو سلب کر لیتا ہے اور پھر اسے قیامت تک نہیں لوٹاتا۔

پس جاننا چاہئے کہ بعض بدعتیں جنھیں علماء و مشایخ سنت سمجھتے ہیں جب ان میں غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بجائے سنت ہونے کے رافع سنت ہیں مثلاً تکفین میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے، حالانکہ یہی رافع سنت ہے، اس لئے کہ کفن میت میں تین کپڑے دینا سنت ہے اور یہ سنت عمامہ کی زیادتی سے گویا کہ منسوخ ہو گئی' یہ منسوخ ہونا ہی اٹھالیا جانا ہے، اس طرح بعض مشایخ کی جانب راست سے ارسال فش کو مسنون کہتے ہیں حالانکہ ارسال فش کا مقام مونڈھوں کے درمیان ہے ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہوئی' اسی طرح نیت نماز میں علماء اس بات کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ ارادہ قلب کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ دہرائے جائیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ بات ثابت نہیں' اور نہ صحابہ کرام و تابعین عظام سے ہی ثابت ہے کہ نیت نماز زبان سے کرتے ہوں بلکہ جب اقامت کہہ چکتے تو تکبیر تحریمہ کہا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ زبان سے نیت نماز کا اعادہ بھی بدعت ہے اور اس بدعت کو علماء نے بدعت حسنہ کہا ہے۔ اس فقیر کی رائے میں تو یہ بدعت رافع سنت کیا رافع فرض ہے اس لئے کہ اکثر لوگ نیت زبانی پر اکتفا کر کے نیت قلبی سے غافل رہتے ہیں" اور فرائض نماز میں سے ایک فرض' نیت قلبی" متروک ہو جاتا ہے اور بات فساد نماز تک پہنچتی ہے علیٰ ہذا القیاس ساری بدعات و محدثات سنت پر زیادتی ہیں خواہ کسی صورت میں ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زیادتی نسخ سنت کا سبب ہے' اور نسخ رفع سنت کا باعث' پس تم پر لازم ہے کہ متابعت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اقتصاد کرو اور آپ کے اصحاب کی اقتدا پر اکتفا، اس لئے کہ وہ حضرات ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی اقتدار کرو گے ہدایت پر رہو گے۔

البتہ قیاس و اجتہاد بدعات میں داخل نہیں کیونکہ قیاس و اجتہاد کا مقصد نصوص کے معنیٰ کا اظہار کرنا ہے۔ کسی امر زائد کا احترام نہیں ہے' فاعتبروا یا اولی الابصار'

سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام بھی

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

متاعِ مومن

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے مسلک کی وضاحت فرما دیں۔

آپ نے مختصراً نصیح انداز سے جواب دیا اور اس جواب میں اپنے طرز فکر اور اپنی روحانیت کی جامع تصویر کھینچ دی ــــ فرمایا:

عرفان میرا سرمایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، خدا کی رضا میری غنیمت ہے، عاجزی میرے لئے وجہ اعزاز ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، صدق میرا سفارشی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا کردار ہے ــــ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(بشکریہ ندائے ملت)

مولانا تقی الدین صاحب ندوی، مظاہری

امام اعظم ابو حنیفہ رح

نام و نسب نعمان نام، کنیت ابو حنیفہ، امام اعظم لقب، شجرۂ نسب یہ ہے: نعمان بن ثابت بن زوطی، عام طور پر امام صاحب کا عجمی النسل ہونا مسلم ہے خطیب بغدادی اور مورخ ابن خلکان نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا ہے، ہم لوگ فارسی نسل کے ہیں، ہمارے دادا امام ابو حنیفہ رح ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، ثابت بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انھوں نے ان کے اور ان کے خاندان کے لئے دعا کی تھی، ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہ ہوئی[1] سن پیدائش کو ۶۱ھ بھی بتایا گیا ہے[2]

سکونت کوفہ امام صاحب کا مولد و مسکن ہے جو اسلام کی وسعت و تمدن کا دیباچہ تھا علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم نبوت کے تین مراکز تھے مکہ، مدینہ اور کوفہ، مکہ معظمہ کے صدر معلم حضرت ابن عباسؓ تھے اور مدینہ منورہ کے حضرت ابن عمرؓ اور کوفہ کے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تھے[3] حضرت علیؓ نے اس شہر کو دار الخلافہ بنایا شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "کان اغلب قضایاہ بالکوفۃ"[4] حضرت علیؓ کے بیشتر فیصلے کوفہ سے صادر ہوتے تھے، کوفہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے عہد فاروقی میں قرآن و سنت کا دار العلوم بن چکا تھا حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں

ولما ذھب علیؓ الی الکوفۃ کان اھل الکوفۃ قبل ان یاتیھم قد اخذوا الدین عن سعد بن	جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لے گئے ہیں تو اہل کوفہ آپ کے وہاں آنے سے پیشتر حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ،

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۰۷　[2] مقدمہ اوجز المسالک ص ۵۶
[3] اعلام الموقعین　[4] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۳۲

ابی وقاص وابن مسعود وحذیفة وعمار وابی موسیٰ وغیرهم ممن ارسله عمر الی الکوفة[۱]"۔

حضرت عمار، حضرت ابوموسیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم، سے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ کیا تھا سے دین حاصل کرچکے تھے۔

صحابۂ کرام میں سے ایک ہزار پچاس حضرات جن میں چوبیس وہ بزرگ ہیں جو غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے تھے، وہاں گئے اور سکونت اختیار کی[۲]

اور امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی (م ۲۶۱ھ) نے اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہؓ آکر اترے[۳] علامہ نووی نے کوفہ کو دارالفضل والفضلاء کا لقب دیا ہے[۴]

تحصیل علم امام صاحبؒ بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے سب سے پہلے ادب وانساب، اور اس کے بعد خصوصاً علم کلام حاصل کیا کچھ عرصہ بعد فقیہ وقت امام حماد کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے، حضرت حماد جو مشہور امام اور استاد وقت تھے بڑے بڑے تابعین سے استفادہ کرچکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث و فقہ کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا اس کا مدار انھیں پر رہ گیا تھا، حضرت حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا[۵]

امام صاحب نے اگرچہ مختلف اساتذہ سے فقہ وحدیث کی تحصیل کی ہے، لیکن خصوصیت سے حضرت حماد کے تربیت یافتہ ہیں، کوفہ میں کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی تہ نہ کیا ہو، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے امام صاحب کے شیوخ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے[۶]۔ علامہ سیوطی نے تبییض الصحیفہ اور کردری نے مناقب ابی حنیفہ میں امام صاحب کے بہت سے شیوخ و اساتذہ کے نام گنائے ہیں اور مولانا عبدالحیؒ صاحب نے بھی التعلیق الممجد میں بہت سے شیوخ کا تعارف کرایا ہے۔

امام صاحب کے شیوخ کی یہ خصوصیت ہے جیسا کہ علامہ شعرانی کہتے ہیں کہ امام صاحب نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، اس کو خیار تابعین سے حاصل کیا ہے جس کی سند میں کوئی بھی راوی متہم بالکذب نہیں ہے، اگر امام صاحب کے مسلک کے دلائل میں کوئی ضعف بیان کیا گیا ہے تو وہ مابعد کے رواۃ کے

---

[۱] منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۵۱، [۲] فتح المغیث ص ۳۸۲، [۳] فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۱۲، [۴] شرح مسلم باب القراۃ فی الظہر والعصر، [۵] السنۃ و مکانتها فی التشریع الاسلامی از مصطفیٰ سباعی، [۶] شرح سفر السعادت ص ۲۰

لحاظ سے ہے امام صاحب کے شیوخ فقہ و حدیث دونوں کے جامع تھے[1]

حرمین وغیرہ کا سفر

اس زمانہ میں حج استفادہ و افادہ کا بڑا ذریعہ تھا تمام ممالک اسلامیہ کے گوشے گوشے سے اہل کمال آکر جمع ہو جاتے تھے اور درس و افتاء کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا امام ابوالحسن مرغینانی نے بسند نقل کیا ہے امام صاحب نے پچپن حج کئے تھے[2]، حرمین کے شیوخ میں سے عطاء بن رباح سے مکہ معظمہ میں اور سالم بن عبداللہ اور سلیمان سے مدینہ طیبہ میں خصوصیت سے حدیثیں روایت کی ہیں، امام باقر کی خدمت میں ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے حاضر رہے[3]۔ علاوہ ازیں ۱۳۰ھ سے دو کر منصور عباسی کے زمانہ خلافت تک جس کو چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے آپ کا مستقل طور پر قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا[4]۔ بیس مرتبہ سے زیادہ بصرہ کا سفر کیا اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب نے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ غرضکہ عراق و حجاز دونوں جگہوں کی روایت کو حاصل کیا۔

تلامذہ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ کا احصار دشوار ہے[5] واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ بعض ائمہ نے ... اکابر ائمہ اسلام میں اتنے شاگرد دوسرے ... امام کے نہیں ہوئے، علامہ کردری نے آٹھ سو فقہا اور محدثین کو آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے، ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ جس طرح فقہاء میں امام ابو یوسف اور امام محمد و امام زفر و امام حسن بن زیاد وغیرہ ہیں اسی طرح محدثین میں عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد ... مالک اور مسعر بن کدام اور صوفیاء میں فضیل بن عیاض داؤد طائی جیسے ائمہ کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے[6]۔ امام صاحب نے اپنے اصحاب و تلامذہ کی ایک مجلس مرتب کی تھی جس میں مختلف مسائل پیش کئے جاتے تھے غور و فکر کے بعد جب کسی نتیجہ پر سب لوگ متفق ہو جاتے تھے تو اس کو قلمبند کیا جاتا یہ مجلس چالیس ارکان پر مشتمل تھی[7]۔

زہد و تقویٰ

عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ پہونچ کر دریافت کیا کہ یہاں پر سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا ابو حنیفہؒ۔ خود انہیں کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو پارسا نہیں دیکھا حالانکہ مال و دولت سے ان کی آزمائش کی گئی تھی زرنجری امام صاحب کے حالات بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے افعال و

---

[1] مسند امام از خوارزمی۔ [2] مناقب الامام از موفق جلد ۱ ص ۲۵۳۔ [3] عقود الجمان۔ [4] مناقب الامام جلد ۲ ص ۲۴۔ [5] مقدمہ اوجز ص ۴۵۔ [6] حسن التقاضی از علامہ زاہد کوثری ص ۱۲۔

اقوال اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہؓ میں افضل اور علم فقہ، پرہیزگاری اور سخاوت میں سب سے آگے تھے، اسی طرح امام صاحب تابعین کی جماعت میں ان تھے۔

امام صاحب کی ایک اہم فضیلت

بخاری و مسلم اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہؓ سے طبرانی و احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لو کان العلم بالثریا لتناولہ اناس من ابناء فارس[1]۔ — اگر علم ثریا کے پاس ہو تو فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔

آپ کی اس پیشین گوئی کے اولین مصداق علامہ سیوطی ابن حجر مکی اور عام طور پر علماء نے امام ابوحنیفہ کو قرار دیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: فقیر گفت امام ابوحنیفہؒ درین حکم داخل است[2]، فقیر یعنی شاہ صاحب نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں۔

ذکاوت و ذہانت

امام صاحب کی ذہانت، طباعی مشہور ہے علامہ ذہبی فرماتے ہیں "کان من اذکیاء بنی آدم"[3] یعنی اولاد آدم میں جو ذکی گذرے ہیں امام صاحب ان میں شمار کئے جاتے ہیں، امام صاحب کی ذہانت و فراست عقل کو سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت حتی کہ بات چیت میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا، علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلے میں اور دوسرے پلے میں امام ابوحنیفہ کی عقل رکھی جائے تو امام صاحب کا پلہ بھاری ہوگا۔

امام صاحب کا علمی مرتبہ

امام وکیع فرماتے ہیں کہ میں کسی عالم سے نہیں ملا جو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ فقہ سے لوگ غافل تھے تو امام صاحب نے بیدار کیا اس کو مرتب و ملخص کیا، سفیان ثوری نے ایک شخص سے فرمایا جو امام صاحب کی مجلس سے واپس آیا تھا کہ روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے آرہے ہو، خارجہ بن مسیب اور عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ علم و عقل میں امام ابوحنیفہ کی نظیر نہیں (علم سے مراد اس دور میں علم حدیث بھی ہوتا تھا) سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اپنے زمانے کے عالم تھے اور اس کے بعد امام شعبی اپنے زمانے کے عالم ہوئے اور اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ یعنی یہ تینوں

---

[1] مقدمہ اوجز المسالک ص۵۹ ۔ [2] مسند امام احمد جلد ۲ ص۲۹۶ ۔ [3] کلمات طیبات ص۱۶۵ ۔ [4] حدائق جلد ۱ ص

اپنے اپنے دور میں بے مثال تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی نظیر میری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ امام شافعی فرماتے تھے کہ جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو وہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے۔

ماخذ علم خطیب بغدادی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ امیر المومنین ابوجعفر نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے شاگردوں سے علم حاصل کیا ہے۔[۲]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد عبداللہ بن مسعود کے فتاوے حضرت علی کے فیصلے و فتاوے اور قاضی شریح وغیرہ قضاۃ کوفہ کے فتاوے پر ہے امام ابوحنیفہ نے ان حضرات کے آثار کو سامنے رکھ کر استنباط و استخراج مسائل کیا نیز امام ابوحنیفہؒ ابراہیم نخعی اور ان کے تلامذہ کے مسلک سے بہت کم انحراف کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی کے مذہب پر تخریج مسائل میں امام صاحب کو بڑا ملکہ حاصل تھا فروعی مسائل کی تخریج میں بہت دقیق النظر واقع ہوئے تھے اگر تم ہمارے قول کی حقیقت سمجھنا چاہتے ہو تو ابراہیم نخعی کے اقوال کتاب الآثار المحمد اور جامع عبدالرزاق و مصنف ابوبکر بن شیبہ سے نکال لو اور ملاکر دیکھو شاید ہی کسی جگہ اختلاف پاؤگے اور اگر کسی جگہ اختلاف ہے تو فقہائے کوفہ کے خلاف نہ پاؤگے۔[۳]

امام صاحب نے فقہ اسلام کی ترتیب و تدوین میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب نے جس قدر مسائل مدون کئے ہیں ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار سے زائد ہے۔[۴]

امام صاحب کی وفات خاندان نبوت میں واقعہ کربلا کے بعد متعدد افراد نے انقلاب حکومت کی کوشش کی محمد ذوالنفس الذکیہ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے مشورہ سے ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا امام صاحب نے برملا ان کی تائید کی مشہور ہے کہ منصور نے امام صاحب کے سامنے منصب قضا کی پیشکش کی تھی مگر امام صاحب نے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں منصور نے ۱۴۶ھ میں قید کرا دیا، مورخین کا خیال ہے کہ منصور نے ان کے خلاف جو سخت کارروائی کی اس کی وجہ عہدہ قضا سے انکار نہ تھا بلکہ محمد و ابراہیم کی حمایت

۱؎ موفق جلد ۲ صفحہ ۵۹ ۲؎ تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۴ ۳؎ الانصاف سبب الاختلاف۔
۴؎ النکت الطریفہ صفحہ ۱۵۱ از کوثری

تھی جس کا منصور کو علم تھا، بہر حال بے خبری میں منصور نے آپ کو زہر دلوادیا، جب اس کا اثر امام صاحب نے محسوس کیا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں رجب ۱۵۰ھ میں قضا کی[1]
اولاد میں صرف ایک صاحبزادے حماد تھے۔

امام ابوحنیفہ کا علم حدیث میں مقام

مشہور ہے کہ امام صاحب کی فن حدیث میں کوئی تصنیف نہیں ہے اور صحاح ستہ میں بجز ایک یا دو جگہ کے ان کا نام تک نہیں پایا جاتا سب سے زیادہ یہ کہ ان کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث سے امام صاحبؒ کو تعلق کم تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ کچھ دانستہ اور نادانستہ طور پر یہ ایسی غلط فہمی ہے کہ جس کا پردہ چاک کرنے کی ضرورت ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور علماء محققین نے مجتہد کی تعریف یہ کی ہے کہ مجتہد وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث، آثار، تاریخ، لغت، قیاس ان پانچ چیزوں پر کافی عبور رکھتا ہو[2]۔

امام صاحب کے مجتہد مطلق ہونے پر امت کا اجماع ہے، اس کے بعد ان پر قلت حدیث کا طعن نادانی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے، اس لئے ہم ائمہ حدیث کے اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے۔
حافظ ذہبیؒ نے مسعر بن کرام جو امام صاحبؒ کے عہد طالب علمی کے رفیق رہ چکے ہیں ان کا بیان نقل کیا ہے۔

"طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزھد فبرع علینا فطلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ما ترون[3]"	میں نے اور امام ابوحنیفہ نے ساتھ ساتھ علم حدیث حاصل کیا، تو وہ ہم پر غالب رہے اور زاہد میں بھی وہ ہم پر فائق رہے، فقہ ان کے ساتھ شروع کی، تو تم دیکھتے ہو کہ کیا کمال ان سے ظاہر ہوا،

یحیٰی بن سعید قطان جو جرح و تعدیل کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں:

"انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ و رسولہ[4]"	واللہ امام ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

مکی بن ابراہیم نے امام صاحب کو اعلم اہل زمانہ بتایا ہے[5]
ابوالمحاسن شافعی نے اپنی کتاب عقود الجمان میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے جس میں امام صاحبؒ

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۰۷ [2] عقد الجید [3] مناقب ابی حنیفہ ص ۲۷ الذہبی [4] ما تمس الیہ الحاجۃ [5] مقدمہ اوجز ص ۲۲

کی روایت حدیث کی کثرت اور ان کا اعیان حفاظ حدیث میں ہونا بیان کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بایں وسعت نظر ہمیشہ اس کے لئے کوشاں رہے کہ کوفہ میں جب بھی کوئی محدث آتا تو اس سے استفادہ کرتے امام صاحبؒ کے مشہور شاگرد محدث عبدالعزیز بن رزمہ کے بیان کو علامہ موفق نے بسند نقل کیا ہے:

"وذکر علم ابی حنیفۃ بالحدیث فقال قدم الکوفۃ محدث فقال ابو حنیفۃ لاصحابہ انظروا ھل عندہ شیء فی الحدیث لیس عندنا قال وقدم علینا محدث اٰخر فقال لاصحابہ مثل ذٰلک[1]"

عبدالعزیز بن رزمہ نے امام ابوحنیفہ کے علم حدیث کا تذکرہ کیا اور اس سلسلے میں بتایا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدث آئے تو امام ابوحنیفہؒ اپنے اصحاب سے فرمانے لگے دیکھو توان کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے پاس نہ ہو، عبدالعزیز کا بیان ہے کہ دوبارہ ایک محدث ہمارے پاس آئے جب بھی آپ نے اپنے اصحاب سے یہی فرمایا۔

امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی حدیثیں تھیں اور دو ہزار بقیہ دیگر مشائخ کی[2]، صاحب عقود الجمان لکھتے ہیں کہ امام صاحب سے روایات کی قلت کی وجہ حفظ حدیث کی وسعت کے باوجود استنباط مسائل سے اشتغال ہے اور اسی طرح مالکؒ و شافعیؒ سے ان کی مسموعات کی بہ نسبت کم روایات منقول ہیں جیسے صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ سے ان کی معلومات کی کثرت کے باوجود دیگر صحابہ کے مقابلہ میں کم روایات پائی جاتی ہیں[3]

روایت حدیث میں احتیاط

امام صاحب روایت حدیث میں بہت محتاط واقع ہوئے تھے جس کا اعتراف بڑے بڑے محدثین تک کو ہے، یحییٰ بن معین کا قول ہے:

"کان ابوحنیفۃ ثقۃ لا یحدث الا بما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ[4]"

امام صاحب ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں جو یاد نہیں ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے۔

امام صاحب کی اس احتیاط کا اندازہ امام وکیع کی اس شہادت سے ہوتا ہے جو انھوں نے دی ہے

---

[1] مناقب الامام اعظم جلد ۱ ص ۸۳ از ذہبی صدر الائمہ مکی [2] ایضاً جلد ۱ ص ۹۶ از موفق بن مکی۔
[3] عقود الجمان [4] تاریخ بغداد جلد ۱۔ و جلد ۱۳ ص ۴۱۹

فرماتے ہیں کہ جیسی احتیاط امام صاحب سے حدیث میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی [1]

مسانید امام اعظمؒ

امام صاحبؒ کی متعدد تصانیف کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ان کے حالات کے ساتھ مذکور ہیں مگر ہمیں یہ بتانا ہے کہ آیا فن حدیث پر کوئی مجموعہ موجود ہے یا نہیں؟ عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے جس طرح فقہ کو باقاعدہ مرتب و مدون کرایا اس کو امام صاحب کے تلامذہ بالخصوص قاضی ابو یوسف و امام محمد نے اپنی تصانیف میں جمع کر دیا۔ امام شافعیؒ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

"الناس عيال لابي حنيفة في الفقه۔"

بعد کے سب آنے والے فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے خوشہ چین ہیں۔

اسی طرح حدیث کا جو سرمایہ منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا اس کو بھی باقاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب کرایا علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:

"من مناقب ابي حنيفة التي انفرد بها انه اول من دون علم الشريعة ورتبه ابوابا ثم تبعه مالك بن انس في ترتيب الموطا ولم يسبق ابا حنيفة احد [2]"

امام ابو حنیفہ کے ان مناقب خصوصی میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور ان کو ابواب پر ترتیب دیا پھر امام مالکؒ نے موطا کی ترتیب میں انھیں کی پیروی کی اور اس سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔

علامہ کوثری نے ان مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے اور فرماتے ہیں کہ ان سب کی مسانید متصل ہیں ان مسانید کو امام صاحب کے تلامذہ نے جمع کیا تھا۔ محدث خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ جو ان مسانید کے جامع ہیں ابتداء کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے شام کے بعض جاہلوں سے سنا کہ وہ امام اعظمؒ کی تنقیص کرتے ہیں اور ان پر قلت روایت حدیث کا الزام لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسند شافعیؒ اور موطا مالک تو مشہور ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند نہیں بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے صرف چند احادیث کی روایت پر اکتفا کیا ہے، اس لئے میری دینی حمیت نے آمادہ کیا کہ امام صاحب کی ان پندرہ مسانید کو یکجا جمع کر دوں جن کو بڑے بڑے علماء حدیث نے جمع کیا ہے، ان جامعین کے حالات بھی خوارزمی نے بیان

[1] مناقب الامام از موفق جلد ۲ ص ۱۹۶ [2] تبییض الصحیفہ ص ۳۶

کر دیئے ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) امام صاحب کے صاحبزادے حماد کی مسند۔

(۲) امام ابو یوسف کی کتاب الآثار

(۳) مسند حسن بن زیاد لولوی

(۴) امام محمد کی کتاب الآثار

ان حضرات نے براہ راست امام صاحبؒ سے روایت کی ہے

(۵) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب حارثی بخاری جو عبد اللہ الاستاد کے لقب سے مشہور ہیں اور ابو حفص کبیر کے شاگرد ہیں۔

(۶) مسند حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی صاحب کتاب الحلیہ۔

(۷) مسند ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر۔

(۸) مسند حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی بن جرجانی۔

(۹) مسند عمرو بن حسن اشنانی۔

(۱۰) مسند ابو الحسین محمد بن جعفر۔

ان چھ حضرات کا شمار حفاظ حدیث میں ہے۔

(۱۱) مسند ابو بکر احمد بن محمد کلاعی۔

(۱۲) مسند حافظ ابو بکر محمد بن عبد الباقی انصاری۔

(۱۳) مسند حافظ سعدی۔

(۱۴) مسند حسین محمد خسروی

(۱۵) مسند موسیٰ بن زکریا حصفکی ان کی مسند کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔

ان مسانید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر روایات صرف دو واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں اس سے اس کی صحت و قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ائمہ اربعہ میں صرف امام مالک اس خصوصیت میں شریک ہیں۔ مگر ان کی مرویات میں سب سے عالی یہی روایات ہیں جب کہ امام اعظم کی مرویات میں وحدانیات بھی موجود ہیں۔

علامہ شعرانی نے بڑے فخر و مسرت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کی زیارت و مطالعہ سے مشرف ہوا جن پر حفاظ حدیث کے دستخط تھے علامہ کوثری

فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے مسانید کو محدثین سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے[1]

اگرچہ امام صاحب کے فقہی مسائل کے مقابلہ میں ان کو زیادہ شہرت نہیں ہوئی مگر واقعہ یہ ہے کہ بعد والوں کے لئے بہت بڑا نمونہ چھوڑ گئے۔

محدث خوارزمی نے ان کو مسانید کے نام سے موسوم کیا ہے اس لئے بعد کے علماء بھی ان کو مسند کہنے لگے ہیں، مگر بہت سے اہل علم نے کتاب الآثار وسنن کے نام سے بھی یاد کیا ہے، بلکہ قاضی ابویوسف کی مسند کتاب الآثار کے نام سے چھپ بھی گئی ہے، امام محمد کی مسند تو کتاب الآثار کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی نے بھی اس کو بدائع الصنائع میں "ذکر آثار ابی حنیفہ" ہی کے نام سے یاد کیا ہے[2]

کتاب الآثار لمحمد کے متعلق حافظ ابن حجر تعجیل المنفعۃ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"والموجود من حديث ابی حنيفة مفردا انما هو كتاب الآثار التی رواها محمد بن الحسن عنه"	امام ابوحنیفہ کی حدیث میں مستقل طور پر کتاب موجود ہے وہ کتاب الآثار ہے جس کو امام محمد نے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس کے رجال پر مستقل کتابیں لکھی ہیں حافظ ابن حجر کی کتاب کا نام "الایثار بمعرفۃ الآثار" ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

[1] مقدمہ اوجز المسالک [2] تانیب الخطیب [3] بدائع الصنائع جلد ۱ ص ۱۳۰

مولانا رئیس احمد امروہوی
تلخیص: ظل الرحمٰن۔

سنہ ہجری اور اس کا مکمّل تعارف

سنہ ہجری، ہجرت نبوی صلعم کی ایک عظیم الشان یادگار ہے۔

یہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ دین اور ایمان کی خاطر ضرورت پڑنے پر محبوب ترین آبائی وطن جو مذہبی نقطۂ نظر سے مقدس اور متبرک بھی ہو ترک کر کے غربت و مسافرت کی ایسی زندگی اختیار کرلینی چاہئے جس میں دین وایمان محفوظ رہ سکے۔

تیرہ سال کی جان توڑ اصلاحی کوششوں کے باوجود جب خاتم المرسلین ہادی اسلام علیہ السلام پر واضح ہوگیا کہ کسی بھی طرح کفار مکہ مسلمانوں کو زندگی نہیں گذارنے دیں گے تو حکم الٰہی سے مدینہ منورہ کو دارالہجرت قرار دیتے ہوئے ہجرت کا حکم دیدیا گیا۔

ہجرت نبوی کی پیشین گوئی قدیم آسمانی کتابوں میں

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قمری حساب سے اپنی زندگی کے چالیس سال گذارنے کے بعد جب اکتالیسویں سال میں داخل ہوکر منصب رسالت پر فائز کئے گئے یعنی ۹ ربیع الاول مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد ۱۸ رمضان المبارک مطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ء بروز جمعہ باقاعدہ نزول قرآن شروع ہوا تو اس وقت آپ کے ایک ہم عصر وہموطن وہم نسب نصرانی المذہب عالم علوم اہل کتاب ورقہ بن نوفل بن اسد نے قدیم آسمانی کتابوں کی روشنی میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ آپ کسی نہ کسی وقت ترک وطن پر مجبور ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ کاش میں اس وقت قوی و توانا ہوتا اور آپ کی کوئی مناسب مدد کرسکتا۔ اس وقت ہادی اسلام علیہ السلام نے تعجب سے فرمایا تھا کہ کیا میری قوم مجھے میرے وطن سے نکال دے گی۔

(صحیح البخاری باب بدء الوحی وتفسیر سورۂ علق وصحیح مسلم وغیرہ)

ورقہ بن نوفل دنیا سے یہ حسرت لے کر چلے گئے اور یہ ہجرت ان کی زندگی میں نہ ہو سکی۔ موصوف آپ کی رسالت و نبوت کے دل سے معتقد تھے اسی وجہ سے بعض اہل علم انھیں صحابی شمار کرتے ہیں۔

ایک دن ایسا بھی آیا کہ اجمالی طور پر آپ کو اللہ رب العالمین کی طرف سے مطلع کیا گیا کہ آپ کو ہجرت کرنا ہے اس وقت آپ کو متعین طور پر یہ نہیں تبلایا گیا تھا کہ کون سا خطہ دار الہجرت ہوگا (صحیح البخاری باب ہجرت)

تیرھویں سال نبوت میں موسم حج کے موقع پر غالباً آخری ایام تشریق ۱۲ ارذی الحجہ مطابق ۲۸ جون ۶۲۲ء بروز شنبہ بمقام عقبہ جو مکہ مکرمہ کی وادی ہے یثرب (مدینہ منورہ) کے کئی ذمہ داران نے یہ ذمہ داری قبول کرلی کہ وہ مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں اور ہادی اسلام کو پناہ دیں گے اور بہر صورت اسلام اور اہل اسلام کی مدد کریں گے۔ تاریخ اسلام میں اہل یثرب اور ہادی اسلام علیہ السلام کے مابین اس معاہدہ کو عقبہ کی بیعت ثانیہ کہا جاتا ہے اس معاہدہ کے بعد مسلمانوں کو یثرب ہجرت کی اجازت دیدی گئی۔ اس اجازت کے ملتے ہی مکہ کے مظلوم مسلمان بصد رنج و ملال حصول رضائے الٰہی و حکم نبوی کی تعمیل کے لئے انفرادی و اجتماعی طور پر اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ پہلا قافلہ ماہ محرم الحرام میں روانہ ہوا اور تقریباً ڈھائی مہینے کے اندر شہر مکہ مسلمانوں سے تقریباً خالی ہوگیا صرف ہادی اسلام بعض مسلمانوں کے ساتھ باقی رہے جب بیشتر مسلمان ہجرت کر گئے تو آپ بھی عازم سفر ہوئے مسلمانوں سے قبل آپ نے ہجرت گوارا نہیں فرمائی کیونکہ ان مسلمانوں کو نامعلوم خطرناک حالات و نتائج کا شکار ہونے کے لئے چھوڑنا کسی طرح بھی گوارہ نہیں تھا۔

ہجرت کی تیاریاں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ عقبہ کی بیعت ثانیہ سے بہت پہلے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر ہجرت کا حکم مل چکا تھا اور اس بیعت سے پہلے ہادی علیہ السلام کے قرائن سے صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا تھا کہ آپ کے ساتھ ان کو بھی سفر ہجرت کرنا ہے بنا بریں انھوں نے ۲ شوال مطابق ۱۵ مئی ۶۲۲ء بروز دوشنبہ سے دو اونٹنیوں کی خصوصی دیکھ بھال شروع کردی تھی تاکہ وہ سفر میں سواری کا کام دے سکیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سفر ہجرت سے چار ماہ پہلے سے دو اونٹنیوں کو خوب چارہ دینا شروع کردیا تھا۔

(بخاری شریف باب ہجرۃ النبیؐ)

ہادی اسلام کی مدینہ کی طرف روانگی

قاضی سلمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق ۲ صفر مطابق ۱۰ ستمبر سنہ بروز جمعہ بوقت شب تاریکی میں کفار مکہ کے سخت محاصرہ ونگرانی کے باوجود بحکمت الٰہی مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔

اس سے قبل ہادی اسلام نے حضرت علی کو بلا کر فرمایا تھا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم مل چکا ہے میں آج رات مدینہ منورہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو صبح جو امانتیں میرے پاس محفوظ ہیں ان کو لوٹا کر تم بھی مدینہ آجانا۔

حضرت علی کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر قتل گاہ ہے لیکن اللہ اللہ جذبہ محبت کہ فاتح خیبر کے لئے یہ قتل گاہ فرش گل تھی اور تعمیل ارشاد میں چادر تان کر سو گئے۔

کفار آپ کے گھر کا محاصرہ کر چکے تھے رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت حضرت علی کو سلا کر باہر تشریف لائے۔ ہجوم کفار بے خبر ہی رہا اور رسول اکرم باہر کعبہ کے پاس تشریف لائے اور دیکھ کر فرمایا۔

مکہ تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھے جینے نہیں دیتے۔

حضرت ابوبکر سے بات طے ہو چکی تھی دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جاکر پوشیدہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر کے بیٹے بھی عبداللہ رات کو غار میں آکر سوتے اور صبح منہ اندھیرے ہی شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آنحضرت صلعم سے عرض کر دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتے اور آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک صرف یہی غذا رہی۔

حضور اکرم، ۲ صفر کو رات کے وقت غار ثور میں صدیق اکبرؓ کے ساتھ پناہ گزیں ہوئے، ۲۷، ۲۸، ۲۹ اور یکم ربیع الاول جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار۔ اور پیر کی رات تک اسی غار میں مقیم رہے۔ یکم ستمبر ۶۲۲ء کو بوقت صبح غار ثور سے منزل بہ منزل تیز رفتاری کے ساتھ روانگی ہوئی۔

روانگی کے دوران سراقہؓ کا واقعہ پیش آیا۔ سراقہ رسول اکرم کی تلاش میں گھوڑے پر نکلے ہوئے تھے وہ اتفاق سے رسول کریم کے قریب ہو چلے تھے کہ اچانک گھوڑے کے دونوں پیر زمین میں دھنس گئے سراقہ دو تین بار اٹھنے کی ناکام کوشش کے بعد رسول کریم سے معافی کے طالب ہوئے رسول کریمؐ نے تحریر امان لکھ دی اور فرمایا۔

سراقہ اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔
رسول اکرم کی یہ پیشین گوئی حضرت عمر کے زمانے میں پوری ہوئی اور فتح ایران کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ کنگن سراقہ کو پہنائے جو اس وقت ایمان لا چکے تھے اور شریک جہاد تھے۔
دن اور رات چلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپؐ صرف آٹھویں دن بوقت دوپہر یعنی ۸ ربیع الاول مطابق ہجرت دار الہجرۃ پہنچ گئے اور شہر یثرب کے ایک محلہ قبا میں قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ایک معزز فرد کلثوم بن ہرم کے گھر مقیم ہوئے اس سال ۸ ربیع الاول کو ترمیم شدہ عبرانی یہودی تقویم کے سال ۳۵۸۲ کی ماہ تشری کی نویں تاریخ تھی اس دن سورج غروب ہونے کے وقت سے لے کر پورے پچیس گھنٹے کا روزہ عاشورہ یہود عرب میں رکھا جاتا تھا۔ غالباً اسی روزہ کو دیکھ کر آپؐ نے یہود سے معلوم فرمایا تو یہود نے جواب دیا یہ ہجرت موسوی کی یادگار ہے۔
آپ کی تشریف آوری مدینہ پر جس طرح انصار مدینہ آپ کے استقبال کے لئے تشریف لائے اسی طرح یہود مدینہ بھی بذوق و شوق خدمت نبوی میں حاضر ہوئے خصوصاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے آپ کی آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی نعرہ اللہ اکبر لگایا ان کی پھوپھی خالدہ بنت الحارث نے ان کے نعرہ کو سن کر کہا کہ تم شاید حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی آمد پر بھی اتنے خوش نہیں ہوتے حضرت عبداللہؓ نے فرمایا واللہ یہی وہ نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کے ہم منتظر تھے چنانچہ حضرت عبداللہ زیارت نبوی کے لئے قبا تشریف لے گئے اور مع خاندان مشرف باسلام ہوئے حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی بن اخطب کے باپ اور چچا و دیگر یہود بھی قدوم نبوی کی خبر سنتے ہی زیارت نبوی کے لئے روانہ ہو گئے (البدایہ والنہایہ صلا۲۱۱ جلد ۳)
اسی دن یہود عاشورہ کا روزہ رکھنے والے تھے آپؐ نے ان سے روزہ کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ روزہ ہجرت موسیٰ کی یادگار ہے۔
خاتم المرسلین نے یہ معلوم ہوتے ہی کہ آج ہجرت موسوی کی یادگار میں روزہ رکھا جانے والا ہے اعلان فرما دیا کہ ہم حضرت موسیٰ سے قریب تر ہیں اور ان کی پیروی کے ہم زیادہ حقدار ہیں لہذا ہم بھی روزہ رکھیں گے چنانچہ آپ نے خود روزہ رکھا اور اہل اسلام کو رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح توریت مقدس کا وہ فرمان اس مسئلہ میں بھی پورا ہو گیا کہ بنو اسرائیل کے بھائیوں (مراد بنو اسمٰعیل) میں حضرت موسیٰ ہی کی طرح کا پیغمبر اور رسول مبعوث کیا جائے گا (صحیفہ خروج) خاتم النبیین نے اہل اسلام کو روزہ عاشورہ کے رکھنے کا حکم دسویں تشری یعنی ۹ ربیع الاول کی صبح بعد نماز فجر سے دیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے

ور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کا فرق ہے۔

اسی سفر ہجرت کی عظیم الشان یادگار سنہ ہجری ہے اور سنہ ہجری سے بڑھ کر اس کی دوسری عظیم یادگار عاشورہ کا روزہ ہے جو اسلامی قانون کے تحت قمری حساب کا لحاظ رکھتے ہوتے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو رکھا جاتا ہے۔ ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد اس روزہ کی حیثیت نفلی کردی گئی ہے۔ یہ روزہ یہود و نصاریٰ کے یہاں شمسی حساب سے رکھا جاتا تھا۔ پہلا روزہ اہل اسلام نے بھی شمسی حساب ہی سے رکھا تھا۔ (تاریخ صغیر للامام بخاری ص۱)

ہجرت نوح علیہ السلام

کشتی نوح علیہ السلام بھی ماہ محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشورہ کے دن کوہ جودی پر ٹھہری تھی۔ حضرت نوح کا سفر سفر ہجرت تھا کیونکہ کوئی خطۂ زمین ایسا نہیں تھا جسے ان کا دار الہجرت قرار دیا جاسکتا۔ خود حضرت نوح علیہ السلام دعا فرما چکے تھے۔

اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ پوری زمین پہاڑوں سمیت غرقاب کر دی جائے گی۔ اس اعتبار سے حضرت نوح کے لئے خاتمہ طوفان کے بعد پوری زمین ہی دار الہجرت تھی جب طوفان نوح ختم ہو گیا اور کشتی نوح کوہ جودی پر رک گئی تو انھوں نے بطور شکرانہ روزہ رکھا۔ یہی روزہ بطور سنت متواترہ اہل کتاب و دیگر امم میں رائج رہا اور روزہ عاشورہ کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ سنہ نوح دراصل ہجرت نوح علیہ السلام کی یادگار ہے۔ قاضی سلمان منصورپوری کی تحقیق کے مطابق ہندستان میں مروجہ کل جگ سنہ نوح کا دوسرا نام ہے (رحمۃ اللعالمین ص۲۲۴) سنہ نوح اس زمانہ میں شمسی حساب سے چلتا تھا اور اس کے مہینوں کے نام عربی مہینوں کے ناموں سے مختلف ہیں جو کئی اعتبار سے تقریباً قبطی سنہ جدید، سنہ ابراہیمی۔ سکندری و بخت نصرانی اور عبرانی قدیم مہینوں کے مطابق ہوا کرتے تھے۔

سنہ نوح کا ماہ اول توت ہے جو قدیم عبرانی سنہ کے مطابق سال کا تیسرا مہینہ ہے سنہ کل جگ کا پہلا مہینہ جیٹھ ہے۔

توراۃ میں مذکور ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قیادت میں قوم یہود کی ہجرت جس مہینہ میں ہوئی ہے اس کا نام ابیب ہے (صحیفہ خروج باب ۱۳-۵-۲۳-۱۵-۲۴-۴۰- وصحیفہ استثنا باب ۱۶)

ابیب شاہان قبط (فراعنہ مصر) کے یہاں مروجہ سنہ کے بارہ مہینوں میں سے تیسرے مہینہ کا نام ہے۔ سال فرعونی کا پہلا مہینہ توت تھا جسے شریعت موسوی نے بدل کر سال کا پہلا مہینہ قرار دیا

اس زمانے میں مروجہ دوسرے سنوں کے مہینوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) عبرانی قدیم: ایبت۔ مشتری۔ توت۔ بابہ۔ ہاتور۔ کیہک۔ طوبہ۔ امشیر۔ برہمات برموذہ۔ بشنس۔ بونہ

(۲) قبطی: توت۔ بابہ۔ ہاتور۔ کیہک۔ طوبہ۔ امشیر۔ برہمات۔ برموذہ۔ بشنش۔ بونہ۔ ابیب۔ مشتری۔

(۳) انگریزی و رومی: ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر۔ جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل۔ مئی۔ جون۔ جولائی۔ اگست۔

(۴) ترمیم شدہ یہودان عرب: تشتری۔ مرحشوان۔ کسلا۔ طامات۔ تباط۔ آزار۔ نیسان۔ ایار۔ سیبوان۔ تموز۔ آب۔ ایلول۔

(۵) سریانی و یونانی: تشرین اول۔ تشرین ثانی۔ کانون اول۔ کانون ثانی۔ شباط۔ آذار۔ نیسان۔ ایار۔ حزیران۔ تموز۔ آب۔ ایلول

ہندی: کاتک اگہن پوس۔ ماگھ پھاگن۔ چیت بیساکھ۔ جیٹھ اساڑھ، ساون۔ بھادوں۔ کنوار۔

قدیم عربی: ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الآخر، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم، صفر۔

عبرانی قدیم و قبطی مہینوں میں سے ہر ایک تیس دن کے ہوا کرتے تھے صرف ایک ماہ کو ہر سال ۵ دن کا بطور کبیس یا کسی خاص سال ۶ دن کا شمار کیا جاتا تھا (کتاب صبح الاعشیٰ جلد دوم صہ ۴۰۲ باب شہور الیہود و القبط)

موجودہ یہود عرب کے مہینے اگرچہ قمری حساب سے چلتے تھے مگر انہیں بھی ماہ مکبوس (یعنی فاضل مہینہ) ڈال کر شمسی حساب کے مطابق بنا دیا گیا تھا۔ یہودیوں کے مہینوں میں سے بعض تیس دن کے بعض انتیس دن کے اور بعض اٹھائیس دن کے ہوتے تھے اور ہر دوسرا یا تیسرا سال تیرہ مہینے کا ہوتا تھا جسے ماہ مکبوس (ملماس) کہتے تھے۔

عام یہودیوں نے ۳۵۰ء میں ایک ترمیم کے ذریعہ اپنے تقویمی حساب میں زبردست تبدیلی کی حتیٰ کہ اپنے یہاں کے مروجہ مہینوں کے نام تک بدل ڈالے جو اوپر نمبر ۴ پر ترمیم شدہ یہودان عرب کے عنوان پر درج ہیں۔

محرف توراۃ میں ہجرت موسوی کی یادگار منانے کا جو طریقہ تحریر ہے اس میں دسویں تاریخ کے روزے کا ذکر کہیں نہیں ہے البتہ روزہ کا حکم ساتویں مہینہ طوبہ مطابق نیسان مطابق اپریل مطابق بیساکھ یا کبھی کبھار جیٹھ کی دسویں تاریخ کو اس طرح دیا گیا ہے۔

اور تمہارے لئے قانون دائمی ہوگا کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ یوم عاشورہ کو تم میں سے ہر ایک اپنی جان کو دکھ دے اور کسی طرح کا کام نہ کرے تم اس دن اپنی جان کو دکھ دیجیو یہ تمہارے لئے دائمی قانون ہے (صحیفہ احبار باب ۱۶۔ ۱۹ تا ۳۳) تم اس دن کوئی کام نہ کرو کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جو انسان اس دن روزہ نہ رکھے وہ موسوی شریعت اور یہودی قومیت سے خارج ہوجائے گا۔ یہ تم سب کے لئے ابدی قانون ہے کہ اس دن روزہ رکھو نویں کی شام سے دسویں کی شام تک آرام کا وقت ہے یعنی یہ وقت روزہ کا وقت ہے جو پچیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔

(صحیفہ احبار باب ۲۳۔ ۲۶۔ صبح الاعشیٰ صفحہ ۴۳۶ ج ۲۔ بلوغ العرب صفحہ ۳۳۶ ج ۲۔ ذکر اعیاد الیہود)

موجودہ توراۃ میں ہجرت موسوی کی یادگار منانے کا درج ذیل طریقہ تحریر ہے۔

خدا نے موسیٰ و ہارون سے کہا کہ یہ مہینہ (ماہ ابیب) تمہارے مہینوں کا شروع ہوگا اور یہ تمہارے سال کا پہلا مہینہ ہوگا۔ بنو اسرائیل سے کہو کہ اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو فی گھرانہ ایک سالانہ بھیڑ یا بکری قربانی کے لئے منتخب یا متعین کریں اور چودھویں تاریخ کو بوقت شام ذبح کریں اور رات کو قربانی کے گوشت کو پکائیں اور کھائیں یہاں تک کہ صبح تک کچھ گوشت باقی نہ رہے۔ اسی دن میں تمہارے لشکروں کو مصر سے باہر لایا ہوں اس لئے تم ہمیشہ کے لئے اس کو یادگار مناؤ اور اسے اپنے سال کا پہلا مہینہ قرار دو۔ (صحیفہ خروج باب ۱۲۔ ۱۳۔ و صحیفہ احبار)

قبطیوں (فراعنہ مصر) میں عاشورہ

فراعنہ مصر کے یہاں ماہ توت کی دسویں تاریخ (جو عبرانی تقویم کے حساب سے دسویں ابیب ہی ہے) کو ایک عید منانے کا طریقہ تھا جو کشتی نوح کے کوہ جودی پر لنگر انداز ہونے کی یاد منائی جاتی تھی۔ (المستفاد من صبح الاعشیٰ صفحہ ۴۲۳ ج ۲) طوفان نوح کا واقعہ کتب ہنود میں بھی موجود ہے مہابھارت میں کشتی کے ناخدا کا نام منو درج ہے جس کا مطلب ہے کہ منو اور نوح ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

منو یعنی نوح کی طرف ہندو مذہب میں ایک کتاب کی تصنیف منسوب ہے جس کا نام

منو سمرتی ہے یہ کتاب ہندو مذہب کے فقہ کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب صحیفہ نوح کا محرف ایڈیشن اس کا مفصل تعارف تاریخ یہود میں ہے۔ ہندوؤں کے یہاں رائج شدہ سنہ کل جگ طوفان نوح ہی کی یادگار ہے اور جیسا کہ ہم قاضی سلمان منصورپوری جو مصنف رحمۃ للعالمین اور علوم سیر و مغازی کے ماہر ہونے کے علاوہ توریت و انجیل کے عالم۔ عبرانی زبان کے ماہر اور علوم ہیئت و تقویم پر مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہیں کے حوالہ سے تحریر کر چکے ہیں طوفان نوح اور سنہ کل جگ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (رحمۃ للعالمین ص ۴۲۴ ج ۲)

مذاہب پارینہ کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کشتی نوح کی یادگار ایام ماضیہ میں منائی جاتی رہی ہے ہندوؤں میں اکادشی برت کا رواج ہے جو روزہ عاشورہ کا ہم معنیٰ لفظ ہے۔

بعض اہل علم کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ روزہ عاشورہ شریعت سابقہ میں تھا اور اس کو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی رکھا (فتح الباری ص ۲۴۸)

قسمت خداوندی کہ اس تاریخی دن ہجرت موسوی کا مہتم بالشان واقعہ پیش آگیا اور اس دن کے روزہ کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔

حافظ ابن حجر نے مجلس ثالث مجالس باغندی کبیر کے حوالہ سے عکرمہ کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن یہ روایت کمزور ہے۔

"کسی موقعہ پر قریش سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو گیا جس کا کفارہ معلوم کرنے پر انھیں مشورہ دیا گیا کہ روزہ عاشورہ رکھا جائے تو اس گناہ عظیم کی نحوست دور ہو جائے گی بنا بریں قریش میں بھی اس روزہ کا رواج ہو گیا (فتح الباری ص ۲۴۶ ج ۴ باب صیام عاشورہ)

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ یعنی ہجرت نبوی مسلمانوں کی تاریخ بے سرو سامانی محکومی و بیچارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہے۔

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے زیادہ مشہور یہودی رومی اور ایرانی تھے۔

ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت واقعات اسلام نے لے لی۔ صحابہ کرام کا قاعدہ تھا کہ اسلامی کے واقعات میں سے کوئی واقعہ لے لیتے اور اس کا حساب لگاتے رہتے ہجرت نبوی کے بعد اجازت قتال کی آیت نازل ہوئی اور واقعہ بطور سنہ کے یاد رہنے لگا۔ سنۃ الاذن کا رواج پڑا اور پھر سنہ الوداع شروع ہو گیا۔

آنحضرت کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی لیکن جب حضرت عمر کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے تو ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور ایک سنہ قرار دیا جائے اس وقت ہجرت کو سولہ سال گذر چکے تھے۔

ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا جس پر شعبان کا مہینہ درج تھا حضرت عمر نے اس پر معلوم کیا کہ کون سا شعبان۔ پھر آپ نے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا۔ اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہو گئے ہیں اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہو جاتا اس لئے ضروری ہے کہ حساب کتاب کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہو سکیں

اس سلسلے میں حضرت عمر کی توجہ مختلف طور پر مبذول کرائی جا چکی تھی۔ حضرت عمر کے پاس یمن سے ایک عامل آیا اور اس نے کہا کہ لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے اس طرح کہ فلاں بات فلاں سنہ میں ہوئی اس پر حضرت عمر اور دوسرے حضرات کو اس کا احساس ہوا ایک بار ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر کو لکھا کہ آپ کی جانب سے جو خطوط ہمارے نام آتے ہیں ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی اس پر حضرت عمر کو ضرورت سنہ کا شدت سے احساس ہوا انھوں نے ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہو کر مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا سے مشورہ کیا اس نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی ایرانیوں کا سنہ یزدگرد کا سنہ اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر اعظم کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے۔ لیکن حضرت عمر اور دوسرے حضرات اس سے متفق نہیں ہوئے بلکہ عام رجحان ایک اپنا نیا سنہ شروع کرنے کے حق میں ہی تھا۔ حضرت عمر نے اسے آنحضرت کی ولادت کی ولادت سے شروع کرنا چاہا پھر خیال ہوا کہ بعثت سے شروع کیا جائے لیکن حضرت علی نے رائے دی کہ اسے ہجرت سے شروع ہونا چاہئے غرض اس پر اتفاق رائے ہو گیا اور اہل اسلام نے اپنی ہجرت کی یادگار قائم کرنے کے لئے سنہ ہجری کا آغاز کیا۔

اس اعتبار سے سنہ ہجری کا پہلا مہینہ ربیع الاول ہونا چاہئے تھا کیونکہ اصل سفر ہجرت اسی مہینہ میں ہوا۔ امام مالک کا خیال یہی ہے کہ سنہ ہجری کا پہلا مہینہ ربیع الاول ہے لیکن جمہور امت اس کے خلاف ہے اور اس امر پر متفق ہیں کہ ماہ محرم ماہ اول ہے۔ حضرت امیر المومنین عمر ابن

خطاب فاروق اعظم نے ۱۶ھ میں صحابہ کرام خصوصاً حضرت عثمان و حضرت علی کے مشورہ سے ماہ محرم کو ماہ اول قرار دے کر اس اختلاف کو ختم کر دیا کیونکہ مہاجرین مکہ ماہ محرم ہی سے عام طور پر مدینہ شریف کے لئے ہجرت کرنے لگے تھے حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ سفر ہجرت کا عزم بالجزم خاتم المرسلین نے ماہ محرم ہی میں کیا تھا (فتح الباری باب تاریخ جلد ۷)

ماہ محرم کو سال ہجری کے ماہ اول ہونے کے علاوہ شرعی طور پر یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ اسے رسول اکرم نے اللہ کا مہینہ قرار دیا ہے (صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

اسی مہینہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ پیش آیا جس کے تذکرے قرآن کریم میں بہت جگہ موجود ہیں۔

یہ بھی مشیت ایزدی ہی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے ہجرت نبوی صلعم کے رشتے سابقہ ہجرتوں سے برقرار رکھنے کے لئے باوجود ذی الحجہ میں اجازت عام کے اس کا آغاز ماہ محرم سے شروع کرایا اور سابقہ انبیا کی طرح رسول کریم کی امت کو ایک سنہ ہجری شروع کرانے کی توفیق عطا کی اور اس طرح مسلمان قوم کو اپنی جداگانہ اور دائمی شریعت کے ساتھ ہی ایک نیا سلسلہ سال و سنہ بھی مل گیا اور "الیوم اکملت لکم دینکم" کی تفسیر ہر طرح مکمل ہو گئی۔ ✤ ✤

اقوال زرین حضرت علیؓ

✤ دوستی اختیار کرو مگر اپنی آبرو ہاتھ سے نہ دو۔

✤ معافی سے بہتر کوئی انتقام نہیں۔

✤ فضول خرچی وہ ساتھی ہے جو ایک دن کنگال کر دیتا ہے۔

✤ غریب [illegible] وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں

✤ اپنے نفس کو سنوارنا سب سے اچھی مصروفیت ہے۔

✤ کریم وہ ہے جو سوال سے پہلے عطا کرے۔

امیر محمد صاحب ضیا شمسی۔

اسلام کا سماجی تصوّر

آج کے سائنسی صنعتی ٹکنالوجی دور میں جبکہ انسانیت و زمانے کی قدریں بدل رہی ہیں انسانوں کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز فکر بھی بدل چکا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پوری انسانی دنیا کے باشندوں کے لئے توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے کہ:

مامن مولود الا یولد علی فطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ" (بخاری) ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی بنا دیں یا عیسائی یا مجوسی

آج اس بات نے ہر خاص و عام خصوصاً مسلمان کے ذہن پر اپنا گہرا نقش جما رکھا ہے۔ کہ مسلمانوں کی اجتماعی، و معاشرتی، سیاسی و اقتصادی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب آچکا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے جس مساوی راستہ کا حکم فرمایا تھا امت اسے بھول کر اپنی منزل مقصود سے دور تر ہوتی جا رہی ہے۔ نئی نئی ایجادات و اختراعات بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں گذشتہ ایک صدی کی بہ نسبت آج بہت تغیر آچکا ہے۔ پریس رسائل و اخبارات اور کتابوں کی کثرت، سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ذرائع آمد و رفت کی بے انتہا سہولتوں اور تحریکات و تنظیمات نے پوری دنیا کو سکیڑ کر ایک سماج بنا دیا ہے آج دنیا کے کسی خطے میں کوئی انقلاب یا بغاوت ہو تو پوری دنیا اس سے متاثر ہوتی ہے۔ پوری دنیا کے تمدن و سماج پر اس کا خاطر خواہ اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر حال ہی میں جنوبی ہند کے صوبہ آندھرا میں جو قیامت خیز طوفان قیامت صغریٰ بن کر آیا ہے۔ جس نے ہزاروں انسانی زندگیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس نے نہ صرف ہندستان بلکہ برطانیہ و انگلستان اور پوری دنیا کے انسانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ہر ملک کے ایوان حکومت تک یہ بات پہونچی۔

۱۵۔ اگست ۱۹۷۵ء میں بنگلہ دیش میں شیخ مجیب الرحمٰن کا قتل، ۲۱ مارچ ۱۹۷۷ء کو ہندوستان کی تیس سالہ حکمراں کانگریس پارٹی کی شکست فاش۔ ۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کو پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری اور پھر ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو اس قائد اعظم کو سزائے موت کا حکم، ۲۱ اپریل ۱۹۷۵ء کو جلالۃ الملک شاہ فیصل کا قتل، یہ اس قسم کے واقعات ہیں کہ اگرچہ ان کا تعلق کسی واحد شخص یا ایک ملک سے ہے۔ لیکن ان واقعات نے پوری دنیا کے سماج و تمدن پر اپنا اثر کیا اور آج بھی یہ واقعات ہر ملک اور ہر سیاستداں کی توجہ کے مرکز بنے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن سماج اور تمدنوں پر وہ ایسا اثر چھوڑ جاتے ہیں کہ سالہا سال ان کا اثر رہتا ہے۔

دوسری طرف ہمارے معاشرے میں ایسی تباہ کن مسموم رسومات عام ہوتی جارہی ہیں جس سے کسی بھی گھر یا خاندان کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جدید تہذیب کا طوفان، امنڈتا ہوا سیلاب اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہو رہا ہے اور قوم کے ہونہار نوجوان جن کے ہاتھوں آئندہ ملک و ملت کی قیادت آنی ہے۔ تنکوں اور پتوں کی طرح اس سیلاب کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ مغربی تہذیب اپنی پوری خباثتوں، رعنائیوں کے ساتھ پھیلتی اور بڑھتی جارہی ہے۔ فلم کے فحش و عریاں گانے تصویریں ہر سو دیوار پر چسپاں ملیں گی۔ جو اپنے اندر مقناطیسی اثر رکھتی ہیں۔ ہر رسالے اور اخبار پر عریاں تصویریں دعوت نظارگی دے رہی ہیں ہر بچے کی زبان فلمی گانوں اور کہانیوں کی ترجمان نظر آئے گی نوجوانوں کی ہر محفل حسن و جمال کے افسانوں لایعنی گفتگو فلم کی فحش و اخلاق سوز کہانیوں عریاں تصویروں کے تذکرے سے مزین نظر آئے گی۔ عصر حاضر کی اس جدید تہذیب و طرز معاشرت نے نوجوانوں کے اخلاق عادات، سیاست معاشرت، تہذیب و تمدن پر خاطر خواہ اثر ڈالا ہے۔ اگر ایک طرف انھیں معاشرہ میں قبیح سمجھا جاتا ہے تو دوسری طرف ان کا شدید ترین زہریلا اثر نئی نسل کے اخلاق و عادات پر بھی پڑتا جارہا ہے جس سے آنے والی نسل گمراہ ہوتی جارہی ہے۔

جب کسی قوم میں زوال پذیر علامات کا ظہور ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس قوم کے اخلاق میں گراوٹ پیدا ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہی گراوٹ پورے معاشرے کو تباہ کر کے کسی طوفانی سمندر کے کنارے لاکھڑا کر دیتی ہے۔ کسی بھی قوم کی بقا و ترقی کا اولین زینہ اس کے اخلاق قرار دیا ہے۔ اگر اس میں توازن ہے تو وہ قوم ہمیشہ زندہ رہ کر اپنی تاریخ قائم رکھ سکے گی اگر اس قوم کے اخلاق میں انحطاط آچکا ہے تو پھر اس کا حشر یہی ہوتا ہے۔

انما الامم بالاخلاق ما بقیت قومیں زندہ رہتی جب تک ان میں اخلاقی صفت

فان ذهبت اخلاقهم ذهبوا ۔ | زندہ ہو اور اگر ان کے اخلاق ختم ہو جائیں تو وہ خود بھی ختم ہو جاتی ہیں۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات اور دستور العمل بن کر آیا ہے اسلام نے فرائض واحکامات کے علاوہ دیگر باتوں میں سے اچھے معاشرے کی تشکیل کی جو دعوت دی ہے ۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔

گھر سماج کی اولین درسگاہ ہے ۔ یہی وہ پہلی درسگاہ ہے جس سے بچے کو انسان بننے اور ترقی کرنے کا درس ملتا ہے ۔ جہاں سے وہ انسانیت وتہذیب کے بہترین سانچوں میں ڈھل کر انسانیت کا جوہر و پیکر بنتا ہے ۔ اگر یہاں اس کی تربیت اسلامی معاشرے کے مطابق نہ ہوئی تو پھر یہ آگے چل کر پورے خاندان کے لئے مصیبت اور پریشانی کا باعث بن سکتا ہے اور وہ کبھی بھی اپنی رذیل اور کمینہ عادت سے باز نہیں آسکتا اور اس پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول صادق آتا ہے:

"اذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدقوه واذا سمعتم برجل زال عن خلقه فلا تصدقوه فانه سيعود الى ما جبل عليه (الحديث)

اگر تم کسی پہاڑ کے متعلق یہ سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کو صحیح تسلیم کر لینا لیکن اگر کسی شخص کے متعلق یہ سنو کہ اس کی خلقت بدل گئی تو ہرگز اس کو سچ مت ماننا اس لئے کہ انجام کار میں اپنی جبلت کی طرف لوٹ آتا ہے ۔

یہ ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی کہ وہ اپنی اولاد کی صحیح اسلامی معاشرے کے اصولوں کی بنیاد پر اور اس کے پروگرام کے مطابق تعلیم وتربیت کریں تاکہ یہ اچھے مہذب وشہری بن سکیں جن کے ہاتھوں میں قوم کی امامت کی زمام آنی ہے ۔ جس دور میں والدین نے اپنے فرائض وذمہ داریوں کو پہچانا تو ان کی گودوں میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، محمد بن العباس، خالد سیف اللہؓ، سعد ابن وقاص، طارق بن زیاد جیسے مجاہدوں ۔ سرفروشوں ۔ جانبازوں ۔ انسانیت واسلام کے پیکروں نے آنکھیں کھولیں ۔ جن کے کارنامے آج بھی ایک تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اسی کو شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا ہے ۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

لیکن اگر گھریلو سوسائٹی ناکارہ اور گندی ہو اس میں عصبیت اور جہالت کا رنگ ہو اور والدین

اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو نہ پہچانیں تو دنیا شیاطین اور غنڈوں سے بھر سکتی ہے جو دنیا کے امن و سکون کو تباہ کر کے پوری قوم کو تباہی کے گہرے غار میں گرا سکتے ہیں پھر یہ دنیا انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں رہیگی بلکہ مفسدوں اور غارتگروں کا پلیٹ فارم بن جائے گی۔ ایک شریف النفس انسان کا یہاں رہنا دشوار ہو جائے گا تو وہ یہی کرے گا:

الوحدۃ خیر من جلیس سوء والجلیس الصالح خیر من الوحدۃ (الحدیث)

برے انسان کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے اچھے انسان کی صحبت بہتر ہے۔

ایک صالح متمدن و مہذب تعلیم یافتہ معاشرہ انسان کو وہ سب کچھ دے سکتا ہے جو کتابوں کے ذخائر اور رسمی درسگاہوں کی لفظی تعلیم بڑی بڑی یونیورسٹیوں۔ دانش گاہوں سے نہیں مل سکتا' اسی واسطے انسانیت کے مربی و معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سماج کی اصلاح کو انسان کا اہم فریضہ اور اس کی زندگی کا اہم کام قرار دیا ہے۔ اور بڑی شدت و تاکید سے حکم فرمایا ہے کہ جب بھی سماج میں کوئی برائی سر اٹھائے تو اسے فی الفور کچل دیا جائے"۔

من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

تم میں سے جو شخص بھی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اسے بدلنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے بدلنے کے لئے تڑپے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (رواہ مسلم و بخاری)

یہ بالکل تسلیم شدہ بات ہے کہ اگر برائی کی فی الفور روک تھام اور اس کا سدباب نہ کیا جائے تو وہ پورے سماج کو تباہ کر دیتی ہے۔ جب سمندر کی لہروں میں طوفان آتا ہے اور جب تیز و تند ہوائیں چلتی ہیں تو قیامت صغرا بن کر آتی ہیں۔ اور وہ پہاڑوں۔ تنکوں۔ پتوں کو ایک ساتھ اڑا لیجاتے ہیں۔ اسی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص انداز میں اس کو یوں تمثیلاً بیان فرمایا ہے۔

مثل مداھن فی حدود اللہ والواقع فیھا مثل قوم استھموا سفینۃ فصار بعضھم فی اعلاھا.. وبعضھم فی اسفلھا لیمر بالماء علی

حدود اللہ میں مداہنت کرنے والے اور انہیں توڑنے والے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے ایک جہاز کرایہ پر لیا تو کچھ اس کے اوپر کے درجے میں ہو گئے اور کچھ نیچے کے درجہ میں تو نیچے کے درجہ والا پانی لینے اوپر جاتا اور پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گذرتا تو چھینٹ اوپر والوں

الذی فی اعلاها فتاذوا به فاخذ فأسا فجعل ینقر اسفل السفینة فاتوه فقالوا مالك قال قد تأذیتم بی ولابد لی من الماء فان اخذوا علی یدیه انجوه وانجوا انفسهم وان ترکوه اهلکوه واهلکوا انفسهم۔

تکلیف محسوس تو اس نے ایک کلہاڑی لی اور جہاز کے نچلے درجہ میں سوراخ کرنا شروع کر دیا تو اوپر والے آئے انھوں نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ تمہیں میرے آنے جانے سے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے بہر حال پانی چاہیئے تو اگر انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اسے بھی نجات دیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچا لیں گے۔ اور اگر اسے چھوڑ دیا تو اسے بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے کو بھی۔ (رواہ بخاری)

بچہ ماں کے پیٹ سے اس دنیا میں بالکل معصوم اور اپنی اصلی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اب والدین جس رنگ میں اسے چاہیں رنگ سکتے ہیں۔ اگر والدین چاہیں تو آج بھی ان کی گود میں فاروق اعظمؓ صدیق اکبرؓ، حسنؓ و حسینؓ صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ، محمد فاتحؒ، صلاح الدینؒ اور نور الدین زنگی جیسے شاہین پرورش پا سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کی اصل ذمہ داری والدین پر ہے اگر والدین نے اس ذمہ داری کو صحیح معنوں میں نہ ادا کیا تو وہ خالق و مخلوق دونوں کے اس سلسلے میں جواب دہ ہوں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو فرمایا ہے۔

الا کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع وهو مسؤل عن رعیته والرجل راع علی اهل بیته وهو مسؤل عنهم والمرأة راعیة علی بیت زوجها وولده وهی مسؤلة عنهم وکلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته۔ رواه بخاری ومسلم وترمذی۔

خبردار ہو جاؤ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار اور نگراں ہے۔ اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا تو پبلک کا فرماں روا ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کے لوگوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کے بارے میں ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں بازپرس ہوگی تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

انسانی قوموں کی تاریخ میں سماج و معاشرہ کی اہمیت ہر طرح کے فلسفوں، شاعری و ادب کے دفاتر و ذخیروں، سیاست و ثقافت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس حدیث میں انسانی زندگی کا ضابطہ کلیہ بیان فرمایا ہے یہ کسی زمانہ یا کسی خاندان و قوم کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں عمومیت ہے یہ قول آج ملکوں کی پارلیمنٹوں اور ایوان حکومت کے لئے ایک ایسی دفعہ ہے جس کی زد میں آج پوری دنیا یہاں تک کہ ادارہ اقوام متحدہ بھی ہے۔

آج اسلامی قانون اور ضابطے کے بہت سے ایسے گوشے کھل کر سامنے آرہے ہیں جن کی ضرورت عام انسانوں کو شدید ہے۔

آج ہندوستانی مسلمانوں کا بحیثیت مسلمان اور صاحب دعوت ہونے کے اہم فریضہ اور سچی حب الوطنی یہ ہے کہ وہ اپنے سماج کو جدید مغربی جراثیم سے محفوظ رکھیں اور اپنے اسلامی اور اصلی شعار پر اسلامی اصولوں کی بنیاد پر قائم رہیں جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ اس ملک کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں مثلاً ہندو، سکھ، عیسائیوں کے لئے بھی قابل تقلید ہوں۔ جس سے دوسرے لوگ بھی محسوس کریں کہ اس ملک کے لئے اسلام اور مسلمان اور ان کا سماج کس قدر مفید اور کار آمد ثابت ہو سکتا ہے ؎

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر (اقبال)

نوٹ: مضمون میں جامعیت کی تشنگی باقی ہے تاہم حوصلہ افزائی کے لئے پیش نظر شامل شمارہ کیا گیا ہے۔

اعتذار

سابقہ شمارے میں عہد نبوی کا تحریری سرمایہ کے عنوان سے فاضل مصنف کا نام کاتب صاحب کی غلطی سے عبدالماجد تحریر کر دیا گیا تھا۔ براہ کرم جملہ حضرت ذہن نشین فرمالیں۔ فاضل مصنف کا صحیح نام درج ذیل ہے۔

مولانا ماجد علی خاں۔ فاضل دارالعلوم میرٹھ
ایم۔ اے (تھیولوجی سنی) پی ایچ ڈی علیگ
استاد شعبہ اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ڈاکٹر مولانا رشید الوحیدی صاحب فاضل دیوبند و ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی
استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، نئی دلی

اسلام میں عورت کا مقام اور اس کی ذمّہ داری

سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ محترم ظل الرحمٰن صاحب ہر دوسرے ماہ جب تعلق، دوستی اور خلوص کا رعب جماتے ہوئے جامعہ میرے پاس تشریف لاتے ہیں اور مضمون کا مطالبہ تحکمانہ انداز میں کرنے لگتے ہیں تو موضوع پہلے سے طے شدہ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، یہ عمدہ بات اس لئے ہے کہ مجھے موضوع متعین کرنے میں وقت نہیں لگانا پڑتا اگرچہ ان کے اس اقدام سے میں ایک خاص عنوان میں مقید ہو جاتا ہوں مگر اب اس کا کیا کروں کہ مضمون لکھنے پر بھی تو مجبور ہونا پڑتا ہے تو تھوڑی سی عنوان کی قید بھی سہی ہاں ایک مزہ اس وقت آتا ہے جب "صدائے حجاز" نالۂ جرس کارواں بن کر ہاتھ میں آتا ہے اور اس میں چھپے ہوئے اپنے مضمون کا ہر نقش کاتب صاحب کی شوخیٔ تحریر کا فریادی ہوتا ہے۔ تو صاحب اس بار بھی مولانا رحمٰن صاحب ایک عنوان دے گئے "اسلامی معاشرے میں عورت کی ذمہ داریاں"

ے ہائے بے چارے کے اعصاب پر عورت ہے سوار

اس سے قبل کہ ہم بے چاری عورت کو ذمہ داریوں میں گھسیٹ لیں اسلام میں اس کا مقام، بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے "دوسرے مذاہب اور تہذیب میں عورت کا درجہ" بتا دیں اور اسی وقت اس جنس پر اسلام کی رحمتوں اور برکتوں کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

بہت زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے نہ یہ خاص پہلو اس موضوع سے اتنا زیادہ متعلق ہے کہ اس پر سیر حاصل گفتگو کی جائے مختصراً اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ تہذیب و تمدن کے ٹھیکیداروں نے خدا کی اس مخلوق کا کیا حال کر رکھا تھا یونان میں: عقل و دانش حکمت و فلسفے ریاست و سیاست کے ٹھیکیدار جذبات انسانی اور احساسات بشری سے کس قدر عاری تھے۔ سنئے ارسطو کا خیال تھا اسپارٹا کے زوال کا سبب عورت ہے، سقراط کہتا تھا عورت فساد کی جڑ ہے، افلاطون کا نظریہ تھا برے لوگ مر کر عورت بن جاتے ہیں۔

عام طور پر یونان میں عورت "شیطان کی بیٹی" "ناپاکی کا مجسمہ" آگ اور زہر اور سانپ سے زیادہ مہلک تھی
روم، جی ہاں روم، دنیا کو پہلا قانون اور تہذیب کا نام نہاد سبق دینے والا روم، عورت کو اس کا مقام نہ دے سکا حمورابی کے قانون میں عورت کو کیا کہا گیا "ایک بے زبان ملکیت" رومی کہتے تھے عورت ایک غلام ہے اور ایسا غلام جس کی بیڑی ہر وقت اس کے پیر میں پڑی رہنی چاہئے۔

یہودیت میں عورت گناہ کا سرچشمہ، نوکر سے بدتر ایک مخلوق، شیطان کا دروازہ، ازلی مجرم، کبھی نہ معاف ہونے والی قابل گردن زدنی خطاکار، عبادت الٰہی سے محروم، وہ مرد کی خدمت کے لئے بشکل انسانی ایک حیوان ہے۔

عیسائیت میں، شیطانی مخلوق، بے روح جسم جس کو بقول ڈاکٹر اسپرنگ انگلستان میں ۹۰ لاکھ کی تعداد میں زندہ جلایا گیا۔

جاہلی عرب میں، عورت باعث ننگ و عار، باعث شرم و احتقار، ایک بے جان جائداد جس پر جس کا جی چاہے قبضہ کرلے، ایسی ذلیل چیز کہ پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردی جائے اور اگر کسی طرح بچ جائے تو کوئی حرج نہیں جوان حسین و جمیل بیٹی کو زندہ دفن کردیا جائے اس جرم پر کہ وہ عورت ہے آہ وہ دن قریب ہے جب اللہ پاک سوال کرے گا (تم کو کس جرم پر قتل کیا گیا تھا) (قرآن) اس وقت کیا اس بدنصیب جاہل قوم کا یہی جواب ہوگا "کیونکہ تو عورت تھی ۔؟"

اس بہت مختصر مگر صحیح تصویر کشی کے مقابلے میں اسلام اور اسلامی معاشرے عورت کے مقام و مرتبے اور اس کو دیئے گئے حقوق کا جائزہ لیجئے، اسلام نے اس پسی ہوئی مخلوق کو بلند درجہ دیا۔ اور نہ صرف زندگی کے بلکہ زندگی میں تمام رعایتوں، آسائیوں اور حقوق کے لئے ان کے حصے مقرر فرمائے "و لهن مثل الذی علیهن بالمعروف" اور عورتوں کے لئے وہی حقوق ہیں جیسا دستور میں مردوں کے حقوق۔

سماج میں وہ ساری خوبیاں جن کے حقدار مرد صرف اپنے آپ کو سمجھتے تھے اسلام نے عورت کو بھی عطا کردیئے، تعلیم، میراث، تقویٰ، ملکیت اور دوسرے تمام حقوق کا صرف حصے دار ہی نہیں بنایا بلکہ ان میں سے کسی چیز کی کوتاہی کو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا سبب بھی بتایا ہے۔

بچپن سے لے کر موت تک پوری زندگی کے لئے عورت کی عزت، حرمت اور خدمت پر انعام الٰہی اور اخروی کامیابی پر ترغیب دی، لڑکوں کی پرورش کے مقابلے میں بچی کی پرورش کو باعث خیر اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بتایا۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، چشم پوشی اور درگذر

کی تعلیم دی گئی، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو خوشبو کے ساتھ ذکر کر کے ان سے تعلق اور محبت کا اظہار فرمایا، عورت کو شیشے کی طرح نازک فرما کر ان شیشوں کو ٹھیس لگنے سے روک دیا

"حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء رویدك یا انجشہ رفقًا بالقواریر" (مجھے خوشبو اور عورت پسند کرائی گئیں۔ انجشہ ذرا آہستہ چلو اونٹوں کو آہستہ ہانکو یہ آبگینے ہیں، اونٹوں پر عورتیں تھیں)

عورتوں کو مردوں کا غلام، شیطان کی مخلوق، زہر، سانپ، بچھو سمجھنے والی تہذیبوں اور مذاہب کے مقابلے میں سرکار دوعالم کا یہ فرمان بھی دیکھتے چلئے۔

انما النساء شقائق الرجال ؎ عورتیں مردوں کی بہنیں اور دوسرا حصہ ہیں۔

باپ یا شوہر کے مرنے کے بعد وراثت کا تو سوال کیا تھا؟ ایک ناقابل استعمال سامان سمجھ کر عورت کی زندگی کو برباد کر دیا جاتا تھا یہ اسلام ہی تھا جس نے انھیں میراث میں حق دلوایا بیوی کے بعد شادی کا حق دیا اہل علم جانتے ہیں کہ لڑکیوں اور عورتوں کو اسلام نے نہ صرف فروض میں داخل کیا بلکہ عصبات میں لڑکوں کے ساتھ ملا کر ان کا حصہ بہت زیادہ کر دیا غرض اسلام نے جو انقلاب خدا کی اس مخلوق کے حقوق و فرائض میں پیدا کر دیئے وہ جہلاء عرب اور قدیم تہذیبیں تو کیا، عروج و ترقی کے اس دور میں انیسویں صدی قبل کے یورپین بھی اس سے ناآشنا ہی تھے۔

اسلام نے عورت کو ان حقوق کے ساتھ زندگی گذارنے اور سماج میں زندہ رہنے کا سلیقہ بھی عطا کیا جس کے بعد ہمیشہ کے لئے ان کی حیثیت اور عزت محفوظ ہو گئی، قاعدہ ہے ہر نسخے کا اثر نسخے کے صحیح استعمال سے اور اس کے خلاف تمام مضر چیزوں سے پرہیز کے بعد ہوتا ہے ضابطہ اور اصول کتنا ہی جاذب نظر، عمدہ اور مفید ہو، جب تک اس کو برتا نہ جائے، عمل میں نہ لایا جائے، اس کی برکتیں ظہور میں نہیں آئیں، اسلام نے عام طور پر انسانی زندگی کے لئے اور خصوصیت سے عورتوں کے لئے جو نظامہائے حیات مقرر کر دیئے ہیں، مہد سے لحد تک تمام گوشوں کے لئے جو طریقہ اور جو سبق دیا ہے اس کو اپنائے بغیر کیسے ممکن ہے کہ زندگی اور یہ کائنات اس خیر و برکت امن و سکون صلاح و فلاح سے بھر جائے کی جس کی ضمانت قرآن پاک میں دی گئی ہے۔

یوں تو پوری کائنات کا اس پہلو سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اللہ کا سبق کیا تھا اور اس سبق کو پڑھنے، عمل کرنے پر کتنے انعامات کا وعدہ کیا تھا اور ہم کہاں جا رہے ہیں۔ مگر آج کے موضوع کو ہم خواتین امت کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔

قانونِ فطرت کے مطابق پرسکون اور امن وچین کی زندگی گذارنے کے لئے ضروری تھا ہے کہ خدا نے عورت اور مرد کو دونوں کی جبلت اور فطرت کے مطابق جس قسم کی صلاحیتیں عطا کی ہیں ان کو اپنی اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے کام لیا جائے۔ یہ بدیہی بات ہے کہ خدائی اندازے کے مطابق تقسیم کار کا جو اصول مقرر ہے اگر اس کو توڑ کر کاروبارِ حیات کو چلانے کی کوشش کی جائے گی تو اس کے نتیجے میں وہی تمام بے عنوانیاں، انتشار اور خسران اور ناکامی جنم لے گی جو آج بیسویں صدی میں کیا یوروپ و افریقہ، اس روئے زمین کے چپّے چپّے پر نظر آرہی ہے۔

غور کیجئے سوسائٹی اور سماج جن افراد سے ترکیب پاتی ہے، بنتی ہے، سنورتی ہے ان افراد کی اچھائی اور برائی کا اثر بھی سوسائٹی پر پڑتا ہے۔ یا یوں کہئے جس قسم کے افراد ہوں گے ویسا ہی سماج تشکیل پائے گا اور افراد کی تربیت وسیرت سازی کا فطری عمل بچپن کے دور سے شروع ہوتا ہے جب کہ دل و دماغ موم کی طرح نرم ہوتے ہیں اچھائی یا برائی جس قسم کے سانچے میں اس کو ڈھال دیا جائے وہ آئندہ سیرت سازی اور شخصیت کی تعمیر کا بنیادی ڈھانچہ ہوتا ہے پھر اسی انداز پر ساری زندگی کے نقوش وخطوط ترتیب پاتے چلے جاتے ہیں ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اور تربیت و سنبھالے کے اس اسٹیج پر سب سے بڑی ذمہ داری ماں کی ہوتی ہے ماں کی گود ہی بچے کا پہلا اسکول ہے ماں نے اگر اعلیٰ شریفانہ، سنجیدہ نقوش ذہن پر مرتسم کئے ہیں دین و مذہب سے محبت سکھائی خدا پرستی، خدمتِ مخلوق، وطن اور ابنائے وطن سے وفاداری، دیانت، سخاوت بلند نگاہی غرض اعلیٰ اخلاق کی ذہن پر چھاپ چھوڑ رہی ہے تو یہی بچہ اور اسی قسم کے سیکڑوں بچے آئندہ جس قسم کا سماج بنائیں گے سوچئے تو کس قدر رحمتوں اور برکتوں سے بھرپور سماج ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلی ذمہ داری عورت پر یہ عائد ہوتی ہے کہ اللہ کی زمین پر امن وسلامتی اور خدا کے نیک بندوں کی بستی بسانے کے لئے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت میں پوری طرح توجہ دے اور اس سے پہلے کہ ایک انسان کی شخصیت وسیرت کا عمدہ سانچہ تیار کرے ضروری ہے کہ خود بھی اخلاق و اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہو۔

اور اگر عورت اسلام اور قرآن کے ان احسانات کو فراموش کردے جو اس نے عورت کو پستی ذلت ونکبت کی گہرائیوں سے نکال کر بلندی پر پہنچا کر بخشا ہے تو یہ اس کی طرف سے محسن کی

ناشکری بھی ہو گی اور روئے زمین پر جس قسم کا نظام اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے اس میں خلل واقع ہو گا، غور فرمائیے اگر تربیت اولاد کا حق پورا پورا ماں ادا نہ کرے اس کو خدا کا حکم سمجھ کر اس کی ہدایت و مرضی کے مطابق پورا نہ کرے تو پوری انسانی برادری بد اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ کوتاہیوں سے بھر جائے گی اس کے نتیجے میں جیسی اخلاقی برائیاں جنم لیں گی اس کی ساری ذمہ داری رجیسا کہ میں نے عرض کیا) بچپن کی مجرمانہ اور مغفلانہ تربیت کا نتیجہ ہو گی لہذا ضروری ہوا کہ ایک مسلمان عورت تربیت اولاد میں جہاں اپنی ماتا کے تقاضے سے افطری محبت سے مجبور ہو کر لگ جائے، وہیں اللہ ورسول اور بچے کو دین کے ایک سپاہی، اچھے خادم اور دیندار امتی بنانے کے لئے وقت دیتی رہے۔

عورت گھر کی مالک ہے، حاکم ہے، اپنے شوہر کے گھر کی محافظ، گھر کی تمام چیزوں تمام اثاثے منتظم اور نگراں اور اپنی عفت و پاک دامنی کی امین ہے۔ سرکار کا فرمان ہے:

المرأة راعية على بيت زوجها۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے

اور اس نسبت سے وہ تمام ذمہ داریوں کی جواب دہ ہے، جواب دہی کسی چیز کے فنا ہونے یا گم ہونے اور برباد ہونے پر بھی ہوتی ہے اور جو فرض یا جو کام کسی سونپا جائے اس کے پورا نہ ہونے پر بھی جواب دہی ہو سکتی ہے اس حیثیت سے عورت اگر اپنے دائرۂ عمل اور اپنی "مملکت" سے بے نیاز ہو کر دنیا جہاں کے معاملات میں دخل اندازی شروع کر دے گی تو ممکن ہے خود اس کے وقتی جذبہ کو تسکین مل جائے اور ہوس پرست مردوں کو اس چراغ خانہ کو شمع محفل بنا کر تھوڑی دیر کے لئے ذہنی تعیش حاصل ہو جائے مگر قدرت و فطرت کے خلاف اس قدم کو اٹھانے کے بعد نہ مرد کو دائمی سکون حاصل ہو گا نہ عورت کا وقار و عزت باقی رہ جائے گی۔ اس نے شوہر کا گھر بھی برباد کر دیا اور جو ذمہ داری ایک اچھی بیوی، اچھی ماں ہونے کے ناتے اس پر عائد ہوتی تھی اسے بھی پورا نہیں کیا۔ قرآن تو ہمیں بتا رہا ہے:

فالصّٰلحٰت قانتاتٌ حافظات للغيب بما حفظ الله۔	صالح بیویاں شوہروں کی اطاعت گذار اور اللہ کے فضل و توفیق سے شوہروں کی غیر موجودگی میں ان کے ناموس کی محافظ ہیں۔

قرآن نے تو صاف صاف ہدایت کر دی ہے کہ مسلمان عورتیں گھر میں رہیں شرافت حیا و عفت کی محافظ بن کر رہیں ان کا اصل مقام یہی ہے۔ خدا اور رسول کی رضا بھی اسی میں ہے اور اگر ضرورت پڑے تو باہر یا ضرورت کی جگہ پر جانے کی اجازت ہے مگر یہ اجازت کن شرائط کے ساتھ مشروط ہے

اگر ان کو دیکھا جائے تو اول تو آج کی عورتیں ان شرطوں کے بعد نکلنا پسند نہیں کریں گی اور اگر نکل بھی جائیں تو غالب گمان یہ ہے کہ کوئی فتنہ جنم نہ لے سکے گا ان قیود اور شرطوں کا بیان ہم آگے کریں گے فی الحال یہ سن لیں قرآن کا حکم ہے:

وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ؛ — اپنے گھر میں ٹھہرو جاہلیت اولیٰ کے انداز پر مت چلو۔

گھریلو نظام کی ضمانت اور استحکام اور اس کے نتیجے میں مردوں، بچوں کو ملنے والا سکون یہ وہ دولت ہے جو عورت کو پوری طرح گھر پر توجہ دینے کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ دن بھر کام کرنے کے بعد تھکا ہارا شوہر گھر پر آرام اور آرام سے زیادہ شریک حیات کی سکون بخش منتظر نگاہوں کا متلاشی پہونچتا ہے، بیگم صاحبہ بازار، دفتر تشریف لے گئی ہیں سوچئے اس پر کیا گذرے گی۔ آپ اس بات کا لاکھ انکار کریں مگر وہ قلبی سکون میسر آ ہی نہیں سکتا جو گھر کی منتظم اور گھر کی مالکہ کی سرپرستی میں ممکن ہوا کرتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جان پر بیت جائے کتنا ہی بڑا نقصان ہو جائے مگر عورت گھر سے باہر قدم ہی نہیں رکھ سکتی نہ یہ شریعت کا منشا ہے نہ اسلام کی تعلیم نہ صحیح باخبر مسلمان کا عمل آخر حدیث اجازت دیدی ہے؛

قد اذن اللہ لکن ان تخرجن لحوائجکن؛ — "اللہ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو۔"

مگر یہ محض ضرورت اور مصلحت کے لئے رخصت دی گئی ہے اس کو بہانہ بنا کر جلوہ نمائی، فیشن کے اظہار اور سڑکوں پر عریاں پھرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی اسی کو "تبرّج جاہلیہ" سے قرآن نے تعبیر فرمایا ہے یعنی جاہلیت کا وہ تمام غلط انداز، عریانیت، فحاشی، خودنمائی وغیرہ اس ایک لفظ میں آجاتا ہے اور اسلام نے اس سے روک دیا ہے۔

اسلام کے ابر رحمت میں پلی بڑھی خاتون حیاء و شرم، عفت و پاکدامنی، شرافت و نسوانیت کا ایسا نمونہ ہو جس پر اسلام کو بھی فخر ہو۔ قرآن نے جو ضابطہ عفت و پاکدامنی کا بتایا ہے وہ موٹی سے موٹی عقل کے لئے قابل قبول ہے۔ فتنے جنم لیتے ہیں مرد و زن کے بے حجابانہ اختلاط سے اور اسلام کی حکیمانہ بالغ نظری نے ان تمام مدارج کا جائزہ لیا کہ کس طرح پہلے نظر ملتی ہے، نگاہوں میں نامہ و پیام چلتا ہے پھر بات آگے بڑھتی ہے اس لئے پہلی نگاہ پر لگا دی۔

"اے نبی مومن عورتوں سے کہدو اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو"

حسن کی نمائش کے لئے باہر نکل کر طرح طرح کے بناؤ سنگار اور ناز و انداز سے نسوانیت اور شرم وحیا کو مجروح کرنا اسلام اور انسانیت اعلیٰ دونوں کے مزاج کے خلاف ہے

نگاہ کے بعد دوسرا درجہ زبان کا ہے عشق و محبت کی ساری داستان سرائی عشوہ کی ساری حکایات اس زبان سے وجود پذیر ہو کر فتنے کا سبب بن جاتی ہیں قرآن نے اس کے آداب و احکام بھی بتا دیئے

"اگر تمہارے دل پر خدا کا خوف ہے تو نرم اور ہلکی آواز میں بات نہ کرو"

مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کا خوف، اس کے رسول کے فرمان کا پاس ہے دل میں شرم و حیا کا جذبہ نگاہ میں عفت و عصمت کا پانی ہے تو سیدھی صاف طرح سے ضرورت کی بات کرو تاکہ تمہارے بارے میں کسی کو برائی پر جرارت نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب تم کو اپنے اصلی مقام، اصلی پناہ گاہ، اپنی اصلی مملکت جس کو قرآن نے "وقرن فی بیوتکن" کہا ہے وہاں سے کسی سخت اور ناگزیر ضرورت کے لئے باہر نکلنا پڑا ہے تو ان شرطوں کے ساتھ نکلو ورنہ بہتر یہی ہے کہ لایبدین زینتھن اپنی زینت و آرائش کو ظاہر کرتی نہ پھرو حتیٰ کہ ایسے زیور بھی پہن کر نہ نکلو جس سے خواہ مخواہ مردوں کی نگاہ اور ان کی توجہ تمہاری طرف منعطف ہو۔

آج تباہی اور پورے سماج کی بربادی کا بڑا سبب یہی ہے کہ یہ سارے الٰہی قانون اور پاکیزگی و پاکدامنی کا یہ سارا سبق عملی زندگی سے دور ہے، بہن بیٹی جو خاندان اور گھر کی عزت تھی آج سڑکوں، بسوں، اسکولوں میں بے قدر و آوارہ ہے یوروپ اور یوروپ زدہ مسلمان جو اس قیمتی جوہر کو محفوظ خانوں سے شارع عام پر لائے ہیں وہ خود اس وقت حیرت زدہ اور پریشان ہیں کہ ان تمام فتنوں کو کیسے روکا جائے جو عورت کی بے حجابی اور بے پردہ ہو کر نکل آنے سے پیدا ہو گئے ہیں ذرا غور فرمایئے صحابیہ عورتوں سے ماکر عام مسلمانوں میں کتنی شہرت کی عورتیں گذرتی ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ، فاطمہ زہرہؓ، رابعہ بصریہؒ حضرت سکینہ بنت حسین، خیرزان زوجہ مہاری، زبیدہ ہارون الرشید، بوران مامون کی بیوی، معتضد کی دُرّۃ اور ذرا پیچھے آیئے مہر النسا، رضیہ موجودہ صدی کی مشہور مفکرہ فاضلہ ادیب خانم ہر ایک کی زندگی کا غور سے مطالعہ کیجئے اور موجودہ ہندستان کے دو مرحوم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین اور فخر الدین علی احمد کی بیویوں کی زندگی کا حال معلوم کیجئے۔ تمام علمی، تقوی اور ریاست و حکومت کی شہرت حاصل کرنے کے باوجود ان خواتین نے اپنی عزت و شرافت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے گھر کی ذمہ داریاں شوہر کی اطاعت اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا سب سے بڑھ کر ایک عورت

کے لئے ضروری یہی امر ہے کہ سماج میں اس کو جو مقام عطا ہوا ہے اس کے مطابق اپنے فرائض کو پورا کرے
عورت کو اسلام نے اور پیغمبر اسلام نے جس طرح شرم وحیا کی تعلیم دی تھی اسی لئے تھی کہ سوسائٹی
میں فواحشات و منکرات کا سد باب ہوجائے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام خطا و جرم عورت ہی
کرتی ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ مردوں کو اس قسم کی بے حیائی کا موقع تب ہی ملتا ہے جب یہ صنف
بے حجاب ہو کر باہر نکل آتی ہے اور کس طرح کہ سارا بدن عریاں، بے شرمی کا نمونہ۔ دیکھئے اسلام کا کیا حکم ہے
اس سلسلے میں، اگر ان قیود کے ساتھ عورت باہر آنا چاہتی ہے اور تیار ہے تو بسم اللہ ہم نہیں روکتے مگر
ان قیود کے بعد باہر آنے کا آج کل جو مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل اسی صورت میں ہے
جب مجبوراً باہر نکلنا ہی پڑے۔ حضور نے فرمایا:

"جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر (یعنی سزا دینے والے پر اور سزا کے دن پر) یقین رکھتی ہے
اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کلائی کے نصف حصے سے اوپر ہاتھ کھولے"

دوسری روایت سنئے:

"جب عورت بالغ ہوجاتی تو اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہئے سوائے منہ اور کلائی کے جوڑ کے"
حضرت اسماء (حضور کی سالی) ایک بار ایسا لباس پہن کر آپ کے سامنے آئیں جس سے بدن
جھلک رہا تھا آپ نے فوراً منہ پھیر لیا۔ یعنی ناگواری کا اظہار فرمایا۔
حفصہؓ ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس باریک دوپٹہ اوڑھ کر آگئیں حضرت عائشہؓ نے چھین کر
پھینک دیا اور موٹی چادر اڑھادی۔
حضورؐ نے فرمایا "لعن اللہ الکاسیات العاریات" اللہ تعالیٰ کی لعنت ان عورتوں پر جو لباس
پہن کر ننگی رہیں۔
اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے اپنی عورتوں کو جسم پر بالکل چست کپڑے نہ پہناؤ۔ دیکھئے یہ دونوں تاکید
ایک حضور کی دوسری حضرت عمرؓ کی آج کل کے لباس، کپڑے اور کٹنگ پر کس قدر حکیمانہ و مدبرانہ ممانعت
ہے گویا آج ہی کا حال دیکھ کر منع کیا جا رہا ہے۔ مضمون کو مختصر کرنے کے لئے عورت کی حفاظت و شرافت
کے سلسلے میں بلا تبصرہ اور کچھ ہدایات سن لیں اور اسی روشنی میں جائزہ لیں اسلام میں عورت کی کیا
ذمہ داری ہے۔ اس کا کیا مقام ہے اور وہ کہاں چلی جا رہی ہے اور اس انحراف کی وجہ سے دین و دنیا
کس قدر برباد ہو رہی ہے۔
گھر میں حفاظت سے بیٹھ جانے کے لئے ایک تو قرآن کا حکم ہے "اپنے گھر میں قرار پکڑو" نہ

حضور نے فرمایا:

اے ایمان والو دوسروں کے گھر میں بلا اجازت داخل مت ہو اکرو۔ یہ قرآن کا پیغام بھی ہے اور یہ حکم کہ جب اذا بلغ الاطفال منکم الحلم جب لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب فتنے کا امکان شروع ہو گیا ہے اب پردے کا حکم دیدیا گیا ہے۔

اور اذا سألتموهن جب عورتوں سے کچھ مانگو۔ تو کس طرح من وراء الحجاب پردے کے پیچھے سے حضورؐ نے فرمایا جس نے کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوا جس سے اس کا جائز تعلق نہ ہو اس کی ہتھیلی پر قیامت میں انگارا رکھا جائے گا۔

اس موضوع پر ضخیم ضخیم کتابیں اور سب سے بڑھ کر خود قرآن واحادیث کا خزانہ موجود ہے جہاں سے سارے قوانین وآداب معلوم کئے جا سکتے ہیں ان میں سے مشتے نمونہ کے طور پر حاضر ہے۔

ختم شد

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

- وقت ہی اصل دولت ہے۔
- جس نے وقت کو ضائع کر دیا، اُس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔
- زندگی کا ہر لمحہ اپنے ساتھ ایک فرض لاتا ہے۔ یہ لمحہ ضائع ہو جائے تو اس فرض کی ادائیگی کا وقت پھر کبھی نہیں آتا۔
- آنے والے لمحات اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ساتھ لاتے ہیں۔
- جو لمحہ گیا وہ ہمیشہ کے لیے گیا۔
- گزرے ہوئے وقت کی تلافی کے لیے کسی موجود فرض یا ذمہ داری کو ضرور نظر انداز کرنا پڑے گا۔

آزاد رحمانی صاحب

فاروق اعظم کی معاملہ فہمی اور فراست

اللہ تعالٰی نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عاقبت بینی، معاملہ فہمی اور انجام رسی کی ایسی بے پناہ قوت عطا فرمائی تھی کہ آپ کی رائے کے موافق متعدد معاملات میں آسمان سے وحی نازل کی گئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے دینی امور میں آپ کی رائے کی تصویب فرمائی۔ فہم و فراست اور تدبر و بصیرت کے اس امام کے کچھ واقعات ہم یہاں پیش کر رہے ہیں تاکہ ناظرین ان کی دقت نظری اور صحیح فراست کا اندازہ لگا سکیں اور انھیں اس بات کے سمجھنے میں آسانی ہو کہ اللہ تعالٰی نے کیسے کیسے ارباب فضل و کمال اور یگانہ روزگار اصحاب کو اپنے رسول کی خدمت میں جمع فرمایا تھا!

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں کافروں کے کچھ لوگ گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خاندان اور قبیلہ کے اعتبار سے یہ لوگ کوئی غیر نہیں ہیں بلکہ یہ بھی اپنے ہی بھائی بند ہیں اگر ان سے کچھ مال لے کر انھیں رہا کر دیا جائے تو یہ مال مشرکین کے خلاف ہمارے پاس ایک نئی قوت ہو گا جس سے ہم ان کے خلاف لڑائی کی تیاری کر سکیں گے۔ ان کے رہا کرنے میں دوسری مصلحت یہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی انھیں اسلام لانے کی توفیق بخشے اور آئندہ یہی لوگ اسلام کے لئے قوت اور ہمارے دست و بازو بنیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی یہ رائے سن کر آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور پوچھا کہ عمر بن خطاب! ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ اس پر میں نے جواب دیا کہ میری رائے وہ نہیں ہے جو ابوبکر کی ہے۔ یہی لوگ تو کفر کے امام اور مشرکین کے سربرآوردہ اور منتخب لوگ ہیں آپ اجازت دیجئے کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ اس معاملہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی اور میری رائے پسند نہیں آئی اور ان قیدیوں کے بارے میں آپ نے فدیہ اور تاوان جنگ لینے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دوسرے دن خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے قریب جا کر عرض کیا۔ اے اللہ کے نبی! وہ بات مجھے بھی بتایئے جس کی وجہ سے آپ اور آپ کے ساتھی رو رہے ہیں اگر مجھے بھی رونا آیا تو میں آپ دونوں صاحبان کا ساتھ دوں گا ورنہ کم از کم اپنی شکل رونیوالوں جیسی بنالوں گا یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قریب کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں کی خاطر میرے سامنے ایک عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

کہ "ما کان لنبیّ ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاٰخرۃ واللہ عزیز حکیم لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ۔ پ۱۰	نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ نبی زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلیں تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والا ہے اگر خدا کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی

۲۔ بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی وفات ہوئی تو اس کے لڑکے عبداللہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنے باپ کو آنحضور علیہ السلام کے کرتے میں کفنانے کے لئے آپ سے آپ کا کرتا طلب کیا۔ آپ نے اپنا کرتا انھیں دیدیا۔ پھر انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کی نماز جنازہ بھی آپ پڑھادیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑلیا اور کہنے لگے کہ کیا آپ ایک منافق کا جنازہ پڑھیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمادیا ہے؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

استغفر لہم اولا تستغفر لہم ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم، پ۱۰ ۔	آپ خواہ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو نہ بخشے گا۔

میں اس کے حق میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر نے کہا کہ وہ منافق ہے۔ اس کے بعد بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ

ولا تصل علیٰ احد منہم مات	اور ان میں کوئی مرجائے تو اس پر کبھی نماز جنازہ

ابدًا ولا تقم على قبره، پ۱۰　　　　نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوجیئے۔

۳۔ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات راتوں کو رفع ضرورت کے لئے ایک کشادہ میدان میں جایا کرتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر اصرار کرتے رہتے کہ آپ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دیجئے لیکن آپ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ ایک رات کو عشا کے وقت حضرت سودہ بنت زمعہ (جو حرم نبوی میں داخل تھیں باہر نکلیں تو حضرت عمر نے ان کو پہچان لیا کیونکہ وہ طویل القامت عورت تھیں۔ اپنی جگہ سے پکار کر انھوں نے کہا کہ، انا قد عرفناك يا سودة (اے سودہ! ہم نے تجھے پہچان لیا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا صرف اس لالچ سے کیا تھا کہ ہوسکتا ہے اسی طرح حجاب کا حکم نازل ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد حجاب کی آیت نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری ہی کی ایک دوسری روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد بھی تمہیں رفع حاجت کے لئے نکلنے کی اجازت ہے۔

۴۔ بخاری اور مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین باتوں میں میں نے اپنے رب کی یا میرے رب نے میری موافقت کی (۱) میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسول اگر آپ مقام ابراہیم کو مصلیٰ قرار دے لیں تو بہت بہتر ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی کہ:

واتخذوا من مقام ابراهيم مصلًّى، پ۱/۱۵　　　　اور مقام ابراہیم کو کبھی کبھی نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔

(۲) میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کے پاس اچھے اور برے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اس لئے اگر آپ اپنی ازواج کو پردے کا حکم دیں تو اچھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرمائی (۳) مجھ کو امہات المومنین کے عتاب اور سرزنش کے بارے میں معلوم ہوا تو میں نے امہات المومنین سے کہا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے باز آجانا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے آپ کے لئے تم سے بہتر بیویوں کا انتظام فرمادے گا یہاں تک کہ جب میں بعض ازواج رسول صلعم کے پاس گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی بیویوں کو نصیحت نہیں کرتے مگر تم ان کے معاملہ میں دخل دیتے ہو اور ان کو نصیحت کرتے ہو! اس بات سے میں ان کے بارے میں کچھ کہنے سے باز آگیا لیکن اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

عسى ربه ان طلقكن ان يبدله　　　　اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار

ازواجاً خیرا منکن الآیۃ ، پ۲۸/۱۹ — بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دیدیگا

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار باتوں میں میں اپنے رب کی موافقت کی (۱) مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کے بارے میں (۲) ازواج مطہرات کو پردے کا حکم دینے کے بارے میں (۳) اس بات میں کہ اگر ازواج مطہرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نان نفقہ کے سلسلہ میں پریشان کرنے سے باز نہ رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں آنحضور کو ان سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا (۴) اور اس بارے میں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشانٰہ خلقا اٰخر۔ پ۱۸ .

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ ان آیتوں کے بعد میں نے کہا کہ،

فتبارک اللہ احسن الخالقین ، پ۱۸ — سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بہتر ہے

ایک روایت میں ہے کہ یہ جملہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! تم قرآن میں زیادتی کروگے؟ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام اس آیت (فتبارک اللہ الخ) کو لے کر نازل ہوئے اور فرمایا کہ اوپر کی آیتوں کی تکمیل اسی آیت پر ہوتی ہے۔

۶۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف (افک۔ بہتان) کا طوفان اٹھا تو انصار کے ایک آدمی بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ فاروق اعظم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول حضرت عائشہ سے آپ کی شادی کس نے کرائی تھی؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ حضرت عمر نے کہا کہ کیا آپ خیال فرماتے ہیں کہ آپ کے رب نے عائشہ کے معاملہ کو چھپایا؟ معاذ اللہ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

اس کے بعد آسمان سے وحی نازل ہوئی جس سے حضرت عمر کے مشورہ کی تائید ہوتی تھی یعنی

اللہ نے فرمایا کہ:

ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھٰذا سبحانک ھٰذا بھتان عظیم۔ پ۱۸۔

اور تم نے جب اس کو سنا تھا تو کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذاللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میں تمہیں اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تمہیں تورات کے اندر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ملتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں، فاروق اعظم نے کہا کہ پھر تم آنحضور کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پیغمبر، نبی اور رسول کو بھیجتا ہے تو کوئی نہ کوئی فرشتہ بھی اس کا کفیل اور معاون ہوا کرتا ہے، فرشتوں میں سے حضرت جبرئیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل اور معاون ہیں جو آپ کے پاس وحی لے کر آتے رہتے ہیں اور یہ جبرئیل ہمارے دشمن ہیں البتہ میکائیل سے ہماری دوستی اور مصالحت ہے اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر وہ آتے تو ہم ضرور آپ کی اتباع کرتے

یہ سن کر عمر فاروقؓ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ نہ تو میکائیل کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جبرئیل کے دوستوں سے دشمنی برتیں اور نہ جبرئیل کے لئے یہ بات ممکن ہے وہ میکائیل کے دشمنوں سے دوستی اختیار کریں۔ اتنے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو یہودیوں نے عمر فاروق سے کہا کہ اے ابن خطاب آپ کے ساتھی یہ ہیں یہ سن کر عمر فاروق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو آپ پر یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔

قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشریٰ للمومنین من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکٰل فان اللہ عدو للکافرین

پ۱/۱ ۔

آپ ان سے کہئے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے سو انھوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے اس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی (سماوی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو جو کوئی شخص خدائے تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا ہو اور پیغمبروں کا ہو اور جبرئیل کا ہو اور میکائیل کا ہو تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔

۸- ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور محب طبری نے بھی اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شراب کی حرمت کے بارے میں برابر فکر مند رہا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ:

اللّٰھم بین لنا فی الخمر وانھا تذھب المال والعقل	اے اللہ شراب کی حیثیت کے بارے میں ہمارے واسطے بیان نازل فرما اس لئے کہ یہ چیز مال کی بربادی کا سبب بھی ہے اور عقل کی بربادی کا سبب بھی۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ پ۲	لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ فاروق کو بلا کر ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے اندر اپنا مقصد حل ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دوبارہ التجا کی کہ شراب کے بارے میں ہمارے لئے ایسا بیان نازل فرما جو کافی و شافی ہو۔ اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

یاایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلٰوۃ وانتم سُکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون۔ پ۵	اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

دوبارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ فاروق کو بلا کر یہ آیت تلاوت فرمائی اس پر بھی حضرت عمر کی تشفی نہیں ہوئی تو انھوں نے دوبارہ دعا فرمائی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لئے ایسا بیان نازل فرما جو کافی و شافی ہو۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ:

یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ پ۷	اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو پھر بلایا اور یہ آیت ان کے سامنے تلاوت فرمائی تو حضرت عمر اسی وقت پکار اٹھے:

انتھینا یارب انتھینا۔	اے رب ہمارا مقصد پورا ہوگیا اے رب ہمارا مقصد پورا ہوگیا۔

۹۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی حضرت عمر کو بلانے کے لیے ظہر کے وقت بھیجا۔ جب وہ ان کے گھر میں گیا تو اس نے فاروق اعظم کو ایسی حالت میں دیکھا کہ یہ بات پسند نہ آئی۔ انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر کہا اے اللہ کے رسول کاش اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا اور منع فرما دیتا استیذان (اجازت طلب کرنے) کے بارے میں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

یاایہا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظہیرۃ ومن بعد صلوۃ العشاء ثلاث عورات لکم الایۃ، پ ۱۸ ع ۱۴	اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے۔ نماز صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشا کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔

۱۰۔ جب سورہ واقعہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ،

والسابقون السابقون اولٰئک المقربون فی جنٰت النعیم ثلۃ من الاولین وقلیل من الاٰخرین، پ ۲۷ ع ۱۴	جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تقرب رکھنے والے ہیں یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

تو ان آیتوں کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم! پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے ہی لوگ ہوں گے! ہم اللہ کے رسول پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم میں سے جو لوگ نجات پائیں گے وہ تھوڑے ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

لاصحٰب الیمین ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاٰخرین۔ پ ۲۷ ع ۱۵	یہ سب چیزیں ان کے لئے ہیں جن کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا تمہارے کہنے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ،

۱۱۔ طارق بن شہاب سے ایک روایت ہے کہ ایک یہودی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خد،

میں آیا اور کہنے لگا کہ قرآن مجید میں یہ آیت ہے کہ:

سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین۔ پ ۴	دوڑو طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہو اور طرف جنت کے جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان و زمین وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنیوالوں کے لئے

جب سارے آسمان و زمین کو جنت ہی گھیرے رہے گی تو اس روز دوزخ کہاں جائے گی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے کہا کہ اس یہودی کا جواب دو مگر وہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہ دیکھ کر عمر فاروق نے اس یہودی سے کہا۔ بتاؤ جب دن نکلتا ہے تو کیا وہ سارے آسمان وزمین کو نہیں گھیر لیا کرتا؟ اس نے کہا گھیر لیتا ہے آپ نے پوچھا کہ اس وقت رات کہاں چلی جاتی ہے؟ یہودی نے کہا کہ جہاں اللہ چاہتا ہے اس وقت رات کو رکھتا ہے عمر فاروق نے اس یہودی سے کہا کہ جس دن سارے آسمان وزمین کو جنت گھیرے گی اس دن اللہ تعالیٰ جہاں چاہے گا دوزخ کو رکھے گا۔

یہ سن کر یہودی کہنے لگا کہ امیر المومنین! جس خدا کے قبضہ میں آپ کی جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس سوال کا بالکل یہی جواب جو آپ نے دیا ہے اس کتاب میں بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

۱۱۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک روز کعب احبار نے کہا کہ آسمان کے بادشاہ کے سامنے زمین کے بادشاہوں کو ذلت، رسوائی اور ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس پر فاروق اعظم نے فرمایا کہ (خدا کے سامنے زمین کے ایسے بادشاہ کو ذلت و رسوائی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا ہو) یہ سن کر کعب احبار نے فرمایا کہ آپ نے خدا عزوجل کی کتاب توراۃ کے موافق بات کہی ہے عمر فاروق یہ سن کر سجدہ میں گر پڑے اور اپنی بات کے خدا کے فرمان کے موافق ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

ناظرین کے سامنے ہم نے یہ چند مثالیں اس بات کی رکھی ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کتنے صائب الرائے تھے کہ قرآن مجید میں متعدد آیتیں ان کی تائید میں نازل ہوئیں ان کی اس اصابت فکری کی بابت ان کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب جب صحابہ کرام میں کسی بات میں اختلاف پیدا ہوا اور لوگوں نے اس کی بابت اپنی اپنی رایوں کا اظہار کیا اور حضرت عمر نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا تو قرآن ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے موافق نازل ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ بہت سی باتیں کہتے تھے تو قرآن کی آیتیں ان کی تصدیق میں نازل ہوتی تھیں۔

انھیں سے ایک دوسری روایت ہے کہ ہم خیال کرتے تھے کہ قرآن کے بعض کلام حضرت عمر کے کلام ہیں اور بعض رائیں حضرت عمر کی رائیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لقد کان فیما کان قبلکم من الامم محدثون فان من امتی احد فعمر۔

تم سے پہلے جو امتیں گذر چکی ہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ الہام فرمایا کرتا تھا میری امت میں اگر اس منصب کا اہل کوئی ہو سکتا ہے تو وہ عمر ہیں۔

اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر۔

اللہ تعالیٰ نے حق بات عمر کی زبان پر رکھ دی ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول حضرت عمر کے بارے میں وارد ہے کہ:

کنا نری ونحن متوافرون ان السکینۃ تنطق علیٰ لسان عمر۔

ہم سمجھتے تھے حالانکہ ہم (صحابہ) کثیر تعداد میں موجود تھے کہ امن وسکون اور رحمت وبرکت (اسلام) عمر کی زبان سے بولتا ہے

یہ تمام شہادتیں اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنے حق گو خوش فکر صائب الرائے اور فہم وفراست میں کس بلند مقام کے مالک تھے؟ انھوں نے امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے جو فیصلے کئے ہوں گے وہ کتنے مبنی بر صداقت رہوں گے۔!

اب تک ہم نے جتنی باتیں پیش کی ہیں یہ ساری باتیں وحی خداوندی اور آیات قرآن سے مطابقت کی تھیں اس ضمن میں کچھ ایسی مثالیں بھی پیش کر دینا مناسب ہیں جو احادیث نبوی کے مطابق ہیں۔

اذان کی مشروعیت کا واقعہ بخاری، مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں میں بڑی صراحت سے مذکور ہے ہم یہاں مسلم کی روایتوں کی روشنی میں اسے اختصار سے پیش کر رہے ہیں

مدینہ میں جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ہو جس سے مسلمانوں کو خبر ہو جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور لوگ وقت پر مسجد میں آجایا کریں تو جماعت کی ادائیگی میں سہولت ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ نے اس بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا کہ لوگوں کو نماز کے

وقت کی خبر دینے کے لئے کون سا طریقہ ایجاد کیا جائے؟ کسی نے رائے دی کہ جس طرح نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں اسی طرح ناقوس بجایا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ یہودیوں کی طرح نرسنگھا پھونکا جائے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ آگ روشن کی جائے تاکہ اس کی روشنی کو دیکھ کر لوگ جماعت کے لئے اکٹھا ہوجایا کریں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ" (کسی ایسے آدمی کو کیوں نہیں بھیجا جاتا جو لوگوں کو نماز کے لئے پکار دیا کرے) غرضیکہ اس طرح کی باتوں میں کوئی رائے مستقل نہ ہوسکی اور مجلس شوریٰ برخاست ہوگئی۔

اس کے بعد عبد اللہ بن زید رات کو سوئے تو خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہے جس کے ہاتھ میں ایک ناقوس ہے (ناقوس ایک بڑی لکڑی ہوتی ہے جس کو چھوٹی لکڑیوں سے مارتے ہیں تو اس میں سے آواز پیدا ہوتی ہے جسے سن کر لوگ عبادت کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں خبر دینے کا یہ طریقہ عیسائیوں کے یہاں رائج ہے) عبد اللہ نے اس آدمی سے کہا کہ تم اس ناقوس کو بیچوگے؟ اس نے پوچھا کیا کروگے؟ عبد اللہ نے جواب دیا کہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اکٹھا کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر طریقہ تم کو بتاتا ہوں چنانچہ اس نے اذان کے کلمات خواب ہی میں حضرت عبد اللہ بن زید کو سکھائے۔ صبح کو عبد اللہ بن زید نے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے رات کو ایسا ایسا خواب دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ خواب حق ہے اور اس کے بعد آپ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا اور اذان شروع ہوئی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے مشورہ دیا تھا کہ ایک آدمی کو بھیجو جو لوگوں کو نماز کے لئے پکارے اور اس خواب کے ذریعہ بھی اسی طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ گویا اذان کا طریقہ بھی انھیں کے مشورہ اور رائے کے مطابق متعین ہوا۔

اذان کے سلسلہ میں ابو داؤد وغیرہ میں ایک روایت ہے کہ جب حضرت عمر نے اذان کی آواز سنی تو تیزی سے چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا کہ میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن زید نے دیکھا ہے آنحضور نے فرمایا فللہ الحمد۔

عبد الرحمٰن بن ابو عمرہ انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لوگوں کا توشہ ختم ہوگیا اور بھوکے رہنے کی نوبت آگئی کچھ لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اجازت طلب کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواری کے جانوروں کو ذبح کرکے اسی سے اپنی بھوک رفع کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو اس کی اجازت دیدیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آج ہم اپنی سواریوں کو ذبح کرکے کھا جائیں اور

کل دشمنوں سے ہمارا مقابلہ تو اس وقت ہم بھوکے بھی ہوں گے اور پیدل بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے عمر! پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ لوگوں کے پاس تھوڑا بہت کھانے پینے کا جو سامان بچا کھچا ہو آپ اسے منگوالیں اور سب کو اکٹھا کرنے کے بعد اس میں برکت کی دعا فرمائیں۔ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا سے سب کو کھلا کر آسودہ کر دے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے بعد جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے کوئی پردہ تھا جو ہٹ گیا آپ نے ایک کپڑا منگا کر بچھوا دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے بچے ہوئے توشہ کو لیکر آئیں۔ اس کے بعد ہر شخص اپنے بچے ہوئے سامان کو لیکر آنے لگا کوئی پیالہ بھر کھانا لایا کوئی مٹھی دو مٹھی بھر اور کوئی اندے کے برابر آپ کے حکم سے تمام سامان اسی کپڑے پر رکھا گیا۔ اس کے بعد آپ نے اس میں برکت کی دعا فرمائی اور اللہ کی مرضی کے جو کلام مناسب سمجھا کرتے رہے پھر لشکر میں اعلان کیا گیا۔ اور آپ کے حکم سے لوگوں نے اس کھانے کو خود بھی کھایا اوروں کو بھی کھلایا اور اس سے اپنے برتن اور اور توشہ دان بھر لئے۔

اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگایا جسے لاکر آپ کے سامنے رکھدیا گیا تھوڑا سا پانی منگا کر آپ نے اس برتن میں ڈال دیا۔ اس میں دم کیا اور اللہ کی مرضی کے مطابق جو دعائیں مناسب تھیں انھیں پڑھتے رہے پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو برتن میں ڈال دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں اللہ رب عالمین کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابل رہے ہیں آپ کے حکم سے لوگوں نے اس پانی کو پیا اور اسے اپنے مشکیزوں میں اور برتنوں میں بھر لیا۔ پھر آپ ہنسنے لگے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو شخص ان دونوں کلمات کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میری قوم کے لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے بشارت ہے اور یہ بشارت ان لوگوں کو بھی سنا دینا جو یہاں آنے میں تم سے پیچھے رہ گئے ہیں کہ جو شخص خلوص قلب اور سچے دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے گا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر نکلے تو آنحضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق لوگوں کو بشارت سنانے لگے۔ پھر عمر بن الخطاب سے ہمارا سامنا ہو گیا۔ انھوں

نے ہماری بات سنی تو خدمت نبوی میں تشریف لے گئے اور آپ سے کہنے لگے کہ لوگ آپ کی یہ بشارت سن کر عمل سے باز آجائیں گے اور اسی پر بھروسہ کرکے غافل بیٹھ جائیں گے کہ ہمیں جنت تو مل ہی جائے گی عمل کی کیا ضرورت ہے؟ فاروق اعظم کی یہ بات سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمالیا۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف فرما تھے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ثبوت کے طور پر، آپ نے اپنے دونوں پاپوش مجھے عنایت فرمائے اور حکم دیا کہ میرے ان دونوں جوتوں کو لے کر جاؤ اور اس باغ سے باہر جو شخص بھی ایسا ملے جو دل کے یقین اور سچائی کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو اسے جنت کی بشارت سنادو۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس سے میری ملاقات ہوئی وہ عمر بن الخطاب تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ جوتے کیسے ہیں اے ابوہریرہ؟ میں نے کہا کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک ہیں انھیں دے کر آپ نے مجھے ان لوگوں کو جنت کی بشارت سنانے کے لئے بھیجا ہے جو خلوص قلب اور سچے دل سے لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہوں۔ یہ سن کر عمر فاروق نے میری چھاتی پر اتنے زور سے مارا کہ میں سرین کے بل زمین پر گر گیا۔ پھر فرمایا کہ واپس چلو میں لوٹ کر خدمت نبوی میں آیا اور زور زور سے رونے لگا۔ عمر گویا میری پشت پر سوار تھے اور میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھ سے عمر سے ملاقات ہوئی تو میں نے انھیں وہ بشارت سنائی جس کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا۔ انھوں نے میرے سینے پر ایسی مار ماری کہ میں سرین کے بل زمین پر گر پڑا پھر کہا کہ واپس چلو۔ یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ عمر! ایسا کرنے پر تمہیں کس چیز نے ابھارا حضرت عمر نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ابوہریرہ کو اس لئے بھیجا تھا کہ دل کے پورے یقین کے ساتھ ہر لا الہ الا اللہ کہنے والے کو جنت کی بشارت سنائیں آپ نے فرمایا کہ ہاں! عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کو عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیجئے۔ یہ بشارت سن کر لوگ اسی پر توکل کرلیں گے اور عمل سے باز آجائیں گے۔ آنحضور نے فرمایا تو لوگوں کو چھوڑ ہی دو۔

امام ابوداؤد نے ابورمثہ سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ کے ساتھ ایک آدمی تھا جو نماز کی تکبیر اولیٰ میں شریک تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے اور آپ نے سلام پھیرا تو وہ آدمی جو تکبیر اولیٰ میں شریک تھا سنت پڑھنے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کود کر اس کے پاس پہونچے اور اس کے مونڈھوں کو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا اور کہنے لگے کہ بیٹھو۔ اہل کتاب اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں فصل نہیں ہوا کرتا تھا یعنی

ایک نماز ختم کرکے فوراً دوسری نماز شروع کردیتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ اٹھائی اور فرمایا۔ ابن خطاب! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذریعہ حق و صواب تک پہنچایا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حق بینی کے واقعات اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کیا جائے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بصیرت کا جو نور رکھدیا تھا اس کے ذریعہ وہ فوراً حق و صداقت کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ خود فاروق اعظم کو اس کا احساس تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس پر شکر گذار تھے کہ خدا نے انھیں ذہن ثاقب اور فہم صائب عطا فرمایا ہے ان کے حق میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ عمر کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطا فرما۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس کمال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا بھی بڑا اثر ہے۔ خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور انھیں اپنی رحمت کی آغوش میں رکھے آمین ثمہ آمین یارب العالمین۔

وفات حسرت آیات

یہ بات انتہائی افسوس کے ساتھ تحریر ہے کہ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۷۸ء بروز جمعہ کو دارالعلوم میرٹھ کے ایک قدیم رکن اور عظیم ستون نے داعی اجل کو لبیک کہدیا۔

مرحوم ادارہ سے سنہ ۱۹۳۳ء وابستہ تھے بانی دارالعلوم حضرت مولانا مبارک حسین صاحب کے ساتھ تقریباً دس سال تک اور پھر ان کے بعد مسلسل درس حدیث وغیرہ میں مصروف رہے کچھ عرصہ کے لئے آنند میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لے گئے واپسی پر نورالاسلام میں شیخ الحدیث کی حیثیت میں اور دارالعلوم میں مجلس منتظمہ کے رکن کی حیثیت میں برقرار رہے۔

مرحوم ایک جید عالم نیک طبیعت۔ شیخ الاسلام جناب مولانا سید حسین احمد صاحبؒ کے خلیفہ ہونے کے ساتھ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے ہم بارگاہ حقیقی میں دعاگو ہیں کہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی اولاد اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ——— جملہ اراکین مجلس منتظمہ و اساتذہ دارالعلوم میرٹھ

ڈاکٹر سمیع الحق صدر شعبۂ اردو
رانچی یونیورسٹی (بہار)

سورۂ یٰسٓ منظوم

یٰسین حکمتوں کی بھی ہے قرآن کی قسم — بے شک یقینی آپؐ رسول کریم ہیں
جو راہ آپؐ کی ہے وہی راہ راست ہے — بتلانے والے صاحب عزت رحیم ہیں
جن کے بزرگوں کو بھی ہدایت نہ مل سکی — وہ غفلتوں سے قوموں میں سب سے ذمیم ہیں
ان سب کی رہبری کے لئے منتخب ہوئے — باغ جہان میں آپؐ بہار مقیم ہیں

اکثر پہ حق کی بات کا اثبات ہو چکا — پھر بھی وہ کافروں کے شریک و سہیم ہیں
ان سب کی گردنوں میں پنھایا ہے ہم نے طوق — وہ طوق تھوڑیوں سے جو ان کے ضمیم ہیں
جس کی وجہ سے ان کے سروں پر دباؤ ہے — اکڑے ہوتے ہیں تن کے تئیں مستقیم ہیں
آگے بھی ہم نے آڑ لگائی ہے پیچھے بھی — پردے ہیں ہم نے ڈالے وہ زیر گلیم ہیں
ان کی نگاہیں جاتی نہیں راہ راست پر — رکھ کر نگاہ اندھے ہیں ایسے سقیم ہیں
اب آپؐ ان کو راہ دکھائیں کہ چھوڑ دیں — ہر حال میں وہ کفر پسند قدیم ہیں

ان کو دکھا سکیں گے راہ مستقیم آپؐ — جو حق پسند صاحب طبع سلیم ہیں
اللہ کے غضب سے وہ ڈرتے ہیں ہر گھڑی — احکام دیں پہ چلتے ہیں ایسے فہیم ہیں
ایسوں کو مغفرت کی بشارت سنائیے — اعمال نیک پر انھیں اجر کریم ہیں

اعمال ماضیہ ہوں کہ اعمال جاریہ
ہم نے سبھی کتاب مبین میں ہے لکھدیا

اس قریہ کا سنائیے قصہ انھیں ذرا
جس قریہ والوں میں تھے رسولان حق گئے

پہلے تو ہم نے بھیجا وہاں دو رسول کو
جن کو (خدا پناہ) وہ جھوٹا کہا کئے

جب ہم نے ان کے ساتھ کیا تیسرا رسول
بولے "یہاں ہم آئے ہیں پیغام حق لئے"

کہنے لگے کہ تم بھی ہو ہم جیسے آدمی
تم کو خدا سے کچھ بھی نہ پیغام حق ملے

جھوٹی تمہاری باتیں ہیں مانیں گے ہم نہیں"
بولے "ہمارا حال ہیں اللہ جانتے

بھیجے ہوئے انھیں کے ہیں سچے رسول ہیں
پیغام حق سنانے پہ مامور ہم ہوئے"

کہنے لگے کہ "راہ لو اپنی کہ ہم سبھی
اس قریہ کے لئے تمہیں منحوس مانتے

گر تم نہ باز آئے تو پتھر سے مار کر
بھرتہ بنائیں گے تمہیں بے حد ستائیں گے"

بولے نحوستیں ہیں تمہاری تمہارے ساتھ
ہم نے بھلائی کی تمہیں باتیں کہیں بھلے

راہ تم کو دکھانا بھی منحوس ہو گیا ؟
تم ہائے کیسے لوگ ہو دنیا میں سرپھرے"

اک فاصلہ سے شہر کے اک مرد حق پسند
ان شہریوں کے بیچ گئے دوڑتے ہوئے

بولے تم ان کی پیروی اہل وطن کرو
پیغمبران حق ہیں پیام خدا لئے

یہ تم سے اس کا کچھ بھی صلہ مانگتے نہیں
وابستہ راہ راست سے ہر دم یہ خود رہے

وہ ذات حق کہ جس نے بنایا مرا وجود
کیوں اپنا سر جھکاؤں نہ میں اس کے سامنے؟

تم کو بھی لوٹنا ہے اسی ذات کی طرف
پھر چارہ کیا بغیر اطاعت کئے ہوئے

میں کیوں کسی کو حق کے سوا پوجنا پھروں؟
ہے کون جو خدا کے غضب سے بچا سکے !

وہ رحم والے چاہیں ضرر بھیجنا اگر
کس دیوتا میں تاب سفارش سے ٹالدے

غیر خدا کو پوج کے بدکار کیوں بنوں ؟
اللہ بچائے شرک کے دائم عذاب سے

ایماں ہے میرا رب پہ تمہارے پیمبر و !
شاہد رہو گے سامنے پروردگار کے "

"داخل بہشت میں ہو" یہ ارشاد حق ہوا
بولے کہ "کاش اہل وطن میرے جانتے

کس بات پر خدا نے ہے کی میری مغفرت
کیسے معززوں میں جگہ دی گئی مجھے"

پھر ہم نے ان کے بعد اتاری نہ کوئی فوج
اس قوم کی زمین پہ چرخ بلند سے

ہم کو اتارنا بھی ضروری نہ تھا کوئی
اک چیخ اٹھی اور سبھی بجھ کے رہ گئے

حسرت ہے ایسے بندوں کی حالت پہ جنکے پاس
جب بھی رسول آئے وہ پھبتی کسا کئے

سوجھا نہیں کہ ہم نے کیا پہلے بھی ہلاک
مغضوب قوموں کے ہیں شواہد پڑے ہوئے

ان میں نہ کوئی لوٹ کے آیا زمانے میں ان کے صنم نہ ان کے کوئی کام آسکے

کوئی نہیں کہ پاس ہمارے نہ جمع ہو

مجموعی طور پر سبھی آئیں گے سامنے

اور اک ربوبیت کی نشانی زمین میں ہے مردہ زمین میں ڈالتے ہیں ہم ہی زندگی

غلے اگائے جس کو ہیں کھاتے تمام لوگ یونہی اٹھیں گے جی کے سبھی مردہ آدمی

ہم نے لگائے باغ میں انگور اور کھجور چشمے بہائے تاکہ کرو رفع تشنگی

کھایا پھلوں کو پھر بھی نہ شکر خدا کیا ممکن ہے ایک دانہ بنا بھی سکو کبھی

اس پاک ذات نے ہی بنایا ہے زوج زوج چاہے زمیں کے پودے ہوں یا خود ہو آدمی

وہ چیزیں جن کو تم میں کوئی جانتا نہیں ان کو بھی ہم نے بخشا ہے الطاف زوجگی

کیسے اتار لیتے ہیں دن کی قبائے نور لوگو ہماری ایک نشانی ہے رات بھی

تن جاتی ہے ردائے سیہ ایک آن میں ڈھک لیتی ہے زمانے کی ہر شے کو تیرگی

سورج جو مستقر کی طرف اپنے ہے رواں اس میں بھی ایک نشانی ہے رب کریم کی

کس خوبی سے رکھا ہے اک انداز پر اسے صناعی ہے خدائے عزیز و قدیر کی

اک راہ چاند کی ہے مقرر کہ ایک وقت لگتا ہے سوکھی شاخ ہو گویا کھجور کی

نے تاب آفتاب میں گھیرے وہ چاند کو لے جائے گی نہ بازی کبھی دن سے رات بھی

اک دائرے میں تیرتے رہتے ہیں سب کے سب کاری گری ہے کیسی خدائے کریم کی

اک اور نشانی ہے کہ ہمارے ہی فیض سے کشتی پہ ان کی نسل پھری تیرتی ہوئی

ہم کشتی جیسی اور بھی چیزیں بناتے ہیں جو ان کے واسطے ہیں سواری کے کام کی

ان کو ڈبو دیں ہم تو نہ ہو کوئی دادرس ان کی نجات کی نہ پھر آئے کوئی گھڑی

رحمت سے ایک وقت معین تک ان کو ہم ہیں بخشتے متاع جہاں بہر زندگی

اور جب کہا گیا کہ ڈرو اس عذاب سے جو سامنے ہے یا کہ تعاقب میں ہے ابھی

اے کاش وہ کرو کہ کریں تم پہ رحم ہم (پر واہ اس کی ان کو نہیں ہائے بے حسی)

وہ سرکشی سے اپنی نظر پھیرتے رہے رب کی نشانیوں میں نشانی اگر ملی

"راہِ خدا میں خرچ کرو" جب کہا گیا　　"دولت تمہاری ساری خدا کی ہے دی ہوئی"[۵]
تب کافروں نے دین پرستوں سے یوں کہا　　"ایسوں کو کیا کھلائیں مشیت ہے گر یہی
اللہ خود کھلاتا بہت کچھ انھیں نہ کیا!　　واللہ کیا صریح تمہاری ہے گمرہی"
اور پوچھتے ہیں لوگ کہ "وعدے کا کب ہے وقت!　　جانیں کہ تم نے جو بھی کہی سچ ہی بات تھی"
وہ جو جھگڑتے ان کو جب آپس میں ہوں گے　　ان کو ہے چاہ ایسی صدائے مہیب کی
مہلت نہ ہو کہ کوئی وصیت ہی کر سکے
لوٹے نہ اپنے کنبے کے لوگوں میں پھر کبھی
جب صور پھونکا جائے گا بار دگر تو لوگ　　رب کے حضور دوڑیں گے قبروں سے ناگہاں
کہتے ہوئے کہ "قبروں سے کس نے اٹھا دیا!　　اے وائے ہائے بخت سیہ کی تباہیاں
ہے یہ وہی تو ساعت موعود آ گئی　　تبلائی تھی رسولوں نے سچی نشانیاں"
ہوں گے تمام جمع ہمارے حضور میں　　جب زوردار گونجے گی آواز ناگہاں
ہوگا کسی پہ ظلم نہ اس روز اک ذرا　　اپنے عمل کا سب کو ملے گا صلہ وہاں
اہل بہشت ہوں گے مشاغل میں اپنے خوش　　ہوں گے تمام خلق خدا میں وہ کامراں
مسند لگائے سایوں میں بیٹھیں گے تخت پر　　وہ ہوں گے اور ان کے قریں انکی بیویاں
ان کو ملیں گے میوے ہر اک رنگ و نوع کے　　اور وہ تمام چیزیں جنھیں چاہیں گے وہاں
(اعزاز ان کا کتنا بڑھے گا کہ خود انھیں!　　فرمائے گا سلام جہاندار مہرباں
اب آج دور ہٹ کے رہو مجرمو الگ　　ایمان والے اب نہیں ساتھی تمہارے یا[۱]
تاکید تم کو آدمی زاد و کیا نہ تھا　　شیطان کھلا ہوا ہے تمہارا عدوئے جاں
ہرگز نہ کرو اس کے اطاعت قبول تم　　(جس پر دیا نہ تم نے ذرا بھر بھی کچھ دھیان)[۲]
اور یہ کہ کرتے رہنا عبادت ہماری ہی　　سیدھا طریقہ ہے یہی راہ نجات جاں
شیطاں بہت کو راہ ضلالت پہ لے گیا　　اے عقل والو! کھوئی تمہاری سمجھ کہاں
دوزخ یہی ہے جس کی خبر دی گئی تمہیں　　وعدہ تھا جس کا دیکھ لو آنکھوں سے اب عیاں
داخل ہو کافرو کے نتیجے میں اس میں آج　　(ہوگا یہ حکم داور محشر کا بے گماں)
ان کے لبوں پہ آج لگا دیں گے مہر ہم　　اور دیں گے ان کے ہاتھوں کو گویائی زباں
ناطق بنیں گے پاؤں شہادت کے واسطے　　اعضا کریں گے ان کے سب اعمال کو بیاں[۲]

گر چاہتے تو ان کی نظر پھوڑ دیتے ہم
وہ راستہ کو ڈھونڈتے ملتا مگر کہاں

صورت بدلتے ان کی اگر چاہتے ذرا
رہ جاتے وہ وہیں ایسی حالت میں ہیں جہاں

نے آگے بڑھتے اور نہ پیچھے ہی لوٹتے
(بے اذنِ حق کسی میں نہیں تابِ توان)

کیا سوچتے نہیں کہ بڑھاتے ہیں جس کی عمر
اس کے قویٰ کو ڈالتے ہیں الٹی راہ پر

اور ہم نے آپ کو نہ دیا علم شاعری
یہ فن نہیں ہے لائق شان پیام بر

یہ آسماں سے اتری کتاب مبین ہے
اس میں ہے ایک درس نصیحت تمام تر

یہ آخرت کا خوف دلاتی ہے زندے کو
حجت تمام کرتی ہے کفار دہر پر

وہ سب مویشی جن سے اٹھاتے ہیں نفع لوگ
ہیں ساختہ ہمارے، نہیں کیا انھیں یہ !

تخلیق کر کے جادم انساں بنا دیا
کچھ پر سوار ہوتے ہیں کچھ ہیں غذائے تر

لیتے ہیں اور فائدے پیتے ہیں دودھ بھی
کاہے نہ پھر بھی کرتے ہیں شکر خدا بشر!

وہ مانتے ہیں رب کے سوا اور کو خدا
دنیا کی حاجتوں میں مدد کی امید پر

ان کی مجال کیا کہ کسی کی مدد کریں
(بے جاں ہیں ناتواں ہیں سراسر ہیں بے اثر)

لائیں گے ان کو سامنے اپنے حضور میں
تب باندھیں گے انھیں کی عداوت پہ وہ کمر

باتوں سے ان کی آپ نہ آزردہ ہوں ذرا
ہم ان کے راز دل سے بخوبی ہیں باخبر

اعلان جو یہ کرتے ہیں وہ بھی ہیں جانتے
دانائے کل ہے مالک اسرار بحر و بر

کرتے ہیں ایک نطفہ سے پیدا بشر کو ہم
رکھتا ہے اس پہ کیا نہ کوئی آدمی نظر

کرتا ہے اعتراض وہ خلق جدید پر
گڑھتا ہے ہم پہ قصے سرشت اپنی بھول کر

پوچھا "کریگا زندہ سڑی ہڈیوں کو کون؟"
کہہ دیجئے کہ پیدا کیا جس نے پیشتر

تخلیق کے وہ سارے طریقے ہے جانتا
(خلاق کل وہ قادر مطلق ہے مشتہر)

کرتا ہے آگ پیدا وہی سبز پیڑ سے
جس سے تم اپنا چولھا جلاتے ہو اپنے گھر

پیدا کیا ہے ارض و سماوات جس نے آج
قادر نہیں وہ کیا کہ کرے زندہ مار کر!

وہ قادر تمام ہے خلاق اور علیم
(مردوں کو زندہ کرنا تو اس کو ہے سہل تر)

تخلیق کا ارادہ وہ کرتا ہے جس گھڑی
کہتا ہے "ہو" تو ہوتا ہے موجود زود تر

سبحان اس کی ذات کہ مختار کل ہے وہ
تم سب کو اس کے پاس ہی جانا ہے لوٹ کر

عبدیت

مولانا وحید الدین خاں

"میرے لئے ایک سائیکل خرید دیجئے"، بیٹے نے باپ سے کہا۔ باپ کی آمدنی کم تھی وہ سائیکل خریدنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس نے ٹالدیا۔ لڑکا بار بار کہتا رہا اور باپ بار بار منع کرتا رہا۔ بالآخر ایک روز باپ نے ڈانٹ کر کہا: "میں نے کہدیا کہ میں سائیکل نہیں خریدوں گا اب آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا"۔

یہ سن کر لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ کچھ دیر چپ رہا اس کے بعد روتے ہوئے بولا "آپ ہی تو ہمارے باپ ہیں۔ پھر آپ سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں"۔ اس جملہ نے باپ کو تڑپا دیا۔ اچانک اس کا انداز بدل گیا۔ اس نے کہا: "اچھا بیٹے اطمینان رکھو میں تمہارے لئے سائیکل خریدوں گا۔ اور کل ہی خریدوں گا"۔ یہ کہتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اگلے دن اس نے پیسہ کا انتظام کر کے بیٹے کے لئے نئی سائیکل خرید دی۔

لڑکے نے بظاہر ایک لفظ کہا تھا۔ مگر یہ ایک ایسا لفظ تھا جس کی قیمت اس کی اپنی زندگی تھی، جس میں اس کی پوری ہستی شامل ہو گئی تھی۔ اس لفظ کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست کے آگے بالکل خالی کر دیا ہے۔ یہ لفظ بول کر اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے نقطہ پر کھڑا کر دیا جہاں اس کی درخواست اس کے سرپرست کے لئے بھی اتنا ہی بڑا مسئلہ بن گئی جتنا خود اس کے لئے۔

اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ذکر الٰہی کی وہ کونسی قسم ہے جو میزان کو بھر دیتی ہے اور جس کے بعد خدا کی رحمتیں بندے کے اوپر امنڈ آتی ہیں یہ رٹے ہوئے الفاظ کی تکرار نہیں ہے نہ اس کا کوئی "نصاب" ہے۔ یہ ذکر کی وہ قسم ہے جس میں بندہ اپنی پوری ہستی کو انڈیل دیتا ہے۔ جب بندے کی آنکھ سے عجز کا قطرہ ٹپک پڑتا ہے جس کا تحمل زمین و آسمان بھی نہ کر سکیں۔ جب بندہ اپنے آپ کو اپنے باپ کے ساتھ اتنا زیادہ شامل کر دیتا ہے کہ "بیٹا" اور "باپ" دونوں ایک نزاز و پر آجاتے ہیں۔ یہ وہ لمحہ ہے جب کہ ذکر محض لغت کا لفظ نہیں ہوتا بلکہ ایک شخصیت کے پھٹنے کی آواز ہوتا ہے اس وقت خدا کی رحمتیں اپنے بندے پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ بندگی اور خدائی دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو جاتے ہیں اور قادر مطلق عاجز مطلق کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

(بشکریہ الرسالہ)

دار العلوم میرٹھ کا دو ماہی جریدہ

صدائے حجاز

زرِ تعاون سالانہ دس روپئے

مُرتّب ظِلُّ الرحمٰن

جلد نمبر ۱ | بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۷۸ء مطابق شعبان و رمضان ۱۳۹۸ھ | شمارہ نمبر ۴

نمبر شمار	مضامین	صاحبِ مضمون	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	ادارہ	۲
۲	رمضان المبارک کا خیر مقدم	جناب مولانا ظفر علی خاں صاحب	۶
۳	رمضان المبارک عظمت و سعادت	جناب مولانا ضیاء الحسن صاحب قاسمی	۷
۴	برکاتِ رمضان (صلوٰۃ التراویح)	جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب	۹
۵	تراویح اور حفاظ	جناب مولانا سید محمد ٹونکی صاحب جامعی	۱۸
۶	زکوٰۃ کی تنظیم	جناب مولانا ابو الکلام صاحب آزاد	۲۱
۷	تاریخ مصاحف	جناب مولانا حکیم عبد الشکور صاحب مرزاپوری	۲۶
۸	تعمیرِ کعبہ	جناب مولانا عبد المقتدر صاحب (اینگلو عربک اسکول دہلی)	۴۲
۹	امام بخاری رح	جناب مولانا تقی الدین صاحب مظاہری ندوی	۵۰
	نعت	جناب حفیظ صاحب میرٹھی	۶۴

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ:

منیجر صدائے حجاز، بالائی منزل سنہری مسجد، چاندنی چوک دہلی ۶

ل الرحمٰن ایڈیٹر، پرنٹر، پبلیشر و پروپرائٹر نے جمال پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدائے حجاز سنہری مسجد دہلی سے شائع کیا۔

حرفِ آغاز

عزیزانِ محترم !

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں باری تعالیٰ نے ایک بار پھر سعادت رمضان کی رحمت سے سرفراز فرمایا اور انھیں اس کی رحمتوں کی بارش سے فیضیابی کا موقع ملا۔

انسان کی اشرفیت کا اصلی سبب واقعتاً اس کی وہ باطنی قوتیں ہیں جن کے استعمال سے وہ عظمتوں کی انتہائی بلندیوں کا حامل بنتا ہے جو اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کے جلیل القدر منصب کا مستحق قرار دیتی ہیں۔ حوادث بے چارگی اور کم مائیگی کے عالم میں انسان کی یہ قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور قوت حیوانیت وشیطانیت اپنا تسلط کر لیتی ہے۔ لیکن مالک حقیقی کا انتظام دیکھئے کہ ان حالات کے تحفظ کے لئے یہ بھی انتظام کر دیا کہ مکمل ایک ماہ ایسا بنا دیا گیا کہ جس میں ہم اپنی تمام قوت ملکوتیہ کو جلا اور بالش کر سکیں۔ سیرت حلبیہ میں ایک واقعہ درج ہے عطا خراسانی فرماتے ہیں کہ جب توبہ اور عفو کی آیت پاک ، و من یعمل سوءًا او یظلم نفسه ثم یستغفر الله یجد الله غفورا رحیمًا - (پ ۵ - سورۃ نساء ع ۱۶) نازل ہوئی تو اس وقت شیطان بہت پریشان ہوا اور وہ اتنے زبردست طریقہ سے چیخا کہ اس کے لشکر کے دوسرے تمام شیاطین دنیا کے کونے کونے سے اس کے پاس آکر جمع ہو گئے اور اس بھیانک چیخ کا سبب معلوم کیا اس نے جواب دیا کہ آج ایسا حکم نازل ہوا ہے کہ اس سے زیادہ سخت بات میرے لئے کبھی نازل نہیں ہوئی۔ شیطان نے ان کو مندرجہ بالا آیات پڑھ کر سنائیں اور ان سے پوچھا کہ کیا ان کے پاس ان کا کوئی توڑ ہے انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں ہے اور ہم توبہ اور استغفار سے کسی کو نہیں روک سکتے۔

• یہی وہ عفو کا دروازہ ہے جو سال کے بقیہ حصے کے مقابلے میں رمضان المبارک میں بغیر کسی رکاوٹ

کیفیت میں وا ہو جاتا ہے۔ اس کی پہلی ہی رات میں سرکش جنات اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ان ہی دروازوں میں سے ایک کا نام ریان ہے جو روزہ داروں کے لئے مخصوص ہے۔

• یہی وہ مہینہ ہے جس کی ہر رات میں باری تعالیٰ منادی کراتے ہیں کہ:

"ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں اپنی نعمتیں بخش دوں
ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں۔
ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں"

• یہی وہ مہینہ ہے جس کی صرف ایک رات ایک ہزار راتوں سے زیادہ اشرف و افضل ہے جس میں انسانی زندگی کے گناہوں کے غسل لامحدود کے انتظامات بھی ہیں اور عاقبت کی عافیت کے روشن پہلو بھی۔

• یہی وہ مہینہ ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اکرم صلعم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

• ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور وہ مغفرت سے محروم رہا
• ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے رسول اکرم صلعم کا نام لیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا۔
• ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین میں سے کوئی بڑھاپے کو پائیں اور ان کی خدمت نہ کر کے جنت سے محروم رہا۔

آیئے جائزہ لیں کہ اس مقدس وقت پر بھی ہم اور آپ کس بھیانک چورا ہے پر کھڑے ہیں اور ہمیں کس حد تک اپنے حالات کا شعور ہے۔

ایک ہمارا وہ دور تھا کہ لفظ مسلمان کے ساتھ بندگی اور عجز کے ساتھ ساتھ دیانتداری، خوش اخلاقی، تواضع، پڑوسیوں کے حقوق کا احساس اور انسانی مساوات جزو لاینفک تھیں اور ان سب کے نتیجے میں ایک نور کی کیفیت اور جلال کی عظمت اس طرح نمایاں تھی کہ یہودیوں نے جب ان کے خلیفہ ثانی کو دیکھا تو بغیر جنگ کے شہر کی چابیاں ان کے سپرد کر دیں اور اقتدار سونپ دیا۔

مسلمان کے کردار کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ہندستانی پنجاب میں ۱۹۶۳ء میں دو غیر مسلم کاروباری فریقوں میں مقدمہ بازی کی نوبت آ گئی۔ ایک فریق نے اپنی طرف سے عدالت میں ایک

مسلمان کو بطور شہادت پیش کردیا۔ اس شاہد کو اس کے وکیل صاحب نے باقاعدہ ایک مرتب بیان یاد کرا کے پیش کیا تھا۔ فریق ثانی نے عین اسی وقت عدالت سے یہ کہدیا کہ بس جی ایک مسلمان شہادت آگئی اب میری طرف سے کوئی گواہ نہیں پیش ہوگا آپ صرف اسی کے بیان پر مقدمہ کا فیصلہ کردیں جس کے بعد گواہ وہ تمام بیان جو وکیل صاحب نے یاد کرایا تھا بھول گیا اور صحیح بیان دیا جس کے نتیجہ میں وہ فریق جس نے اسے پیش کیا تھا ہار گیا۔ مقدمہ کے بعد جو مشترک جملہ عدالت اور فریقین کی زبان پر تھا وہ یہ تھا کہ "یہاں ہم تو مسلمان کی صورت دیکھنے کو ترستے ہیں"

اور آج ہم کیا ہیں ذرا غور فرمائیے۔ زندگی کے ہر عنوان پہ ہم پسماندہ اور خوار ہیں۔ اسلام کی ایک ایک تعلیم کو ہم نے اپنی زندگی سے اٹھا کر رکھ دیا ہے۔ اس نے تجارت کو احسن کسب قرار دیا تو ہم نے ملازمانہ زندگی کو قبول کیا۔ اس نے چین تک سے علم حاصل کرنے کی ہدایت کی تو ہم نے جہالت کو اپنا شعار بنایا اس نے پاکیزگی کا درس دیا تو ہم نے اپنی آبادیوں کو گندگیوں سے آلودہ رکھنا اپنا طرز عمل بنایا۔ اس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا تو ہم نے گروہ درگروہ بنا کر اشرافیت کے عنوانات قائم کر لئے ہم اپنی بے عملی کے نتیجہ میں حاصل شدہ زندگی اپنے مقدر سے تعبیر کرنے اور مستقبل کی بہتری سے مایوس ہو کر گھر بیٹھنے کے عادی ہیں جبکہ برادران وطن کی قوت عمل کی معراج کی مثالیں اور اس کے ثمرات روزمرہ ہمارے سامنے آتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ہم اپنا سب کچھ کھو بیٹھے یہاں تک کہ ہمیں کوئی قابل شمار چیز بھی ماننے کے لئے تیار نہیں

عزیزو! یہ نہ ماتم کرنے کا مقام ہے اور نہ ناامید ہو کر شکستہ دل ہو کر بیٹھ جانے کا۔ مایوسی نام کی چیز خدا کی ذات کی طرف اسلام نے حرام قرار دی ہے۔ توکل علی اللہ کی غلط تفسیر کے عنوان پر اسلام بے عملی کی زندگی کی کبھی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ زندگی میں ایک مہمیز کردار کے دھارے کا رخ بدل دیتی ہے صرف صمیم قلب سے فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

زندگی کی شاہراہ کی جس منزل پر آپ آگئے ہیں اس پر یہ فیصلہ اگرچہ قدرے دشوار نظر آتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے ہم ابھی تک اسی چوراہے پر ہیں جس کا ایک راستہ صراط مستقیم بھی ہے اس پر چلنے کے لئے عزم محکم سے فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے قلب کی گہرائیوں سے نکلنے والے آنسو درکار ہیں اور ماہ رمضان میں اگر یہ بہا لئے جائیں تو پھر پوری زندگی کا بیڑا پار ہے۔

• بھول جائیے کہ ہماری پچھلی زندگی انتہائی ناپاک گناہوں سے آلودہ ہے۔

• بھول جائیے کہ ہم نے اپنے اوپر واجب بندوں کے حقوق ادا نہیں کئے ہیں۔

• بھول جائیے کہ ہم نے اپنی اولاد کی تربیت پر کوئی توجہ نہیں دی ہے

اور یہ سب بھول کر اپنے معبود حقیقی کے سامنے عجز و نیاز کے ساتھ اس طرح جھک جائیے کہ تمہارا وجود تمہیں محسوس نہ ہو رہا ہو۔ تم اپنے آپ کو اس کے دربار میں موجود محسوس کر رہے ہو اور اس کیفیت میں صرف یہ کہہ دو کہ:

"باری تعالیٰ تو ہمیں معاف کر دے۔ ہم آئندہ ان سب باتوں سے توبہ کرتے ہیں۔ آئندہ ہم تیرے ہر بندے کا حق ادا کریں گے" اور اس بات کو اس حد تک کہتے رہو کہ تمہارے گناہ آلود دامن تمہارے آنسوؤں سے ہزار بار تر ہو کر پاکیزہ ہو جائیں۔

یقین مانئے اگر یہ کیفیت آپ نے رمضان المبارک کی راتوں میں پیدا کر لی تو تمہیں کائنات کی ہوا کا ایک ایک جھونکا یہ یقین دلا دیگا کہ تم کندن ہو گئے تمہارے اندر کا شیطان مر گیا اور اب تمہارے اور معبود حقیقی کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے اور تمہاری حالت یہ ہوگی

خامشی رات کی جس وقت کہ چھا جاتی ہے
عمر بھر جو نہ سنی ہو وہ صدا آتی ہے

اس کے بعد تم دنیا کی بہترین امت ہو گے تمہارے اعمال دوسروں کے لئے نقش قدم ثابت ہوں گے تمہارا وجود دوسروں کے لئے وجہ سکون ثابت ہوگا اور خود تم ایک ایسے سرور میں مست ہو گے جس کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور اس وقت خدا کی رحمتیں تمہارے اوپر ٹوٹ پڑیں گی۔

زمین کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسمان ہو کر

ظل الرحمٰن

جناب مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم

رمضان المبارک کا خیر مقدم

ہوا شعبان کل ختم اور ماہ صیام آیا
ازل کی صبح کا نور آنکھ میں ہو کر تمام آیا

سعادت کے جلو میں رحمتِ پروردگار آئی
مسلمانوں کے گھر چل کر خدا کا لطفِ عام آیا

فرشتوں نے جگایا فطرتِ آدم کو سوتے سے
حیاتِ جاوداں کا ابنِ آدم کو پیام آیا

درِ میخانۂ وحدت کے پٹ جبریل نے کھولے
ترستے تھے جسے میخوار گردش میں وہ جام آیا

وہ حکمت عرش سے اتری زباں پر جس کے صدقہ میں
اخوت اور مساوات اور آزادی کا نام آیا

مبارک ہیں وہ انساں جن کی خاطر اس مہینے میں
کلام اللہ لے کر دولتِ صلح و سلام آیا

مسلمانو یہ موتی رول لو جن کے لٹانے کو
عرب کا اور عجم کا خسروِ عالی مقام آیا

وہ آقا جس کی رحمت نے اگر اپنوں کو ڈھانپا ہے
تو اوقاتِ مصیبت میں پرایوں کے بھی کام آیا

جناب مولانا ضیاء الحسن صاحب قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک کی عظمت و سعادت

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۝

رمضان المبارک وہ مقدس و بابرکت مہینہ ہے جس میں صحیفہ آسمانی یعنی قرآن کریم نازل کیا گیا جو انسانی فوز و فلاح کا واحد ذریعہ ہے اور اس میں امتیاز حق و باطل کے واضح و قوی دلائل موجود ہیں۔

بالآخر گیارہ ماہ کے شدید و پیہم انتظار اور اضطراب کے بعد گوہر مقصود سے شرف یاب ہونے اور وہ مقدس و محترم مہینہ حلقہ بگوشان توحید و رسالت کو مژدۂ الٰہی دینے آگیا جس کے انوار و برکات کی پرتو افگنی سے زمین و آسمان کی وسعتیں منور و درخشاں ہیں اور کائناتِ ارض کا ہر ذرہ ایک خاص تابنا کی کیفیت کا حامل۔

یہ وہی ماہ محترم ہے جس کی مقدس و بابرکت ساعت میں خالق ارض و سماء نے معارف و علم کے معدن عدل و انصاف کے دستور رشد و ہدایت کے نسخۂ وحید یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا جس کی بدولت شرک و کفر کی مستحکم و فلک پیما عمارات چشم زدن میں نگوں سار ہو گئیں صفحۂ ہستی سے شقاوت و قساوت اور بغض و عناد کے نقوش حرف غلط کی طرح محو ہو گئے ظلم و عدوان اور استعمار پرستی کا دور دورہ ختم ہو گیا۔ چہار دانگ عالم میں توحید و رسالت اور ہدایت و سعادت کی بابرکت حکومت قائم ہو گئی۔ ہر طرف شراب عدل و انصاف کے دور چلنے لگے اور ساکنین خطۂ ارض نے اس سازگار فضا میں راحت و سکون کا سانس لیا۔ بھلا اس ماہ محترم کی عظمت و جلالت اور شہر مبارک کی برکت و سعادت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس کی آغوش اقدس میں ایسی جامع کتاب موجود ہو جو ارض و سماء کی پہنائیوں میں لاریب اور ہدی للناس ہے جس نے شرک و کفر کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو اپنی شمع ہدایت کی پرنور شعاعوں سے ہمیشہ کے لئے منور کر دیا ہو۔ اور جس کی ایک جھلک ہی ظلمستان عالم کے لئے انقلاب عظیم کا موجب بن گئی ہو۔

ذرا اطمینان و سکون کی ساعت میں اس عہد تاریک پر نظر دوڑائیے اور لمحہ بھر کے لئے چشم تصور میں ان خوفناک و بھیانک مناظر کا نقشہ جمائیے۔ جب کرۂ ارض پر شر و معصیت اور عدوان و طغیان مسلط تھا، نیکی و سچائی کی فلک بوس عمارتیں بدی و بدکرداری کے تباہ کن سیلاب کی نذر ہو چکی تھیں تمام عالم ہراساں و پریشاں تھا انسان کو کسی گوشۂ ارضی پر بھی راحت و آرام کی ساعت میسر نہ تھی اور خدائے رحمٰن کی وسیع زمین شرک و بت پرستی فساد و عناد اور ضلالت و جہالت کی لعنت سے معمور چنانچہ ان ناگفتہ بہ حالات میں دست حق کو حرکت ہوئی۔ اور مخرمین جادہ صواب کی ہدایت کے لئے مرکز عالم میں ہادی عالم ظہور پذیر ہوئے۔ اور اس ماہ سعید کی بابرکت ساعات میں قدرت کی جانب سے آپ کو وہ لازوال و بیش بہا دولت نصیب ہوئی جس نے تہی دامنوں کو بیک آن مالا مال کر دیا اور تشنگان معرفت کو بادہ توحید و رسالت سے سرشار کیا اور سرکشی و بغاوت کی مستحکم و دیرینہ بنیادوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا۔ متلاشیان حق کو مخلوق پرستی کے تاریک اور پر خطر راستہ سے محفوظ رکھا۔ لوگوں کو بت پرستی سے نجات دلا کر بت شکنی اور لات و ہبل کو مسجود گرداننے کی جگہ واحد القہار و فاطر السمٰوات والارض کی بارگاہ عالیہ میں سجدہ ریز ہونے کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ وہی مقدس و بابرکت رمضان اسی عظمت و سعادت کے ساتھ پھر فرزندان توحید کی بزم میں جلوہ افروز ہو رہا ہے تاکہ خوش نصیب انسانوں کو مژدۂ الٰہی دے۔ خوابیدہ بخت کو بیدار کرے اور پژمردہ خاطر کو خنداں و شاداں بنائے۔ پس مستحق صد تبریک و ستائش ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے قلوب کی زمین کو پہلے سے ہموار کر لیا تھا اور آج اپنے تئیں اس کی آغوش سعادت میں سونپ رہے ہیں اور سعادتمند ہیں وہ نفوس قدسیہ جو اس کی خوش پذیرائی کے لئے تیار ہو چکے تھے اور آج ان مقدس لمحات میں بکمال مسرت الطاف یزداں سے ہمکنار ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہیں کیا عجب ہے کہ یہ ان کی زندگی کا آخری رمضان ہو۔ اس کے بعد قدرت کا زبردست خاموش ہاتھ انھیں آئندہ رمضان کی برکات سے محروم کر دے اور وہ اس کی مواصلت کے حظ و سرور سے محظوظ نہ ہو سکیں۔

جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب (دیوبند)

برکاتِ رمضان

صلوٰۃ التراویح پر عالمانہ تبصرہ!

رمضان المبارک خاص برکت اور رحمت کا مہینہ ہے جس کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک مہینہ کے آنے کے قبل ہی اس کی عظمت کا استقبال ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:

(۱) یا ایھا الناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ تطوعاً من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ ومن ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ (الحدیث)

اے لوگو تم پر ایک باعظمت و بابرکت مہینہ آرہا ہے جس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ کی راتوں سے خیر و برکت میں زیادہ ہے اس کا روزہ تم پر فرض ہے اور قیام لیل تطوع ہے جس نے اس میں کوئی نیکی کی اس کو فرض کے برابر ثواب ہوگا اور جس نے اس میں ایک فرض ادا کیا گویا اس کو دوسرے دنوں کے اعتبار سے ستر گنا زیادہ ثواب ہوگا۔

(۲) من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومن قام لیلۃ القدر ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (متفق علیہ)

(مشکوٰۃ ص ۱۶۵) (مسلم ص ۱۵۹ ج ۱)

جس نے ایمان اور نیک نیتی سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پہلے سب گناہ معاف ہوگئے اور جس نے ایمان و نیک نیتی سے تراویح پڑھیں اس کے پہلے سب گناہ معاف ہوگئے اور جس نے ایمان و نیک نیتی سے شب قدر میں قیام کیا اس کے پہلے سب گناہ معاف ہوگئے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک مہینہ میں بہت زیادہ عبادت کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: یجتھد فی رمضان ما لا یجتھد فی غیرہ یعنی آپ

اس ماہ مبارک میں بکثرت عبادت کرتے تھے جو دوسرے مہینوں میں نہ ہوتی تھی۔ اسی سبب سے اپنے اہل بیت کو بھی کثرت عبادت کی تلقین فرماتے تھے چنانچہ حدیثوں میں ہے احیی لیلتہ وایقظ اھلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری فرماتے اور اپنے اہل بیت کو بھی بیدار فرمایا کرتے تھے

اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ حسن صیام وقیام تراویح وتکثیر عبادات سے اپنے لئے ذخیرہ عقبیٰ بنانے کی سعی کرے اور جو اس کے سابقہ معاصی کے کفارہ ہونے کے علاوہ حق تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور برکتوں کا مورد ہو۔

صلوٰۃ تراویح رمضان المبارک کی خاص اور نہایت بابرکت عبادت ہے جس میں مسلمان اپنے مالک حقیقی کے کلام پاک کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور خوشنودی خدا و رسول حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ لیکن آجکل بہت سے محرومان قسمت ایسے ہوگئے ہیں کہ جو اس کو بدعت اور ناجائز کہنے لگے۔ چنانچہ شیعوں نے تو اس تراویح کی نماز کا سرے ہی سے انکار کر دیا اور اس کو بدعت فاروقی سمجھ کر اپنے یہاں کے مسلمات سے واجب الترک خیال کیا اب بعض اہل حدیث حضرات نے بھی نفس تراویح کی نماز اور ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تراویح کی نماز بیس رکعت بدعت ہے اس سے سنت ادا نہیں ہوتی اور اس طرح بعض ناواقف حنفیوں کو بھی متاثر کرنے لگے۔ اس لئے یہاں مختصراً اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ مسلمان لوگوں کے دھوکہ میں نہ آتے ہوئے اس عبادت سے محروم نہ رہیں۔

سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی نماز پڑھائی لیکن یہ نماز اتنی مرغوب خداوند کریم کی نظر میں تھی۔ اس خوف سے کہ کبھی فرض نہ ہوجائے آپ نے پڑھانا ترک فرما دیا چنانچہ حدیث میں ہے۔

ان عائشۃ اخبرتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من جوف اللیل فصلی فی المسجد فصلی بصلوتہ رجال فاصبح الناس یتحدثون بذلک فاجتمع اکثر منھم فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیلۃ الثانیۃ بصلوتہ فاصبح الناس یذکرون ذلک فکثر اھل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج فصلوا

حضرت عائشہؓ نے عروہ کو خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نکلے اور مسجد میں نماز (تراویح) پڑھی لوگ بھی آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے صبح کو دوسرے لوگوں کے پاس اس کا مذاکرہ کیا دوسری رات جماعت میں لوگ زیادہ شامل ہوئے پھر صبح کو اور لوگوں سے تذکرہ ہوا تو تیسری رات اور زیادہ

بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة	جماعت میں شامل ہوئے چوتھی شب کو لوگ
عجز المسجد عن اهله فلم يخرج اليهم	اس کثرت سے جمع ہوئے کہ مسجد نمازیوں پر تنگ
رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى	ہوگئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں
خرج لصلوة الفجر فلما قضى الفجر	لائے لوگوں نے آپ کو الصلوٰۃ کہہ کر بتانا شروع
اقبل على الناس ثم تشهد فقال	کیا مگر حضور مسجد میں نہیں آئے۔ صرف فجر کی نماز میں
اما بعد فانه لم يخف على شانكم	تشریف لائے اور بعد نماز خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ آج
الليلة ولكنى خشيت ان تفرض عليكم	کی رات تمہاری حالت مجھ پر پوشیدہ نہیں رہی لیکن
صلوة الليل فتعجزوا عنها	بخوف فرضیت تراویح میں نہیں آیا کہ پھر تم ادا
(مسلم ص۲۵۹ ج ۱)	نہیں کرسکوگے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کو ابوداؤد و ترمذی نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ راتیں جن میں آنحضرت نے تراویح باجماعت ادا کی ہیں رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی چوبیسویں اور چھبیسویں اور اٹھائیسویں راتیں تھیں۔ بقیہ راتوں میں آپ نے جماعت نہیں کرائی اور اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ پہلی رات تہائی شب تک اور دوسری رات نصف شب تک اور تیسری رات کو اخیر شب تک تراویح میں صرف کیا کہ صحابہ کو سحری فوت ہونے کا اندیشہ ہوگیا تھا اور جن بقیہ راتوں میں ترک جماعت کی وجہ خود ذکر فرمائی کہ کہیں تمہارے اشتیاق کی وجہ سے یہ نماز فرض نہ ہوجائے۔

لیکن کسی صحیح حدیث میں ان تین راتوں میں سے کسی رات کی نماز تراویح کی رکعات مذکور نہیں ہاں ایک روایت میں ان کی تعداد بیس رکعت آئی ہے جس کو ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ ہم نے روایت کیا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ روایت ضعیف ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری فرماتے ہیں۔

واعلم انهم اختلفوا فى عدد ركعات التراويح ولم يقع فيما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قام ثلاث ليالى عدد ركعاتها بطريق صحيح (بذل المجهود ص۲۹۲ ج-۲) البتہ صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے عدد تراویح کا ثبوت ہوتا ہے جس کی تعداد بیس رکعت ہے یا اس سے زائد۔ جس کی قدرے تفصیل درج ہے:

حضرت عمر سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

(۱) عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب امر رجلا	یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت عمر

یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی (آثار السنن ص۵۵ ج۲)

ابن الخطاب نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاوے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا

(۲) عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ الخ رواہ البیہقی واسنادہ صحیح (آثار السنن ص۵۴ بذل المجہود)

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں صحابہؓ و تابعینؒ رمضان مبارک میں بیس رکعت (بلاوتر) پڑھا کرتے تھے۔

ص۳۳ ج۴ (۳) عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ رواہ مالک

حضرت علیؓ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

(۴) عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً ان یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف (جوہر النقی ص۴۹۶)

ابی الحسناء تابعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بیس رکعت تراویح پڑھانے پر ایک آدمی کو رمضان میں مامور کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے بیس رکعت کا ثبوت

(۵) عن زید بن وہب قال کان عبداللہ بن مسعود یصلی لنا فی شہر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ (رواہ محمد بن نصر المروزی وعینی شرح بخاری)

زید بن وہب تابعی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ماہ رمضان میں ہم کو نماز تراویح پڑھا کر فارغ ہوتے حالانکہ ابھی رات باقی ہوتی۔ اعمش کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابی ابن کعب کا بیس رکعت تراویح پڑھنا

(۶) عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ اخرجہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی (حوالہ مذکور)

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ حضرت ابی ابن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح اور تین وتر مدینہ طیبہ میں پڑھایا کرتے تھے۔

جمہور صحابہ کرام سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

(۷) عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثاً وعشرین رکعۃ۔ رواہ ابن ابی شیبۃ واسنادہ حسن (آثار السنن ص۵۵ ج۲)

عطاء تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کو وتر سمیت ۲۳ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا

(۸) واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلعم عشرین رکعۃ وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔ (جامع الترمذی ص۹۹ ج۱)

بہت سے اہل علم بیس رکعت تراویح کے اسی طرح قائل ہیں جیسے حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے امام سفیان ثوری اور عبد اللہ بن المبارک اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح اپنے شہر مکہ معظمہ میں دیکھا کہ لوگ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے ہیں۔

تابعین وجمہور علمار سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

(۹) واما القائلون فیہ من التابعین فشتیر بن شکل وابن ابی ملیکہ والحارث الهمدانی وعطا بن رباح وابو البختری وسعید بن ابی الحسن البصری واخو الحسن وعبد الرحمان بن ابی بکر وعمران العبدی وقال ابن عبد البر وهو قول جمهور علماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ (عینی شرح بخاری)

جو تابعین بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں، شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطا بن رباح، ابو البختری، حضرت حسن البصری کے بھائی، سعید بن ابی الحسن، عبد الرحمٰن ابن ابی بکر، عمران عبدی، اور علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں بیس رکعت تراویح کے متعلق فرماتے ہیں۔ یہی قول جمہور علمار کا ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہا قائل ہیں اور یہی حضرت ابی ابن کعب سے صحیح ہے صحابہ کرام میں بھی اس کے خلاف کوئی نہیں۔

اجماع صحابہ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت قسطلانی میں ہے۔ وقد عد واما وقع فی زمن عمر کالاجماع (اوجز المسالک ص۳۹۰ التعلیق الممجد ص۵۳) علمار نے حضرت عمر کے اسی قصہ کو مثل اجماع قرار دیا ہے۔ ولکن اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ (تحفۃ الاخیار) بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔

ناظرین کرام کو مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جملہ صحابہ کرام و تابعین عظام و ائمہ کرام و جمہور علمار اسلام تراویح کی نماز بیس رکعت ہی پڑھتے رہے اور اسی کو سنت نبوی خیال فرماتے رہے حضرت عمر فاروقؓ نے بیس ہی کا حکم دیا اور صحابہ کرام نے بیس ہی کو پڑھنا شروع کیا کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جملہ صحابہ کا اس پر اجماع ہو چکا کیونکہ صاحب نور الانوار نے اجماع سکوتی کی

مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وہ خصة وهو ان يتكلم او يفعل البعض دون البعض اى يتفق بعضهم على قول او فعل و سكت الباقون منهم لا يردون عليهم بعد مضى مدة التامل ويسمى هذا اجماعا سكوتيا وهو مقبول عندنا (نور الانوار)

اجماع کی ایک قسم رخصت ہے وہ یہ کہ بعض صحابہ کوئی بات کہیں یا کام کریں اور باقی اس پر سکوت کریں۔ کوئی تردید نہ کرے اس کا نام اجماع سکوتی رکھا جاتا ہے اور یہ عند الاحناف مقبول ہے۔

کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ امر بعید ہے کہ کسی شخص کو خلاف رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے کرتا ہوا دیکھیں اور پھر اس پر سکوت کریں خود کرنا تو علیحدہ امر رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو گونگا شیطان فرمایا ہے۔ وہ صحابہ جن پر کسی دنیاوی حکومت کا رعب نہیں تھا اور جو بے دھڑک غلط بات کا انکار کر دیا کرتے تھے ان سے یہ کیسے ممکن ہے کہ انھوں نے کسی صحابی کو خلاف آنحضرت صلعم کے فعل کرتا دیکھ کر سکوت کیا ہو اور کلمہ حق نہ پہنچایا ہو یہ تو کتمان علم ہے جس پر وعید قرآن و حدیث میں وارد ہے۔ اس لئے ضرور یہ کہنا پڑے گا کہ صحابہ کو اس فعل کے متعلق بارگاہ رسالت سے علم ہو چکا ہو گا تب ہی تو انھوں نے سکوت کیا۔

فقہائے امت اسی چیز کو ظاہر فرما رہے ہیں چنانچہ

عن ابی یوسف قال سألت ابا حنيفة عن التراويح وما فعله عمر رضی اللہ عنہ فقال التراويح سنة موكدة فلم يتخرصه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به الا عن اصل لديه وعهد من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

(مراقی الفلاح)

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے تراویح کے متعلق پوچھا اور جو حضرت عمرؓ نے کیا اس کے متعلق دریافت کیا تو حضرت امام نے جواب دیا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے اٹکل نہیں لگائی اور نہ وہ اس میں جدید فعل کرنیوالے ہیں انھوں نے جو کچھ امر فرمایا اس کی اصل ضرور ان کے پاس ہے اور آنحضرت صلعم سے اس کا علم انکو ہو چکا تھا

اور اسی کو اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث مرفوع بیان کیا گیا ہے

ومثال المرفوع من الفعل حكما ان يفعل الصحابى ما لا مجال للاجتهاد فيه فينزل على ان ذلك عنده عن النبى

حکماً فعلی حدیث مرفوع کی مثال یہ ہے کہ صحابی ایسا فعل کرے جس میں رائے و قیاس کو دخل نہ ہو پس یہ بمنزلہ اس کے سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں علم ہو چکا ہے۔

خلاصۃ الکلام تراویح کی نماز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے حضور صلعم نے اس کی ترغیب دی اور بعض مرتبہ خود ابتدائے رات سے اخیر شب تک تراویح پڑھتے رہے ہاں سند صحیح سے اس کی تعداد رکعت معلوم نہیں لیکن ابن ابی شیبہ و بیہقی کی روایت سے (جو سند اگرچہ ضعیف ہے) بیس رکعت کا پتہ چلتا ہے اور صحابہ کرام کے عمل سے اس کو تقویت ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے اپنی خلافت کے آخری دور میں حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو جماعت تراویح کے لئے مامور فرمایا اور ان حضرات نے بیس رکعت تراویح پڑھائی۔ اور تعداد رکعت ایسا امر ہے کہ جس میں انسانی رائے و قیاس کو دخل نہیں اس واسطے حضرت عمر کا بیس رکعت پر مامور فرمانا حکماً حدیث مرفوع ہوا۔ اسی طرح تمام صحابہ کا اسی تعداد کو معمول بہا قرار دینا فعلاً حکم میں حدیث مرفوع کے ہے اور اسی طرح کسی صحابی کا اختلاف نہ کرنے سے اجماع صحابہ ثابت ہوا۔ اور امت کا بلا اختلاف اس کو قبول فرمانے سے اجماعِ امت سے بھی تراویح کا بیس رکعت ہونا ثابت ہوا۔ لہذا ایک ایسا امر جو حدیث نبی و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہو اس کو بدعت خلاف سنت بعض فرقوں کا خیال کرنا جملہ صحابہ و تابعین و ائمہ دین اور سلف پر زبان طعن دراز کرنا ہے اللھم احفظنی۔

اور اگر بالفرض ان دلائل سے تراویح کا بیس رکعت ہونا ثابت نہ ہونا اور جیسا کہ بعض فرقے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فاروق نے اس کو ایجاد کیا پھر بھی امت کے لیے ضروری الاتباع ہے کیونکہ حضور فرماتے ہیں علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ۔ حضرت عمر اور حضرت علی و عثمان کا خلفاء راشدین میں ہونا متفق ہے

سنت خلفاء اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغائر ہونا بھی ضروری ہے اس لئے کہ سنت خلفاء اگر صرف اسی لیے ضروری الاتباع ہے کہ وہ پیغمبر کی سنت ہے اور انھوں نے اس پر عمل کیا تو اس میں اس طرح زید و عمرو بکر وغیرہ کی سنت بھی جو واقع میں سنت رسول اللہ ہو ضروری الاتباع ہوگی پھر تخصیص کے کیا معنی۔ اگر کہا جائے کہ یہ تخصیص ان پر اعتماد کی وجہ سے ہے کہ وہ کوئی کام کر ہی نہیں سکتے جو سنت رسول اللہ صلعم نہ ہو تو اس طرح یہ لازم آئے گا کہ عدد بیس تراویح کی رسول اللہ صلعم کے سنت ہے ورنہ خلفاء راشدین اس پر عمل نہ کرتے بالغرض قاعدہ مذکورہ بہر صورت سنت خلفاء راشدین ان کی اپنی سنت ہو کر ضروری الاتباع ہو یا سنت رسول اللہ صلعم ہو کر ضروری الاتباع ہو

عدد بیس کا ضروری الاتباع ہے۔ اب اخیر میں دو شبہے ایسے ہیں کہ جس سے بعض اہل حدیث خود دھوکہ میں آجاتے ہیں اور غیروں کو بھی دھوکہ میں مبتلا کرتے ہیں اس لئے ان دونوں کا مختصر جواب بھی عرض کرتا ہوں۔

شبہ اول بیس رکعت تراویح پر امت کا اتفاق بیان کرنا غلط ہے اس لئے کہ اسلاف میں بعض اکتالیس اور بعض چھتیس اور بعض انتالیس رکعت بھی پڑھا کرتے تھے جیسا کہ امام ترمذی اور محمد بن نصر المروزی وغیرہم نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

جواب بالکل صحیح ہے لیکن یہ ہمارے دعوے کے خلاف نہیں اور نہ تعداد بیس سے کوئی تعارض ہے اس لئے کہ تراویح تو ۲۰ ہی رکعت جماعت سے پڑھنی چاہئے اور تین وتر لیکن ہر چار رکعت کے بعد جو بمقدار چار رکعت لوگ آرام کے لئے بیٹھتے ہیں اس میں بعض بزرگو نے چار رکعت نفل بلا جماعت پڑھی ہے تو اس طرح سے بجز بیچ کی نوافل دو وتر بیس رکعتیں ہوں گی اور نوافل درمیانی ملاکر سولہ وتر ۳۶ رکعتیں اور مع وتر ۳۹۔ اور وتر کے بعد والی دو رکعتیں ملاکر ۴۱ ہو جائیں گی اب ۲۰ و ۲۳ و ۳۶ و ۳۹ و ۴۱ کے اعداد میں کوئی تعارض نہ رہا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ امت میں کوئی بھی بیس رکعت تراویح کے خلاف نہیں ہے

شبہ دوم حضرت عائشہؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح کی نماز آٹھ ہی رکعت ہے اس لئے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں آٹھ ہی پڑھا کرتے تھے۔

عن عائشۃ قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھا کرتے تھے

جواب اس حدیث کو مسئلہ تراویح سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ نماز تہجد کے بارے میں سوال و جواب ہے کیونکہ تراویح اور نماز ہے اور تہجد اور دونوں میں بون بعید ہے (کما لا یخفی علی من لہ ادنی ممارستہ فی الحدیث) اس کی اصلیت یوں ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان فرمایا ہے کہ کان رسول اللہ صلعم یجتھد فی رمضان ما لا یجتھد فی غیرہ وفی العشرۃ الاخیر ما لا یجتھد فی غیرہ چونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک میں عبادت کی کثرت میں مشغول ہونا معلوم ہوا ہے اس لئے سائل کو خیال ہوا کہ شاید آنحضرت صلعم نے نماز تہجد کی رکعات کی تعداد میں بھی رمضان مبارک کے اندر زیادتی فرمائی ہوگی لہٰذا تہجد رمضان کی کیفیت کا سوال کیا اس پر حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ تعداد رکعات تہجد میں آپ زیادتی نہ فرمایا کرتے تھے ما کان یزید میں نفی زیادت خود اس امر کا قرینہ ہے کہ یہ سوال اس نماز سے تھا جس کی تعداد رکعات پہلے سے متعین تھی اور اب بوجہ فضیلت رمضا

زیادتی کا شبہ تھا۔ تراویح تو غیر رمضان میں مشروع ہی نہیں پھر رمضان میں اس کی زیادتی کا شبہ واقع ہونا چہ معنیٰ۔ جب تراویح میں شبہ زیادتی نہیں ہو سکتا ہے تو ماکان یزید سے اس کی نفی کرنا کیا فائدہ۔ البتہ تہجد کے متعلق نفی زیادہ صحیح ہو سکتی ہے علیٰ ہذا جواب میں صدیقہؓ کا فی رمضان ولا فی غیرہا فرمانا صاف قرینہ ہے کہ تراویح سے سوال نہ تھا اس لئے کہ تراویح تو غیر رمضان میں ہوتی نہیں بلکہ سوال تہجد سے تھا جو بارہ مہینہ میں یکساں ہوا کرتی ہے اس لئے صدیقہؓ نے جواب میں تعمیم سے فرمایا کہ تہجد ہمیشہ برابر ہوا کرتی تھی یہ روایت تراویح کے ذکر سے ساکت ہے اور تہجد اور تراویح کے دو ہونے کے لئے غیر مقلدین زمانہ کے مشہور استاذ محدث بزرگ مولانا نذیر حسن صاحب کی عملی شہادت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد و تراویح دو نمازیں جدا جدا ہیں۔

رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کا بحالت قیام ہر سال سنتے ایک تو نماز عشا کے بعد تراویح میں دوسرا ختم سنتے نماز تہجد میں۔ انتہی ملخصاً (الحیاۃ بعد المماۃ ص۱۳۲) اور جب نماز تراویح اور نماز تہجد دو ہیں تو حضرت عائشہ کی روایت تہجد کے متعلق ہے تراویح کے بارے میں نہیں لہٰذا اس حدیث سے نماز تراویح کو آٹھ رکعت بتانا ناواقفیت کی دلیل ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھیں اور اس میں ایک ختم قرآن مجید کا سنیں اور کسی غیر کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

جناب مولانا سید محمد صاحب ٹونکی

تراویح اور حفّاظ

اکثر دیکھا گیا ہے کہ رمضان المبارک میں مسلمانوں کے خیالات مذہب کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اور ہونا بھی یہی چاہئے بہت سی باتوں سے ان میں نجات مل جاتی ہے۔ طبیعت کو یکسوئی نصیب ہوتی ہے گویا اس مبارک مہینہ میں ایسی نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے جو مسلمانوں کو مذہب کی طرف لے آتی ہے۔

یہی نکتہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کبار کے مدنظر تھا جنھوں نے سنت تراویح ادا کی بلکہ استقلال کے ساتھ اسے قائم کیا کہ آج تک جاری ہے بظاہر یہی مقصد تھا کہ ہر سال ہر بالغ مسلمان کے کان میں خدا کا کلام پڑ جائے اور وہ سمجھ لے کہ اسلام کیا پیام لایا ہے مسلمانوں کو اس دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے لیکن شارع علیہ السلام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو اگر آپ واقعات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تراویح ایک مذہبی رسم ہے جس کو صرف عادتاً انجام دیا جاتا ہے۔

ممکن ہے میرے ان الفاظ پر بعض قارئین ناراض ہوں لیکن ذرا غور سے کام لیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ غلط نہیں ہے۔ رمضان شریف میں چاند نظر آنے پر مسجد میں قرآن شریف سنایا جائے گا۔ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد سنے گی اکثر ایسے ہوں گے جو ایک رمضان میں تین تین چار چار قرآن شریف سنیں گے۔ ان میں سے بیشتر تعداد ان لوگوں کی ہوگی جو کم و بیش بیس پچیس سال سے مسلسل رمضان میں قرآن شریف سنتے رہے ہیں۔ لیکن کبھی کسی نے اس پر بھی غور کیا کہ اسلام کی حقیقت اور قرآن کی تعلیم سے سب سے زیادہ بیگانہ اور ناآشنا لوگ کون ہیں؟ وہی حافظ جن کی تمام عمر کی کمائی قرآن اور صرف حفظ قرآن ہے اور وہی لوگ جو عمر بھر قرآن سنتے رہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وہی یعنی تراویح ایک رسمی بیگار ہے جس سے انھیں واقعی طور پر کوئی لگاؤ نہیں۔

کلام مجید ایسے مقامات سے خالی نہیں وہ ان تمام باتوں سے پر ہے جو سوز و گداز لطف و کیف پیدا

کرتی ہیں اکثر آیات جب کبھی لسان نبوت پر آئی ہیں تو سرشاری و وجد کے عالم میں تمام رات دہرائی گئی ہیں مثلاً اکثر احادیث میں ہے آپ جب اس آیت پر پہنچے ان تعذبہم فانہم عبادك وان تغفرلہم فانك انت العزیز الحکیم۔ تو تمام رات پڑھتے رہے۔ دوسری آیتیں بھی ہیں مثلاً

نبئی عبادی انی انا الغفور الرحیم۔	میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں غفور الرحیم ہوں
یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الٰی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔	اے مطمئن روح اپنے پروردگار کی طرف جا اس حالت میں کہ وہ تجھ سے اور تو اس سے راضی۔ بس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں

اور اسی طرح کی بہت سی ایسی آیتوں کے موجود ہوتے ہوئے ان کے کیف سے محروم رہنے کی صرف یہی ایک وجہ ہے کہ حافظ صاحب کو کچھ یاد ہے جسے وہ سنانا چاہتے ہیں اور مقتدی بھی بس صرف سننا چاہتے ہیں جب سنا چکتے اور سن چکتے ہیں تو دونوں اسلام کی تعلیم سے کورے کے کورے نکلتے ہیں نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ تراویح سن کر نکل رہے ہیں ابھی مسجد کی سیڑھیوں پر ہی ہیں کہ لوگوں کی غیبت شروع ہو گئی اگر تعریف بھی کی تو اس بات کی کہ فلاں مسجد میں تو ایک ہی پارہ نو بجے تک ہوتا ہے ہمارے یہاں تو تین پارے پونے نو بجے ہو چکتے ہیں۔ اجی حافظ جی کیا ہیں طوفان میل ہیں بھلا ان سے کون تیز پڑھ سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کس نے پڑھا ہے اور کس نے الفاظ کاٹ ڈالے۔

تعجب ان لوگوں اور ان کی ذہنیت پر نہیں ہے ماتم ہے علماء کے اس سکوت کا جس نے صدیوں شبینے سنے اور ان کے خلاف کبھی ایک لفظ نہ کہا۔

تعلیم پر اگر غور کیجئے تو ذمہ داری کے احساس کو قرآن سے زیادہ کسی کتاب نے اپنے قارئین کے ذہن نشین نہ کیا ہوگا کہیں یہ کہا گیا ہے کہ "تم کو وہی ملے گا جس کی تم نے کوشش کی ہے" کہیں یہ سنایا گیا ہے کہ اگر تم نے ذرہ برابر نیکی کی ہے تو اس کا بدلہ تم کو ملے گا اور اگر ذرہ برابر برائی کی ہے تو اس کو بھی بھگتو گے" کہیں یہ جتایا گیا ہے کہ "ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" قیامت کے مناظر میں بھی یہی حقیقت سامنے لائی گئی ہے غرض طرح طرح سے اعمال کی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور صاف بتا دیا گیا ہے کہ تم کو اپنے اعمال کے نتائج سے کسی حالت میں مفر نہیں۔ لاپروائیاں اور بداعمالیاں انجام کار رنگ لا کر ہی رہتی ہیں سب سے زیادہ اہم سابقہ کے واقعات دہراتے گئے ہیں کہ ہم دیکھیں کہ دنیا میں بدکردار اور بے پرواہ اقوام کا کیا حشر ہوا لیکن کلام پاک میں اس پر جتنا زیادہ زور دیا گیا ہے جتنی اسے مرکزی حیثیت دی گئی ہے اتنے ہی قارئین اور سامعین قرآن اس سے غیر مانوس اور ناآشنا ہیں۔

ان کی لاپروائیوں کی فہرست بہت طویل ہے جن کے گنانے کا نہ یہ وقت ہے اور نہ یہ موقعہ۔ اتنا ضرور عرض کرسکتا ہوں کہ ہندستان میں شاید ہی کوئی قوم اپنے افعال کے نتائج سے اتنی لاپرواہ اور اپنے مستقبل سے اتنی غافل ہو جتنے یہ آٹھ کروڑ فرزندان توحید ہیں۔

اگر وقت کی ہمارے دلوں میں کوئی قدر ہے اور زندگی کی ہمارے بازار میں کوئی قیمت ہے اور اگر ہم اپنی محنتوں کو برباد کرنا نہیں چاہتے تو ہمارا فرض اور اولین فرض ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہماری تمام عبادات کا مقصد کیا ہے؟ یا ان سے ہماری زندگی اور سیرت پر کوئی اثر پڑنا چاہیئے اور پڑتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں پڑتا تو اس کے کیا وجوہ ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ان سے کچھ حاصل کرسکتے ہیں یا محض مذہبی ورزشیں ہیں جن سے نہ صحت ہی اچھی ہوتی ہے نہ ذہن اور خیالات ہی میں بلندی اور صفائی پیدا ہوتی ہے۔

تمام عبادات کا مسئلہ تو بہت بڑا ہے میں اس وقت صرف رمضان کی خاص عبادت یعنی تراویح کو لیتا ہوں تراویح کی حقیقت کو ہم صرف اس وقت پا سکتے ہیں جب قرآن کریم کے معانی پر ہماری نظر ہو ہر شخص کو ان پر عبور حاصل ہونا ذرا دشوار طلب ہے اس کی صرف ایک صورت ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ کسی مسجد میں ایک سے زیادہ کلام پاک ختم نہ کیا جائے اور اس طرح پڑھا جائے پہلے چار دن تو سوا سوا پارہ اور پھر پانچویں رات سے انتیس تک ایک ایک پارہ پڑھا جائے۔ جو کچھ پڑھا جائے ترتیل کے ساتھ مگر اس نہ کاٹی جائے۔ سنانے والے حافظ صاحب یا تو خود کلام پاک کا ترجمہ دیکھ کر اس کا خلاصہ یاد کرلیں یا پھر ہر شہر میں ایک ادارہ قائم کیا جائے جو حافظوں کو بتائے یا اس قسم کی کتابیں شائع کی جائیں جو حافظ کی رہنمائی کرسکیں کہ حافظ صاحب تراویح شروع کرنے سے پہلے مقتدیوں کو بتادیں کہ جو کچھ پڑھا جائے گا ان میں کن کن امتوں کے کون کون سے حالات اور ان کے نتائج بیان کئے گئے ہیں اس سے مسلمانوں کو کیا سبق سیکھنا چاہیئے اور پھر اسی ضمن میں کون کون سے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

میں کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ طریق بہتر ہوگا چار چار پانچ پانچ قرآن ہر رمضان میں سننے اور کورے رہنے سے یہ کہیں اچھا ہوگا کہ صرف ایک قرآن شریف مہینہ بھر میں سنیں اور کچھ نہ کچھ اس سے حاصل کرلیں۔ اسلام کی تعلیم کان میں پڑے اور رسوم کے بندوں کو معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے لئے کیسی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔

امام الہند جناب مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

زکوٰۃ کی تنظیم

سنہ ۱۹۴۳ء عید الفطر کے موقع پر کلکتہ کے میدان میں حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے حسب معمول نماز پڑھائی اور ایک زبردست خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اپنے مطالب کے اعتبار سے درحقیقت ملک کے مسلمانوں کے لئے ایک پیام عمل ہے۔ مولانا کے اس خطبہ کو ہم نظام المشائخ سے تمام و کمال شائع کرتے ہیں ——————— ادارہ

برادران عزیز!

عید کا خطبہ جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کے لئے وقت مختصر ہے۔ میں طوالت کو نظر انداز کر کے آپ سے بہت ہی مختصر باتیں کروں گا۔

برادران عزیز! تم کو معلوم ہے کہ ہر اسلامی حکم میں انفاق کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ انفاق کے معنی یہ ہیں کہ اسلام تمہاری جیبوں سے کچھ چاہتا ہے۔ حج، زکوٰۃ اور دوسرے احکام میں بھی یہی بات پاؤ گے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

عید کے موقع پر تم لوگوں میں سے بہت سے لوگوں نے فطرہ دیدیا ہوگا اور بہت سے لوگ فطرہ دیں گے لیکن میں کہوں گا کہ تم میں فطرہ، صدقہ، زکوٰۃ تقسیم کرنے کا طریقہ اچھا نہیں ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس موقع پر ہندستان کے ہر گوشے سے بھیک مانگنے والے اور گداگر اپنی جھولیاں سنبھالے کلکتہ پہنچ جاتے ہیں۔

برادران عزیز! تم جانتے ہو کہ زکوٰۃ کیا ہے۔ زکوٰۃ ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلام نے ہر اس آدمی پر عائد کیا ہے جس نے سال کے بارہ مہینوں میں کھا پی کر ایک خاص رقم جمع کر لی ہو۔ اسلام کی زکوٰۃ یعنی ٹیکس یہ ہے کہ جس آدمی نے سال بھر میں چالیس روپے جمع کر لئے ہوں وہ ایک روپیہ ٹیکس

داخل کرے۔ انگریزی حکومت بھی ٹیکس لیتی ہے لیکن اس ٹیکس اور اسلامی ٹیکس میں فرق یہ ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس کی رقمیں غربا و مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔ اسلام نے ٹیکس کی رقموں کو صرف کرنے کے لئے آٹھ حلقے بتلائے ہیں اور یہ حلقے غربا اور محتاجوں کے حلقے ہیں۔

برادران عزیز! قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا صاف و صریح حکم موجود ہے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر فرض کی ہے قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ بار بار ذکر آیا ہے لیکن ہندستان کے مسلمان اس اہم فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ تم میں سے بعض لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ دینے والے بھی نہ دینے والوں کے برابر ہیں کیونکہ وہ اسلامی احکام کے مطابق زکوٰۃ نہیں دیتے

تم کو معلوم ہے کہ انکم ٹیکس وصول کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے کلکٹر مقرر ہوتے ہیں جو دفاتر اور کھاتوں کی جانچ پڑتال کرکے ٹیکس کی رقمیں متعین کرتے ہیں لیکن اسلامی ٹیکس (زکوٰۃ) نکالنے میں اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آئی اسلام نے اپنے ٹیکس کی ادائیگی میں تمہیں کتنی آسانیاں دے رکھی ہیں۔ تم خود اپنے کاروبار اور اپنی آمدنی کا جائزہ لو۔ اپنی آمدنی کا تعین کرو اور اپنے ہی ہاتھوں سے زکوٰۃ نکالو۔ کیا اس سے بھی زیادہ آسانیاں ممکن ہیں؟

برادران عزیز! یقین مانو کہ تم میں سے جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ اسلامی احکام کے مطابق نہیں نکالتے اور وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ تمہاری زکوٰۃ کی رقمیں برباد جاتی ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور تم اپنے انفرادی ہاتھوں سے خرچ کر رہے ہو اسلام کا حکم صحابہ کا عمل اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ ہونی چاہئیں انفرادی طور سے خرچ کرنے کی بدعت خلفائے راشدین کے بعد سے شروع ہوئی۔

تم کو معلوم ہے کہ خلفائے بنو امیہ کے ابتدائی دور میں صحابہ کرام میں یہ سوال پیش ہوا کہ موجودہ خلیفہ بہت فاسق و فاجر ہے زکوٰۃ کی رقمیں کیونکر بیت المال میں بھیجی جائیں تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا کہ خلیفہ کے فسق و فجور سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی خلل نہیں آتا زکوٰۃ کی رقمیں اسی خلیفہ کو بھیجی جائیں چنانچہ یہی ہوا۔ عباسی دور حکومت میں جب تاتاری کافروں اور مشرکوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور خلافت کا خاتمہ کر ڈالا اس وقت کے مسلمان اعیان و اکابر نے فیصلہ کیا کہ اگر موجودہ حالات کے ماتحت حکومت نہیں بدلی جا سکتی تو حکومت سے درخواست کی جائے کہ ہماری زکوٰۃ کی رقمیں وصول اور تقسیم کرنے کے لئے قاضی اور عمال مقرر کر دے۔

بعض لوگ یہ عذر لا سکتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے زکوٰۃ کی اجتماعی تقسیم کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عذر بالکل لنگ بلکہ بے بنیاد ہے وہ تمہارا کونسا کام ہے جو رکا رہتا ہے اس حالت میں بھی تم اگر اجتماعی تقسیم کا انتظام کر سکتے ہو تو یہ عذر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تم فضول، لغو اور غیر اسلامی کاموں کے لئے آئے دن انجمنیں بناتے رہتے ہو کیا ایک اسلامی کام کے لئے کوئی ایسی انجمن نہیں بنا سکتے جو تمہاری زکوٰتوں کو اسلامی طریقہ پر خرچ کر سکے۔

برادران عزیز! بات دراصل یہ ہے کہ یہاں اسلام کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی کا ایک مکمل نقشہ پیش کرتا ہے اسلام ایک نقشہ ہے مکمل اور اجتماعی زندگی کا اور وہ نقشہ بدل چکا ہے جس طرح تم مکان بناتے ہو اس میں مختلف خانے ہوتے ہیں کوئی خانہ سونے کا ہوتا ہے کوئی باورچی خانہ ہوتا ہے۔ کوئی سامان رکھنے کا خانہ ہوتا ہے ایک انسان اپنے تمام کاموں کے لئے اگر ایک ہی خانہ متعین کرے اور دوسری ضرورتوں کے لئے اس کا کوئی خانہ نہ ہو تو بتاؤ وہ گھر کا صحیح لطف اٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جب تک تم اسلام کے تمام خانوں کو سامنے نہیں رکھو گے اس کے فیوض و برکات سے لطف نہیں اٹھا سکتے

دراصل مسلمانوں نے اسلامی احکام کو چھوڑ دیا ہے البتہ ان میں نمائشی اور بے روح کی سرگرمیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک زکوٰۃ ہی کے حکم کو دیکھو اگر مسلمان اس پر عامل ہوتے تو آج ان کی یہ حالت نہ ہوتی زکوٰۃ اسلام کا اتنا جامع اور اکمل اصول ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اسلام نے زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اس سے غرباء، مساکین اور محتاجوں کی امداد ہوتی رہے۔

اسلام نہیں چاہتا کہ ساری دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع رہے اسلام نے مسلمانوں کی یہ پہچان بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں کھلی رہتی ہیں یعنی وہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں اور کافروں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں بند ہوتی ہیں یعنی نیک کاموں پر خرچ نہیں کر سکتے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ دولت کسی شخص کی اجارہ داری میں آجائے یا کوئی شخص اپنے پاس ڈھیر لگائے۔ اسلام ڈھیر کا سخت مخالف ہے اسلام چاہتا ہے کہ دولت تقسیم ہوتی رہے اس کا یہ اصول زکوٰۃ اور وراثت میں بالکل مساوی بنیاد پر قائم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بارہ میں سوشلزم اور اسلام کے اصول ایک ہی ہیں ایسا کہنے والے نہ صرف یہ کہ غلط کہتے ہیں بلکہ دیانتداری کے خلاف کہتے ہیں۔ سوشلزم چاہتا ہے کہ دولت کی برابر تقسیم ہو۔ اگر ایک آدمی کے پاس سو روپے ہوں تو سب کے پاس سو سو روپے ہونے چاہئیں۔

لیکن اسلام یہ نہیں کہتا۔ اسلام صرف یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کے پاس روپے ہوں۔ اسلام حق مساوات تسلیم کرتا ہے لیکن مقدار مساوات تسلیم نہیں کرتا۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب ایک ایک آدمی پیدا ہوا تو اس کی زندگی سوسائٹی پر فرض ہوگئی۔ سوسائٹی کا فرض ہے کہ اسے زندہ رہنے دے۔ اسلام نے اقتصادی مساوات نہیں تسلیم کی ہے بے شبہ اسلام میں اونچ نیچ کوئی طبقہ نہیں ہے لیکن اسلام نے غرباء اور امراء کے طبقات تسلیم کئے ہیں قرآن حکیم میں خداوند کریم نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ ہم نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ سوشلزم جس قسم کی مساوات پیش کرتا ہے وہ بالکل غیر فطری ہے۔ دنیا کا وجود ہی کشاکش پر قائم ہے پھر غیر فطری مساوات کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج دنیا میں سوشلزم اور اشتراکیت کے اصول پھیلے جا رہے ہیں اور دنیا ایک اصول کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اگر آج ساری دنیا اسلامی اصول اختیار کرلے تو سوشلزم اور اشتراکیت کی قطعی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ صرف اسلامی اصول ہی دنیا کی پیاس اور تشنگی کو دور کر سکتا ہے۔

برادران عزیز! میں پھر تم سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں ان کی رقمیں برباد جاتی ہیں۔ میں تمہارے سامنے اس منبر پر پوری شرعی ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ زکوٰۃ کی جو رقمیں اس طرح خرچ کی جاتی ہیں وہ اللہ کی منشار کے مطابق خرچ نہیں ہوتیں۔ میں جانتا ہوں کہ شرعی ذمہ داری کی کیا اہمیت ہے اور اس اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تم سے بار بار کہتا ہوں کہ زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور پر خرچ کرو۔

تم نہیں جانتے ہو کہ اسلامی طور سے خرچ کرنے میں اسلامی احکام کی بجا آوری کے علاوہ کیا فوائد ہیں کاش میں اس کے فوائد سمجھانے کے لئے اپنا دل چیر کر تمہارے سامنے رکھ دوں اور تم اس کی رگوں کو پڑھ سکو۔ میں بالکل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان اسلام کے اور اصولوں کی پابندی نہ کریں اور صرف زکوٰۃ ہی کے اصول پر پابند رہیں جب بھی ان کی حالت بہت جلد بدل سکتی ہے۔ اگر تم نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو یقیناً ۲۴ گھنٹے کے اندر تمہاری حالت کیا سے کیا ہو سکتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تم جن فقیروں، جن ملاؤں، جن پیروں اور جن لوگوں کو دیتے ہو نہ دو۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اجتماعی ہاتھوں سے دو۔ انہی لوگوں کو دو جنہیں تم دیتے ہو لیکن خدارا انفرادی ہاتھوں سے نہ دو۔ اگر تم انہی لوگوں کو اجتماعی ہاتھوں سے دے سکتے ہو تو تمہیں کیوں ضد ہو گئی ہے کہ

انفرادی ہاتھوں سے دے کر اسلامی احکام کے خلاف کام کرتے ہو۔

میں کم سے کم کلکتہ کے مسلمانوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ کوئی ایسی جماعت بنائیں جو ان کی زکوٰۃ کا صحیح مصرف کر سکے اور اس میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے نمائندے شریک ہوں۔ یا ہر طبقہ میں اس قسم کی جماعت بنائی جائے جو اس طبقہ کی زکوٰۃ کی رقمیں اسلام کی بنائی ہوئی حدود کے اندر خرچ کر سکے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری رقمیں ان لوگوں پر خرچ کی جائیں جنھیں تم دینا چاہتے ہو تو یہ کر سکتے ہو کہ اپنی جمعیت کو ان اشخاص کے نام کی اطلاع کر دو۔

بہرحال کلکتہ کے مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ کرنے کے لئے ایک نمائندہ جماعت یا متعدد نمائندہ جماعتیں بنائیں اور کلکتہ میں اس کی پہلی مثال قائم کریں انشاء اللہ العزیز یہاں کے دیکھا دیکھی اور شہروں میں بھی اسی قسم کی جماعتیں بن جائیں گی۔

جناب مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرزاپوری

مصاحفِ عہدِ رسالت

عہدِ نبوی میں کتابتِ قرآن ترتیبِ قرآن کی دو قسم ہیں نزولی اور رسولی۔ قسم دوم کی ترتیب باشارہ وحی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں دی تھی اور اسی کے مطابق دنیائے اسلام میں جب سے اب تک قرآن شریف کی کتابت، طباعت، اشاعت برابر جاری ہے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدرتاً لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے تلاوت کے مطابق مرتبہ قرآن کا کوئی نسخہ نہ اپنی ذات کے لئے لکھا نہ غیر کے لئے لیکن ہاں اس قحط الکتابت کے زمانہ میں تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ خود مسلمانوں میں بھی تقریباً اکتالیس صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں سے چوبیس صحابہ کا نام علامہ ابن عبدالبر نے بھی لکھا ہے[1] جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ضرورت لکھنے پڑھنے کا کام لیتے تھے[2]، انھیں میں سے وہ صحابہ کرام بھی تھے جنھیں دربار رسالت میں کاتب وحی ہونے کی عزت حاصل تھی جیسے حضرات خلفاء اربعہ، زبیر بن العوام، خالد، ابان، علاء، شرجیل، عبداللہ بن رواحہ زید بن ثابت، معاویہ وغیرہ رضی اللہ عنہم[3]

قرآن پاک کی حفاظت کی دو صورتیں تھیں اول سینہ یعنی پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدر شریف میں رکھ کر پھر دوسروں اور وہ تیسروں کو اسی طرح سلسلہ بسلسلہ زبانی یاد کرتے کراتے تھے۔

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۲، [2] ضرورت کتابت کا ایسا عام احساس تھا کہ سفر و حضر میں بھی کتابت اور سامان کتابت ساتھ رکھتے تھے چنانچہ سفر ہجرت میں حضور صلعم جب غار ثور سے نکل کر مدینہ روانہ ہوئے، کفار قریش کے انعام کی طمع میں سراقہ ابن جشم آپ کے قریب پہنچ گیا آخر کرشمہ قدرت سے مجبور ہو کر تحریری امن کی درخواست کی اور اس پریشانی اور بے سر و سامانی کی حالت میں بھی قلم دوات موجود تھا اور حضور صلعم نے فوراً ابوبکر صدیق کے غلام عامر بن فہیرہ سے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھوا دیا (بخاری)، [3] بعض مورخین نے کاتبان وحی کی تعداد بیالیس تک لکھی ہے۔

دوم سفینہ اس کی صورت بھی حفظ فی الصدر کی طرح تھی بلکہ اس سے زیادہ انتظام و اہتمام تھا۔ مثلاً (۱) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عام حکم تھا کہ مجھ سے قرآن کے سوا کوئی کچھ نہ لکھے جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا ہو چاہئے کہ وہ اسے مٹا دے[1]

(۲) قرآن کا جو حصہ جب نازل ہوتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت کاتبان وحی میں سے کسی کو بلوا کر اس سے اس کو لکھوانے، پھر پڑھواتے غلطی ہوتی تو اصلاح فرما دیتے تھے۔[2] مگر یہ لکھنا بطور یادداشت ہوتا تھا اسی لئے عجلت میں رق (چمڑے کے ورق) عسیب (کھجور کی شاخ) لخف (پتھر کی پتلی تختیاں) کتف (اونٹ اور بکری وغیرہ کے شانے کی چوڑی ہڈیاں) قتب (پالان کی لکڑی) وغیرہ جو کچھ بھی مل جاتا کاتب وحی متفرق چیزوں پر لکھتے تھے۔

(۳) بعض کاتب وحی مثلاً حضرت زیدؓ بن ثابت المتوفی ۴۵ھ جو خود بھی تلاوت رسول کے مطابق مستقل طور پر جامع قرآن تھے، ان کو حضور صلعم جب وحی لکھاتے تھے تو وہ اوروں کے پاس بھی لے جاتے اور وہ لوگ اس کو ان سے لکھ لیتے تھے[3]

(۴) یہ بھی ہوتا تھا کہ دیگر اوقات میں شائقین حلقہ کر کے بیٹھتے حضور انہیں قرآن پاک اپنی زبان فیض ترجمان سے پڑھ کر سناتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ غالباً یہ کتابت ترتیب وار ہوتی تھی۔

(۵) کاتبان وحی اور اہل حلقہ سے دیگر صحابہ پھر ان سے اور لوگ علیٰ ہذا القیاس یوں ہی ایک دوسرے سے لکھنے یا نقل در نقل کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

(۶) حسب ارشاد حضور صلعم تلاوت قرآن چونکہ حفظ پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل تھا، اس شوق میں صحابہ جہاد میں بھی لکھا ہوا قرآن دیکھ کر تلاوت کرنے کے لئے لے جانے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بصورت شکست بے ادبی کے اندیشہ سے کفار کے ملک میں قرآن لے جانے سے منع فرمایا[5]

(۷) قرآن شریف لکھنے کا ایسا عام رواج ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مصاحف کہیں لٹکے ہوئے ملاحظہ فرمائے تو اس خیال سے کہ لوگ لکھنے ہی پر نہ قناعت کر بیٹھیں قرآن کو حفظ کرنے کی بھی ترغیب دی[6]

کتابت قرآن کے متعلق ان حالات و واقعات کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظام و اہتمام

---

[1] مسلم و دارمی، [2] مجمع الزواید ص ۶۰ ج ۱، [3] ایضاً، [4] دارمی ص ۴۶۸، [5] بخاری کتاب الجہاد، [6] کنز العمال ص ۱۳۲ ج ۱۵

اور صحابہ کرام کے ذوق طاعت و شوق تلاوت ہی کا نہیں بلکہ اس کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت میں جزو یعنی بعض حصہ قرآن یا پورا قرآن لکھنے والے کتنے تھے نیز کس کثرت سے مصاحف لکھے گئے غرض اسی بنا پر اول وہ متبرک یادداشت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی سے متفرق چیزوں پر لکھواتے تھے جمہوری حیثیت سے کامل طور پر جب تک قرآن پاک کی کتابت بین الدفتین یا کتابی صورت میں نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان جواہر ریزوں کی اس وقت تک اس طور پر حفاظت کی کہ وہ متفرق طور پر متعدد صحابہ کے پاس باحتیاط تمام موجود تھے عہد صدیقی سلسلہ میں جب ضرورت محسوس ہوئی تو طلب کرنے پر لوگوں نے انھیں حاضر کر دیا۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ اول کی طرح خلیفہ سوم نے بھی ان یادداشتوں کو فراہم کرایا اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے شرح بخاری میں تصریح کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس کو جلوایا نہیں بلکہ حکم دیا تھا کہ خرقے کی طرح لپیٹ کر رکھ دیا جائے یعنی اسے کام میں نہ لایا جائے۔ معلوم ہوا کہ وہ مقدس یادداشتیں عہد عثمانی میں ۲۵ھ تک موجود تھیں۔ اور اگر وہ لپیٹ کر رکھ دی گئیں تو بعد کو بھی کچھ دنوں ان کا موجود رہنا یقینی ہے لیکن کام نہ لینے کی صورت میں ان کا فنا ہو جانا بھی لازمی ہے مگر کس کے پاس وہ یادداشتیں رکھی گئیں اور کب مٹیں؟ پتہ نہیں۔

صاحب نفائس الفنون نے لکھا ہے کہ بروایت اہل بیت مصحف فاطمہ کو جو باشارۂ نبوی مرتب ہوا تھا حضرت عثمانؓ نے حضرت علی سے طلب کیا اور اس کا مقابلہ مصاحف سے کیا گیا[1] اس پر مولف حدائق البیان نے لکھا ہے کہ کہیں معتمد اسناد و قرائن حالات سے ثابت نہیں ہوتا کہ عہد سرور کائنات میں ایسا کوئی مرتب ہوا اور خانہ نبوت میں موجود تھا شاید وہی اوراق منتشر[2] بروایت حارث محاسبی ابوبکر کے وقت طلب ہوئے تھے پھر بوقت ترتیب عثمانی بھی طلب ہوتے ہوں (۱) میں بھی کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے نہ خود کوئی قرآن لکھا اور نہ کسی سے لکھوایا نہ اہل سنت کے نزدیک مصحف[3] فاطمہ کوئی چیز ہے، ہاں کیا عجب کہ کتابت مصحف صدیقی کے وقت جو یادداشتیں طلب کی گئی تھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اوسے حضرت علیؓ کو دیا ہو اور وہ حضرت فاطمہؓ کے پاس محفوظ رہی ہوں جسے حضرت عثمانؓ نے بھی بوقت کتابت مصحف عثمانی طلب کیا ہو اور اسی کو صاحب نفائس الفنون نے

---

[1] حاشیہ حدائق البیان ص۹۳ ، [2] ہاں شیعوں کے نزدیک مصحف فاطمہ ایک چیز ہے جس کے متعلق امام جعفر صادقؓ بقسم فرماتے ہیں کہ وہ قرآن سے تگنا ہے اور اس میں اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے (اصول کافی ص۱۴۶)

مصحف فاطمہ سے تعبیر کیا ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس طرح بعد کتابت مصحف عثمانی حضرت عثمان نے مصحف صدیقی کو حضرت حفصہؓ کے پاس واپس فرما دیا تھا اسی طرح ان یادداشتوں کو بھی حضرت فاطمہؓ کے پاس یقیناً بھیج دیا ہوگا۔ مصحف صدیقی تو خیر حضرت حفصہؓ کے بعد مروان کے پاس گیا مگر خدا کہ علیؓ سے مصحف فاطمہ کیا ہوا ؟ واللہ اعلم

دوم جزء قرآن لکھنے والوں کے متفرق اجزاء ہیں، مثلاً حضرت عمرؓ کی بہن کے پاس سورہ طٰہٰ یا سورہ حدید کی لکھی ہوئی وہ آیتیں جس کی زیارت و تلاوت حضرت عمرؓ کے ایمان کی محرک و باعث ہوئی ایسے شخصی اجزاء اکثر اشخاص کے پاس موجود تھے جو غالباً بوجہ شخصی ضرورت تک محدود ہونے کے نہ تاریخی حیثیت حاصل کر سکے نہ مجھے ان کا علم ہو سکا۔

سوم پورا قرآن لکھنے والوں کے کامل مصاحف ہیں جو بکثرت تھے لیکن افسوس کتابوں میں سب لکھنے والوں کے نام مکتوب ہیں نہ ان کے مصاحف محفوظ ہاں روایات صحیحہ سے جو مجھے معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :۔

(۱) امام بخاریؒ نے ایک روایت میں ابو درداءؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابو زیدؓ بن سعید کا اور دوسری روایت میں ابو درداء کے بجائے ابیؓ بن کعب کا

(۲) امام نسائی نے عبداللہؓ بن عمر کا

(۳) واقدیؒ نے ابو موسیٰؓ اشعری، عمروؓ بن العاص، سعدؓ بن عبادہ کا[1]

(۴) صاحب تہذیب التہذیب (ص ۱۱۳ ج ۵) نے عبادہؓ بن الصامت کا

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے (ازالۃ الخفاء ص ۲۰۳ ج ۲) میں عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہؓ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ کا۔

(۶) صاحب کنز العمال (ص ۲۸۱ ج ۱) و طبقات (ص ۲۱۴ ج ۲) نے بعض مذکور الصدر صحابہ کے ساتھ ایک موقع پر ابو ایوب انصاری کا۔

(۷) حافظ ابن سعید نے طبقات (قسم ۲ ص ۱۱۲ ج ۲) میں اکثر مذکور الصدر حضرات کے ساتھ تمیمؓ داری کا بھی نام لکھا ہے اور مجمعؓ بن جاریہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک یا دو سورت جمع کرنے کو باقی رہ گئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا۔

---

[1] خلاصۃ البیان احمد جودت آفندی ۱۲

ممکن ہے تلاش کرنے پر ابھی اور بھی نام ملیں اور یقیناً ملیں گے ورنہ کم از کم ان جامعین و کاتبین قرآن کے لحاظ سے عہد رسالت کے مصاحف کا سراغ بھی پتہ چلتا ہے[1] مصحف ابوالدرداء، مصحف معاذ ابن جبل، مصحف زید ابن ثابت، مصحف ابوزید، مصحف ابی ابن کعب، مصحف ابن عمرؓ، مصحف ابوموسیٰ، مصحف عمرو بن العاص، مصحف سعد بن عبادہ، مصحف عبادہ بن الصامت، مصحف عثمانؓ، مصحف علیؓ، مصحف ابن مسعود، مصحف سالم، مصحف ابوایوب، مصحف تمیم داری، مصحف مجمع بن جاریہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان میں سے جن کے مصاحف ان کے بعد کچھ دن چلے وہ حضرت ابوزید، عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب ہیں۔

مصحف ابوزیدؓ

حضرت ابوزید کا نام قیس ہے، کنیت ابوزید، قاری لقب ہے۔ یہ خزرجی اور حضرت انس بن مالک کے چچا ہیں۔ غزوہ بدر میں شریک تھے، خلافت فاروقی میں اخیر ۱۵ھ میں شہید ہوئے ان کے مصحف کے متعلق بخاری میں حضرت انسؓ کے یہ الفاظ ہیں "نحن ورثناہ" یعنی (ابوزید کے انتقال کے بعد) ان کے مصحف کا مالک و وارث میں ہوں اور حضرت انس کا انتقال چونکہ باختلاف روایت سنہ ۹۱ یا ۹۲ یا ۹۳ ہجری میں ہوا لہذا مصحف ابوزید کا تاریخی وجود تقریباً ایک صدی تک ثابت ہے ہاں اس کے بعد کا حال مجھے معلوم نہیں۔

مصحف ابن مسعودؓ

حضرت عبداللہ ابن مسعود کا شمار اکابر صحابہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ان ممدوحین میں سے ہیں جن سے قرآن پڑھنے کا حکم ہے، ان کے علم کا یہ حال ہے کہ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موازنہ کیا تو تمام صحابہ کا علم (جو جامع علم رسول تھے) ان چھ کے پاس جمع پایا حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت ابی بن کعبؓ پھر ان چھ کا موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے پاس جمع ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کے علم و اجتہاد پر فقہ حنفی کا دارومدار ہے۔ دنیائے اسلام میں آج قرآن مجید کے متعلق قراء سبعہ کی متواتر روایتیں جن صحابہ پر منتہی ہوتی ہیں ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ہیں۔

ان کا مصحف مشہور ہے جس کی بابت علامہ ابن ندیم لکھتے ہیں[2] کہ میں نے ایک قرآن مجید دیکھا جو دوسری صدی ہجری میں عبداللہ بن مسعود کے مصحف سے نقل کیا گیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصحف عبداللہ ابن مسعود سنہ ۲۰۰ھ میں موجود تھا اور لوگ اس کی نقل کرتے تھے۔

---

[1] استیعاب جلد ا ص۳۴۵، [2] کتاب الفہرست لابن ندیم

مصحف ابی بن کعبؓ

حضرت ابی بن کعب کا نام ابی، کنیت ابو المنذر، ابو الطفیل اور سید القراء، سید الانصار، سید المسلمین لقب ہے۔ ان کا شمار بھی اکابر صحابہ اور قراء صحابہ میں ہے، حضور صلی اللہ وسلم نے ان سے بھی لوگوں کو قرآن حاصل کرنے اور سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ ان کا مرتبہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سورت نازل ہوتی حضرت ابی کو سناتے اور یاد کراتے تھے سورہ لم یکن نازل ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن سناؤں۔ یہ سن کر ابی نے کہا کیا خدا نے میرا نام لے کر فرمایا ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ بس حضرت ابی یہ سنتے ہی فرط مسرت میں بے اختیار رو پڑے[۱]۔ مصحف صدیقی اور مصحف عثمانی کی کتابت کے وقت یہ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کو باجماعت کیا تو امامت کے لئے انہیں کو منتخب کیا۔ خلافت عثمانی میں جمعہ کے دن ۳۵ھ میں وفات ہوئی۔

ان کا مصحف بھی مشہور ہے حضرت ابی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد کے پاس مدینہ میں عراق سے کچھ لوگ آئے اور کہا ہم مصحف کی زیارت کو آئے ہیں، محمد نے کہا اس کو تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لیا تھا[۲]۔ علامہ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ فضل بن شاذان فرماتے ہیں' میرے ایک ثقہ دوست کہتے تھے کہ بصرہ کے ایک قریہ میں محمد بن عبد الملک انصاری کے پاس میں نے حضرت ابی بن کعب کا مصحف دیکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مصحف ابی بن کعب عہد عثمانی ہی تک نہیں بلکہ اخیر ۳۷۷ھ میں بھی موجود تھا۔

مَصَاحِفُ صَحَابَہ

عہد صحابہ میں کتابت قرآن عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ ہے۔ قرآن کی کتابت گو عام ہو چکی تھی مگر عہد صحابہ میں نمایاں ترقی ہوئی، صحابہ اور غیر صحابہ دونوں کو اس سے بے حد شغف تھا واقعات ذیل پر غور کرو۔

خلیفہ اول نے حضرت زید بن ثابت سے عہد رسالت میں کاتبان وحی کے لکھے ہوئے آفتاب ہدایت کے ذرہائے پریشان کو یکجا کر کے اس سے وہ جمہوری قرآن لکھوایا جس کا نام مصحف صدیقی ہے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس کامل قرآن لکھا ہوا موجود تھا (بخاری کتاب الاذان وفضائل القرآن) ناجیۃ الطفاوی کا یہی کام تھا کہ وہ مصحف لکھا کرتے (استیعاب قسم ۲ صفحہ ۱۳۱ ج ۲) طاؤس ایک

۱؎ سیر الانصار ص ۱۴۷ ج ۱ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۸ ج ۱

قوم پہ گذرے جو قرآن لکھ کر فروخت کیا کرتے۔ یہ دیکھ کر طاؤس نے بطور افسوس انا للہ پڑھا (طبقات قسم ۲ ج ۳ ص ۲۱۳) حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک مطلا مصحف دیکھ کر فرمایا قرآن کی عمدہ زینت اس کی تلاوت ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۳۳) ام المومنین حضرت ام سلمہ نے عبد اللہ بن نافع سے اپنے لئے مصحف لکھوایا تھا (ایضاً ج ۱ ص ۲۳۳) عقبہ بن عامر نے بھی قرآن لکھا تھا علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ خلیفہ اول کے عہد میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن کے نسخے لکھے ہوئے نہ ہوں (کتاب الفصل فی الملل والنحل)

خلیفہ دوم معارف ابن قتیبہ میں ہے۔

"قد كتب زيد لعمر بن الخطاب" کہ زید بن ثابت نے عمر بن الخطاب کے لئے قرآن لکھا چنانچہ حضرت عمر کے پاس (طبقات قسم ۲ ج ۳ ص ۶۱) اور عبداللہ بن عمر (طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۱۱۱) نیز ام المومنین حضرت حفصہ (ایضاً ج ۵ ص ۲۳) کے پاس کامل قرآن مکتوب موجود تھا۔ کسی نے قرآن میں ہر آیت کے ساتھ اس کی تفسیر بھی لکھی تھی حضرت فاروق اعظم نے دیکھ کر (اس خوف سے کہ قرآن میں غیر قرآن کو لوگ خلط نہ کر دیں) اس کو ضائع کرا دیا۔ ایسا ہی کسی نے باریک خط میں مصحف لکھا آپ نے تنبیہ کی اور فرمایا قرآن کی عظمت چاہئے۔ آپ کے وقت میں حضرت ابو درداء کے ساتھ ایک جماعت آئی کہ ان میں کا اپنا لکھا ہوا قرآن حضرات زید بن ثابت، ابی بن کعب اور علی بن ابی طالب وغیرہ اہل مدینہ کو دکھائیں (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵) علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ خلافت فاروقی میں مسلمانوں کے پاس لکھے ہوئے ایک لاکھ سے کم نسخے نہ ہوں گے (کتاب الفصل ج ۲ ص ۶۶) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا میں سچ لکھا ہے "امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظم در گردن اوست" (منقول از الفاروق ج ۲ ص ۹)

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی نے خلیفہ اول کی طرح بمشورہ ارباب حل و عقد بدست زید ابن ثابت مصحف صدیقی سے وہ جمہوری قرآن لکھوایا جو قیامت تک کے لئے بنام مصحف عثمانی مقبول و مشہور شائع و ذائع ہو کر رہا۔ دنیا بھر کے قرآن مصحف عثمانی کے اور مصحف عثمانی مصحف صدیقی

ملہ حضرت زید بن ثابت کے متعلق دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ عمر کے آخری ماہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے دو ختم کئے جس میں یہ (اور ابن مسعودؓ) شریک موجود تھے۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے کم از کم پانچ مرتبہ قرآن لکھا عہد رسول میں اول بحیثیت کاتب وحی ہونے کے دوم خود اپنے لئے جسے آخری مذکورہ ختم قرآن کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پڑھ کر سنایا تھا عہد صحابہ میں سوم مصحف صدیقی چہارم فاروق اعظم کے لئے، پنجم مصحف عثمانی۔

کے اور مصحف صدیقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی سے لکھاتے ہوئے قرآن کے مطابق ہے جو اللہ کے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترتیب و تلاوت کے موافق و متواتر ہے۔ حضرت عثمان نے خود اپنے دست مبارک سے بھی اس کی متعدد نقلیں کی تھیں۔ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ خلافت عثمانی میں قرآن شریف کے اس قدر نسخے لکھے گئے جس کا حد و شمار نہیں (کتاب الفصل ص ۲ ج ۲)

خلیفہ چہارم حضرت علی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خود ایک مصحف لکھا تھا مصحف عثمانی کی بھی متعدد نقلیں کی تھیں، آپ کے ایک خادم خاص حضرت خالد بن ہیاج بہت خوش خط مشہور تھے اور ان کا یہی کام تھا کہ قرآن لکھا کرتے تھے، آپ نے کچھ لوگوں کو یہ دیکھ کر قرآن کو بخط خفی لکھتے ہیں فرمایا قرآن کو باریک لکھ کر چھوٹا نہ کرو (کنز العمال ص ۲۳۱ ج ۱) آپ کے صاحبزادے امام حسن نے خود اپنے دست مبارک سے کئی قرآن لکھے تھے۔ آپ ہی کے عہد مبارک کا واقعہ ہے کہ ۳۷ھ میں جب آپ کے اور امیر معاویہ کے مابین صفین کا واقعہ پیش آیا تو صرف امیر معاویہ کی فوج سے پانچ سو مصاحف نیزوں پر بلند کئے گئے۔ جب میدان جنگ کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مکانوں میں کس کثرت سے لکھے ہوئے قرآن موجود ہوں گے۔

ابھی ایسے اور بھی حالات ہیں جنھیں بخوف طوالت نظرانداز کرتا ہوں۔ انہیں واقعات سے کما حقہ، ظاہر ہے کہ عہد صحابہ بالخصوص زمانہ خلافت راشدہ میں کس کثرت سے مصاحف[1] لکھے گئے اور لکھنے والے جز و قرآن کے کم اور کامل قرآن کے زیادہ تھے۔ کیونکہ عہد رسالت میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا آخر عمر میں تکمیل ہوئی مگر عہد صحابہ میں کامل قرآن موجود تھا اور اس کی کتابت کو حاجت کے علاوہ عبادت سمجھتے تھے۔ پھر عاشقان قرآن کے دست شوق کو پورا قرآن لکھنے سے کون روک سکتا تھا قرآن لکھنے والے صحابہ اور غیر صحابہ دونوں تھے، مصاحف صحابہ کی تین قسمیں ہیں مصحف صدیقی، مصحف عثمانی

---

[1] کتابت قرآن کا یہ شوق عہد بعہد آئندہ آخر اس درجہ ترقی کر گیا کہ علامہ ابن ندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن شیبانی المتفی ۲۰۶ھ نے جامع مسجد کوفہ کے ممبر پر ایک قرآن لکھ کر رکھدیا نتیجہ یہ ہوا پھر انھیں قرآن کے تقریباً نوے نسخے لکھنے پڑے [2] ان اجزا میں سے ایک جز ورق عہد صدیقی کا لکھا ہوا نہ معلوم کس طرح یورپ پہنچا جو وہاں کے بوڈلین لائبریری میں ہنوز محفوظ ہے جس کا فوٹو محمد شاہ خاں نے بہم پہنچا کر اپنی کتاب حیات صدیق ص ۶۶۴ کے متعلق سنہ ۱۹۲۷ میں شائع کرایا ہے اس میں سورہ جن کے آخر اور سورہ مزمل کے اول کی آیت اپنی اصلی شان میں بلا اعراب و نقطہ بخط کوفی لکھی ہوئی ہے۔ ممکن ہے ایسے اجزا دنیا میں اور بھی موجود ہوں جس کا علم ہمیں نہ ہو ۱۲

مصحف غیر عثمانی:

مصحف صدیقی یہ سب سے پہلا جمہوری مصحف ہے جس کو حضرت ابوبکر صدیق نے بمشورہ ارباب حل و عقد حضرت زید بن ثابت سے ۱۱ یا ۱۲ھ میں لکھوایا تھا۔ یہ مصحف تاحیات حضرت ابوبکر صدیق کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق اس کے امین رہے ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس تاحیات محفوظ رہا؛

حضرت عثمان غنی نے سنہ ۲۳ یا ۲۴ یا ۲۵ ہجری میں جب ضرورت ہوئی تو ان کے ہاں سے مصحف صدیقی منگوایا اور مصحف عثمانی کی کتابت کے بعد پھر انھیں واپس کر دیا۔ حضرت حفصہ کا بامارت امیر معاویہ ۴۵ھ میں جب انتقال ہوا تو اس وقت مدینہ کا حاکم مروان بن الحکم تھا وہ مصحف اس نے لے لیا اور اس سے وہ گوہر بے بہا ۴۶ھ ہجری میں کسی سفر میں ضائع ہو گیا۔ اس طرح مصحف صدیقی دنیا میں ۳۴ یا ۳۵ برس یعنی ۴۶ھ تک موجود رہا۔

مصحف عثمانی حق یہ ہے کہ مصاحف عثمانی کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جسے عہد رسالت میں حضرت عثمان نے بدست خود لکھا تھا (۲) وہ جمہوری مصحف عثمانی جسے انھوں نے اپنے عہد خلافت میں زید بن ثابت وغیرہ سے لکھوایا تھا (۳) وہ جس کو اس جمہوری مصحف کے بعد انھوں نے اپنے دست مبارک سے لکھا تھا۔

قسم اول پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ عہد رسالت میں جن بزرگوں نے قرآن شریف جمع کیا تھا ان میں حضرت عثمان بھی ہیں۔ ان کے دینی خدمات کے سلسلہ میں اس مصحف کے متعلق حکیم احمد حسین صاحب الہ آبادی مترجم تاریخ ابن خلدون ناقل ہیں کہ:

> "قرآن شریف کے جمع کرنے کی نسبت لوگوں کے خیالات مختلف ہیں، کوئی کہتا ہے کہ وہ خلافت اولیٰ میں عمرؓ فاروق کی رائے سے جمع کیا گیا تھا اور کوئی یہ کہتا ہے کہ عمرؓ فاروق نے اپنے عہد خلافت میں جمع کرا کے بعض بعض ممالک اسلامیہ میں بھجوایا تھا لیکن صحیح یہ ہے کہ عثمان ذی النورین نے قرآن شریف کو رسول اللہ صلعم کے زمانہ مبارک میں جمع اور حفظ کر لیا تھا۔"

"فی الریاض من حدیث ابی ثور الفہمی عن عثمان ولقد جمعت	ریاض میں ابو ثور فہمی کی حدیث میں بروایت عثمانؓ لکھا ہے کہ بیشک میں نے قرآن کو

القران علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع کر لیا تھا۔

اور وہی قرآن خلافت اولی وثانیہ میں نقل ہو ہو کر اطراف وجوانب ممالک اسلامیہ میں بھیجا گیا لیکن اس اہتمام وکثرت سے نقل نہیں کرایا گیا کہ دوسرے مصاحف کا وجود نہ رہ جاتا۔ لوگوں کے پاس غیر مرتب قرآن بھی زمانہ خلافت فاروق اعظمؓ میں باقی رہ گیا تھا جس کو اپنی طبیعت کے خواہش کے مطابق لوگوں نے باضافہ تفسیر و فوائد مرتب کر رکھا تھا پھر جب ذی النورین کا دور خلافت آیا تو انھوں نے کمال سعی واہتمام سے قرآن کو نقل کرا کے ترتیب دیا اور اس کو ام المومنین حفصہ کے قرآن مجید سے مقابلہ کرا کے تمام بلاد اسلامیہ میں بھجوایا تاکہ اسی مجمع ومتفق علیہ قرآن پر مسلمانوں کا عمل درآمد ہو اور اس طریقے سے امت مرحومہ کا تفرقہ جو آئندہ ہونے والا تھا زائل کر دیا۔ انتہی (ترجمہ ابن خلدون صفحہ ۲۸ جز ۲)"

لیکن میرے خیال میں اس مصحف کی بابت وہ خیال زیادہ صحیح ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

"جمع کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ترتیب دادہ بود آں را لیکن تقدیر مساعد شیوع آں نہ شد" — حضرت عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ترتیب وار قرآن جمع کیا تھا لیکن تقدیر سے وہ شائع نہ ہوا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۳ جز ۲)

رہا اس کا وجود اس سے مجھے انکار نہیں لیکن تعین مشکل ہے ممکن ہے ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن جو آج موجود ہیں ان میں وہ بھی ہو۔

قسم دوم غالباً ۲۵ ہجری میں باختلاف روایت یہ مصحف ۴ یا ۵ یا ۷ عدد لکھا گیا تھا مگر بلحاظ تعداد صوبہ ۷ عدد والی روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات مصاحف لکھوا کر ایک اپنے پاس دار الخلافہ مدینہ طیبہ میں رکھ لیا۔ باقی چھ میں سے ایک ایک مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ، یمن، شام، البحرین روانہ فرما دیا۔ ان مصاحف سبعہ میں سے جس جس کا جو حال مجھے معلوم ہو سکا درج ذیل ہے:

اول مصحف مدنی اس مصحف کا نام امام تھا جس کی پشت پر یہ عبارت لکھی تھی:

"اجمع علیہ جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم زید بن ثابت وعبد اللہ

ابن الزبیر و سعید بن العاص[1] رآگے دیگر صحابہ کا نام بھی ہے حضرت عثمان غنی غالباً اکثر
اسی میں تلاوت فرمایا کرتے تھے چنانچہ قاتلان عثمان یعنی عبداللہ بن سبا یہودی منافق کے فریب خوردہ
کوفی، بصری، مصری باغیوں نے بزمانہ حج مدینہ طیبہ میں ان کا محاصرہ کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں نے
داخل مکان ہو کر آپ پر قاتلانہ حملہ کیا تو آپ اسی مصحف امام کی تلاوت فرما رہے تھے اور ظالموں کی
تیغ جفا کی بدولت جب آپ کا خون ناحق آیۃ: فسیکفیکہم اللہ وھو السمیع العلیم[2] پر پڑا تو
مظلوم خلیفہ اسے مصحف سے اپنے ہاتھ سے پونچھتے ہوئے کہتے جاتے تھے کہ بخدا یہ پہلا ہاتھ ہے جس
نے قرآن شریف کو مفصل لکھا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے
ہیں کہ روا ابن ابی داود در کتاب المصاحف و دیگر محدثان معتبر روایت کردہ اند کہ چو مصریان در خانہ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ برائے کشتن در آمدند مصحف مجید پیش روئے ایشاں بود و میخواندند اول آں اشقیا
بر بہر دو دست ایشاں شمشیر زدند خون ایشاں جاری شد بر ہمیں آیت او فتاد ایشاں بیک دست
خود آں خون را از مصحف دور می کردند و می فرمودند کہ قسم بخدا کہ ایں دست اول دستی است
کہ نوشتہ است مفصل قرآن را[3] اور یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی تھی جو پوری
ہوئی جیسا کہ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں روحاکم در مستدرک از ابن عباس روایت
کردہ کہ ایشاں گفتند کہ من روزے پیش آں حضرت علیہ السلام نشستہ بودم کہ ناگاہ حضرت
عثمان آمدند آنحضرت علیہ السلام فرمودند کہ عثمان تو کشتہ خواہی شد و در آں حالت کہ سورہ
بقرہ می خوانی و یک قطرہ از خون تو بریں آیت خواہد افتاد کہ " فسیکفیکہم اللہ "[4]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ مصحف شریف مدینہ طیبہ میں موجود رہا
چنانچہ شاہ صاحب اس کی بابت بھی لکھتے ہیں کہ رو عبداللہ احمد ولد او از ابہا از عمرہ بنت
ارطاۃ عدویہ آوردہ کہ من ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ برائے حج در اں سال کہ حضرت عثمان شہید
شد رفتہ بودم چوں از مکہ بمدینہ مراجعت نمودیم آں مصحف را کہ در وقت شہادت در کنار
ایشاں بود و اول قطرہ خون برآں افتادہ بود دیدم کہ بر ہمیں آیت افتادہ بود[5] نافع بن ابی نعیم
المتوفی ۱۶۹ھ نے بھی اس مصحف کی زیارت کی تھی جیسا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں روا ابن
ابی حاتم از نافع بن ابی نعیم آوردہ کہ روزے مصحف عثمان را پیش یکے از خلیفہ ہا برائے زیارت

---

[1] نفح الطیب مصری ص ۲۸۳/۱ ، [2] فتح العزیز ص ۲۸۵ ، [3] تفسیر فتح العزیز پارہ الم ص ۲۸۵ ، [4] ایضاً

آوردہ بودند و من در آں وقت حاضر بودم بخلیفہ گفتم کہ مردم می گویند کہ مصحف در کنار ایشاں بود در وقت شہادت خون ایشاں بر آیۃ فسیکفیکہم افتادہ است، آں خلیفہ ایں آیت را بر کشاد و من بچشم خود دیدم کہ اثر بریں آیت بود[1])

حافظ ابو عمرو نے مقنع میں بسند لکھا ہے کہ روایت کی ابو عبیدہ[2] قاسم بن سلام (المتوفی ۲۲۴ھ) نے کہ میرے لئے بعض خزائن امراء سے حضرت عثمان بن عفان کا مصحف امام نکالا گیا اور

رأیت فیہا اثر دمہا۔ میں نے اس میں ان کے خون کا اثر دیکھا

شاطبی کے مشہور قصیدہ رائیہ کا یہ شعر بھی اس کا موید ہے۔

ابو عبید ادلو بعض الخزائن لی ؛ استخرجوہ فابصرت الدما اثرا

ابو عبید اللہ نے کہا کہ بعض خزائن امراء سے میرے لئے مصحف نکالا گیا اور میں نے اس میں خون کا اثر دیکھا

مشہور مورخ علامہ احمد مقری لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۰۳۵ھ میں مدینہ طیبہ میں اس مصحف کو دیکھا اور پڑھا تھا اس نسخہ اور اندلس کے نسخہ کی شان خط میں کچھ فرق نہ تھا دونوں ایک قلم کے معلوم ہوتے تھے اس کی پشت پر ان صحابہ کرام کے نام بھی درج تھے جو حضرت عثمان کی طرف سے اس کی کتابت وغیرہ پر مامور تھے مگر بقول امام نخعیؒ اس کا فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ یہ نسخہ کوفی ہے یا بصری[3]

صاحب تاریخ الخمیس کا بیان ہے کہ ۶۵۴ھ میں شب جمعہ اول ماہ رمضان کو مسجد نبوی میں اتفاقاً آگ لگ گئی سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا صرف وہ قبہ جس میں مصحف شریف تھا صحن مسجد میں الگ ہونے کے باعث بچ گیا تھا اس لئے مصحف بھی محفوظ رہا اسی طرح ایک مرتبہ ۸۸۶ھ میں بجلی گری تھی مسجد نبوی کا اکثر حصہ جل گیا تھا مگر خدا کی شان کہ یہ مصحف مقدس صاف بچ گیا[4]

مولف حدائق البیان نے لکھا ہے کہ (مولانا محمد سعید منتظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے خط مورخہ ۱۸ ماہ صفر ۱۳۲۵ھ سے مجھ کو ثابت ہوا کہ بحمداللہ تعالیٰ مصحف عثمانی اب تک مدینہ منورہ میں محفوظ ہے اور ساکنان بلدۂ طیبہ کو جب قحط یا کسی دوسری مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو اس کو نکال کر پڑھتے اور خداوند عالم سے التجا واسطے حل مشکلات کے کرتے ہیں تقریباً ۴۰ برس کا زمانہ گذرا

---

[1] تفسیر فتح العزیز، [2] حافظ ابن حجرؒ نے انھیں ثقہ، فاضل، مصنف لکھا ہے، [3] نفح الطیب، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ اس مصحف کو امام نخعیؒ نے بھی دیکھا تھا دوم یہ کہ امام نخعی پھر احمد مقری کے وقت میں مصاحف سیدنا عثمانؓ میں سے کوئی مصحف علاوہ مدینہ کے کوفہ یا بصرہ یا ہر دو جگہ ضرور موجود تھا، [4] مصباح الکلام

کہ یہ مقدس مصحف خزینۂ تبرکات سے نکالا گیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ واقعات پر نظر کرکے یہ رائے قائم ہوتی ہے کہ چند روز یہ مصحف مدینہ منورہ سے باہر خزائن امرائے اسلام میں رہا پھر کسی نیک دل کو خدا نے توفیق دی اور اس نے مصحف مذکور کو مدینہ منورہ شریف پہونچا دیا۔

ممکن ہے کہ یہ مصحف مدنی یعنی مصحف امام نہ ہو بلکہ حضرت عثمان ہی کا کوئی دوسرا مصحف کیونکہ مولوی اسلم جیراجپوری نے لکھا ہے[1] کہ وہ نسخہ جس کا نام امام تھا اور جس کو تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان قتل کئے گئے تھے وراثتاً بنی امیہ کے پاس رہا اور ان کی خلافت کے ساتھ دمشق سے منتقل ہو کر اندلس میں چلا گیا۔ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ وہ قرطبہ کی جامع مسجد میں موجود تھا جب اسلامی سلطنت کو وہاں زوال ہوا تو مراقش کے دار الخلافہ میں منتقل کیا گیا تاریخ ادریسی سے ہم اس کی سند ملتی ہے، اس نے جامع مسجد قرطبہ کی کیفیت تحریر کرنے کے بعد ان رسومات کو بھی لکھا ہے جو اس قرآن کے متعلق وہاں ادا کی جاتی تھیں۔ ابن بطوطہ جس نے ۷۵۰ھ میں سیاحی کی ہے لکھتا ہے کہ یہ مصحف جامع بصرہ میں موجود ہے اور اس پر خلیفہ کے خون کے دھبے اب تک نمایاں ہیں، اور بیان کیا جاتا ہے کہ روس کے قدیم دار السلطنت ماسکو میں مسلمانوں نے ۱۹۰۶ء میں کتب خانہ قائم کیا ہے اس کے لئے .... بخارا سے کچھ کتابیں لائی گئی ہیں، ان میں وہ امام بھی ہے، اس پر خون کے نشانات ہیں، پھر اسی مصحف کے متعلق مولوی عبداللہ منہاس کی تحریر ہے کہ یہ مصحف ماسکو سے پھر بخارا میں واپس لایا گیا اور رجب ۱۹۲۳ء میں بالشویکوں نے ترکستان پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس نسخہ کو پھر ماسکو لے گئے جہاں سے اسے واپس لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مصحف شریف امیر تیمور کے زمانہ میں ابو بکر الشاشی کی طرف سے حضرت شیخ عبداللہ کے مرقد پر رکھ دیا گیا تھا جہاں سے وہ بالشویکوں کے ہاتھ آیا۔

تاہم اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مدینہ شریف کا یہ مصحف مقدس یقیناً حضرت عثمان غنی کے لکھائے ہوئے مصاحف سبعہ میں سے ہے جو اس طویل مدت میں صدہا انقلاب و فتن کے باوجود ۲۵ھ سے ۱۳۲۵ھ تک حرم نبوی میں موجود رہا اور اب مجھے اپنے برادر عزیز مولوی عبداللہ مصری سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۱۴ء کی مشہور جنگ یوروپ میں جب خطرہ محسوس ہوا تو تمام تبرکات حرمین شریفین سے دار الخلافہ قسطنطنیہ کو منتقل کر دیئے گئے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ مصحف دار الخلافہ ترکی میں ہے

[1] حقائق البیان ص ۱۱۹ ، [2] تاریخ القرآن ص ۶۰

موجود اور محفوظ ہے۔

دوم مصحف مکی یہ مصحف سنہ ۵۶ھ میں قبار بہور یا قبار تراب میں موجود[1] تھا مولف حدائق[2] نے نقل کیا ہے کہ محمد بن جبیر اندلسی کے سفر نامے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے سنہ ۵۷۹ھ میں حرم مکہ معظمہ کے اندر ایک قرآن شریف کی زیارت کی تھی جو منجملہ خلفائے اربعہ کسی خلیفہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اس پر زید بن ثابت کے ہاتھ کا سن بھی تحریر تھا، وہ لمبے چوڑے ورقوں پر لکھا اور لکڑی کی دفتیوں سے مجلد تھا جس پر برنجی قبضے لگے تھے لیکن اس وقت بھی بہت سے ورق ضائع ہو چکے تھے قاہرہ کے بہت بڑے ادیب و شاعر ابوالقاسم محمد بن احمد سبتی یا تجیبی (المولود سنہ ۶۲۳ھ المتوفی سنہ ۶۶۵ھ نے بھی اس نسخہ کی زیارت کی تھی[3]۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ یہ مصحف سنہ ۳۵ھ تک موجود تھا[4]۔ مولوی اسلم نے لکھا ہے[5] کہ یہ نسخہ مکہ میں اب تک موجود ہے (جو حسب بیان مولوی عبداللہ مصری مکہ سے منتقل ہو کر دار السلطنت ترکی میں محفوظ ہے۔)

سوم مصحف شامی اس مصحف کا ذکر فہرست کتب خانہ جامع اموی میں بھی ہے ــــ مذکور الصدر محمد بن جبیر اندلسی نے اس کی بھی زیارت کی تھی۔ ابوالقاسم موصوف نے بھی اس کو سنہ ۵۶ھ میں مقصورہ جامع دمشق میں دیکھا تھا۔ پھر سنہ ۳۵ھ میں وہ خلیفہ عبدالملک کی نظر سے بھی گذرا۔ مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں کہ (یہ مصحف میر سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق میں موجود تھا کئی برس ہوتے جب سلطان عبدالحمید خاں کے زمانہ میں جامع مسجد جل گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا[6]) غالباً یہ آگ سنہ ۱۳۱۵ھ میں لگی تھی۔ شاید یہی وہ مصحف رہا ہو جس کی بابت "طلائع المقدور" میں مذکور ہے کہ بنی طغتگین میں سے ابو منصور جب طبریہ سے نکلا تو مصحف عثمانی جس کو عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد طبریہ میں رکھوایا تھا اپنے ساتھ لے کر نکلا اور اس کو جامع اموی دمشق میں رکھا[7] ص ۸۲

غرض تقریباً سنہ ۱۳۱۵ھ تک دنیا میں یہ مصحف شریف بھی موجود تھا۔ لیکن مولوی اسلم کا بیان[8] ہے کہ وہ مصحف شامی دمشق میں ہنوز موجود ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو بہت ممکن ہے کہ یہ مصحف

---

[1] نفح الطیب، [2] ص ۱۱۹ و ۱۲۰، [3] نفح الطیب، تہذیب الاخلاق صفر سنہ ۱۳۲۹ھ، [5] تاریخ القرآن
[6] تہذیب الاخلاق، [8] تاریخ القرآن۔

شامی نہ ہو بلکہ مصاحف سبعہ عثمانی میں سے کوئی اور مصحف ہو جو کسی طرح دمشق میں پہونچ گیا ہو اور ممکن ہے کہ بزمانہ جنگ احتیاطاً یہ بھی ترکی منتقل ہو گیا ہو۔

چہارم مصحف کوفی یا بصری اوپر کہیں ذکر ہو چکا ہے کہ امام نخعی اور مورخ احمد مقری نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کی زیارت کی تھی۔ مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے[1] کہ (یہ قرآن معلوم نہیں کس زمانہ میں قرطبہ پہنچا۔ پھر عبدالمومن اس کو قرطبہ سے اپنی دارالسلطنت میں بڑے تزک و احتشام سے لایا۔ سنہ ۶۴۵ھ میں وہ معتضد کے قبضہ میں آیا اس کے بعد ابوالحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ میں آیا، اس کے مرنے پر پرتگیز میں پہونچا، وہاں سے ایک تاجر نے کسی طرح حاصل کیا اور سنہ ۷۴۵ھ میں شہر فاس میں لایا چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی میں موجود تھا۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں جہاں قاضی فاضل (وزیر سلطان صلاح الدین) کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں مصحف عثمانی کا نسخہ موجود تھا جو قاضی فاضل نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا، مولوی صاحب موصوف کا یہ بیان نفح الطیب سے ماخوذ ہے جو بہت مختصر ہے۔ میں اصل ماخذ سے قدرے تفصیل سے ماحصل نقل کرتا ہوں۔

اس کا حال تو خدا ہی جانے کہ یہ نسخہ مشرق سے مغرب کیونکر پہنچا لیکن ہاں یہ واقعہ ہے کہ اول اہل اندلس، پھر سلاطین موحدین، زاں بعد امرا بنی مرین کے پاس آیا اور جامع قرطبہ میں محفوظ تھا اہل اندلس کو اس پر فخر تھا۔ سلطان عبدالمومن کی حفاظت میں اہل قرطبہ نے یہ تحفہ دیدیا اس طرح سلطان کی مانگی مراد ملی اور پھر سلطان کے حکم سے ابن بشکوال (المولود سنہ ۴۹۴ھ، المتوفی سنہ ۵۷۸ھ) نے شب شنبہ گیارہ شوال المکرم سنہ ۵۵۲ھ کو یہ مصحف جامع قرطبہ سے نکال کر دارالسلطنت مراکش منتقل کیا۔ سلاطین[2] موحدین برکت کے لئے سفر و حضر میں ہمیشہ اسے اپنے ہمراہ رکھتے تھے سنہ ۶۴۵ھ میں خلیفہ معتضد علی بن مامون نے تلمسان پر چڑھائی

---

[1] تہذیب الاخلاق، [2] چونکہ سلاطین موحدین کو اس مصحف سے بے حد اعتقاد تھا اس لئے سلطان عبدالمومن نے اس کے لئے ایک عجیب کلدار صندوق بنوایا تھا۔ احمد مقری نے لکھا ہے کہ یہ بکس اس طرح بنا تھا کہ جب اس میں کنجی ڈال کر چکر دیتے تو پٹ کھل جاتے۔ اندر سے ایک خانہ برآمد ہوتا اس میں ایک کرسی پر ایک رحل ہوتی اور وہ از خود کھلتی تھی رحل و کرسی نکلنے پر خانہ خود ہی بند ہو جاتا اور کنجی گھمانے پر خانہ پھر کھل جاتا۔ رحل و کرسی از خود اس میں جا کر خانہ پھر بند ہو جاتا تھا۔ معلوم نہیں یہ طلسمی صندوق اب بھی باقی ہے یا نہیں ص۲ تاریخ القرآن۔

کی راستہ میں قتل ہوگیا، پھر اس کا لڑکا ابراہیم آیا وہ بھی مارا گیا، اس آفت میں وہ مصحف بھی لاپتہ ہوگیا، آخر کسی طرح وہ تحفۃً تلمسان پہنچا، وہاں خزانہ میں محفوظ رہا جب سلطان ابوالحسن نے تلمسان فتح کیا تو وہ مصحف بھی دستیاب ہوا یہ سلطان بھی اسکو اپنے ساتھ رکھتا تھا طریف کے ہنگامہ میں مصحف اس سے نکل کر پرتگال پہنچا وہاں سے کسی تاجر کے ذریعہ فاس میں آیا، مولوی اسلم نے لکھا ہے کہ فاس میں یہ مصحف اب تک موجود و محفوظ ہے واللہ اعلم

دیگر مصاحف ثلاثہ مصاحف سبعہ عثمانی میں سے چار کا جو حال معلوم ہو سکا وہ مذکور ہوا باقی تین مصحف کا حال اس کے سوا مجھے معلوم نہیں کہ مولوی عبداللہ مصری (جو مصر میں ایک مدت تک رہ چکے ہیں) دریافت کرنے پر مجھ سے بیان کرتے تھے کہ "ایک ایک مصحف مصر کے کتب خانہ خدیویہ اور کتب خانہ جامع ازہر میں میں نے دیکھا ہے جو قدیم شان میں بخط کوفی ہے اور وہاں مشہور ہے کہ دونوں مصحف عثمانی ہیں"

نیز کہتے تھے کہ "مصر میں میری موجودگی میں ایک فرنگیسی مستشرق نے اپنے لیکچر میں بیان کیا تھا کہ مصحف عثمانی کا ایک نسخہ فرانس کے کسی کتب خانہ میں میری نظر سے گذرا ہے" اگر یہ بیان صحیح ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ باقی تین مصحف میں سے دو مصر میں اور ایک فرانس کے کسی کتب خانہ میں ہنوز موجود ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہر سہ مصحف، مصاحف سبعہ میں سے نہ ہوں بلکہ مصحف عثمانی قسم سوم میں ہوں۔

قسم سوم | اس قسم میں اب تک حسب ذیل مصاحف عثمانی مجھے معلوم ہو سکے ہیں۔

۱- ایک نسخہ جامع ملیہ کے پاس موجود ہے[۱]

۲- یہ نسخہ کچھ دنوں تک شاہان مغلیہ کے کتب خانوں کو شرف بخشتا رہا، اس کے اخیر صفحہ پر اکبر بادشاہ کی مہر و دستخط اور دیگر امرا کی مہریں ہیں یہ قرآن ۱۸۲۵ء میں میجر اولسن کو ملا جو برطانیہ کی طرف سے بغداد کا کونسل میں پولیٹیکل ایجنٹ ٹرکی تھا اور جیمس نے وہ قرآن سنہ مذکورہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ کو تحفۃً دیدیا اور اب وہ لندن کے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس میں چند سورتیں خط کوفی میں ہیں۔ طول و عرض میں $\frac{1}{2}$ ۹ + $\frac{3}{4}$ ۶ ہے صفحات ۱۸۱ ہیں ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں، سورتوں کے نام نہایت بھیڑے خطوط میں لکھے ہوتے ہیں اور دس آیات کے بعد ایک ایک نشان ایسے حرف کی شکل میں ہے جو ایک قدیم مغربی حرف کی طرح ہے اور دو سو آیات کے بعد حاشیہ پر ایک نشان ہے، آخر میں کاتب کا نام یوں لکھا ہے، "کتبہ عثمان بن عفان"

لہ تاریخ القرآن، ٹلہ رسالہ اشرفی جلد ۴ نمبر ۲ ص۲۴ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ، ٹلہ معارف اعظم گڈھ جلد ۱۶ نمبر ۳

جناب مولانا عبدالمقتدر صاحب اینگلو عربک اسکول دہلی

تعمیر کعبہ

> اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

آدم کو خلافت الٰہی کے شرف سے معزز کر کے جنت میں رکھا گیا مشیت ایزدی کے مطابق آدم نے بشری فطرت کے اظہار کے طور پر ایک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں ہمہ آسائش جنت سے ہمہ آزمائش زمین کی پستی میں اتار دیا گیا جب اشک ندامت سے نافرمانی کے داغوں کو دھو دیا اور ان کی توبہ نے شرف قبولیت پایا تو کرۂ ارض کی تنہائی اور اپنی تنہائی نے قلب آدم کو محشرستان بنا دیا اور ماب رب نے انہیں آشیاں بندی کا حکم دیا۔ بیہقی نے شعب الایمان اور ازرقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی کہ زمین پر اتر آنے کے بعد آدم نے رب دو جہاں سے تنہائی و وحشت کی فریاد کی تو ان کو تعمیر خانہ کی اجازت ملی۔ آدم کا تعمیر کیا یہی پہلا گھر خانۂ کعبہ بیت الحرام مرکز توحید اور آج ۸۰ کروڑ فرزندان توحید کے دلوں کی دھڑکن ان کا مقدس ترین مقام اور ان کا قبلہ ہے۔ قرآن کے ان الفاظ میں:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبٰرکا وھدًی للعلمین ۝	یقیناً وہ گھر جو سب سے پہلے لوگوں کے لئے تیار کیا گیا وہ گھر ہے جو کہ مکہ میں ہے وہ بابرکت اور اہل جہاں کے لئے رہنما ہے

تعمیر آدم

جب آدم نے کعبہ کے بنانے کے تصور کو حقیقت کا رنگ دیا تو حضرت جبرئیل نے ان کی رہبری کی آپ نے زمین تک پتھروں کی دیوار چنی اس پر ایک نورانی خیمہ رکھا جس کا آدم طواف کیا کرتے اور اسی کی طرف نماز ادا کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ

زمین پر میرے نام کا ایک گھر بناؤ تاکہ اولاد آدم میں سے جس پر میں ناراض ہوں وہ ۲۱۰

گھر کے ذریعہ میری پناہ مانگیں اور اسی طرح اس گھر کے گرد گھومیں جس طرح تم نے میرے عرش کے گرد طواف کیا ہے تاکہ میں راضی ہو جاؤں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو آدم اور حوا کے پاس بھیجا جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔"

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ان کے لئے بنیاد کا نشان لگایا حضرت آدم علیہ السلام نے بنیادیں کھودیں اور حضرت حوا نے مٹی ہٹائی۔

عمارت کعبہ کے پتھر آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کو جن پتھروں سے بنایا ان میں ایک تو لبنان کا پہاڑ ہے دوسرا طور زیت ہے جو بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک ہے تیسرے طور سینا جو مصر اور ایلیا کے بیچ میں ایک پہاڑ ہے چوتھے کوہ جودی پانچواں کوہ حسرا ہے۔

طوفانِ نوح نے آدم کی اس مقدس تعمیر کو مٹا دیا صرف اس جگہ ایک سرخ ٹیلہ رہ گیا۔

تعمیر ابراہیم جب حضرت ابراہیم مصر سے عرب آئے تو حکم ربانی سے کعبہ کی تعمیر کا آغاز کیا آپ حضرت ہاجرہ اور فرزند عزیز حضرت اسمٰعیل کو لے کر مکہ تک پہنچے دونوں کو ایک درخت کے نیچے باچشم گریاں و دل سوزاں چھوڑ کر واپس آئے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتے یہ حضرت ابراہیم کی خود اعتمادی اور توکل علی اللہ کا آتش نمرود کے بعد دوسرا امتحان تھا ماں بیٹے دونوں کے لئے چند روٹیاں کچھ کھجوریں پانی کی ایک بھری مشک ان کے پاس رکھ آئے تھے۔

لب پر یہ دعا تھی،

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم (ابراھیم: ۳۶)	اے ہمارے پروردگار میں اپنی اولاد کو تیرے باعظمت گھر کے پاس کھیتی کے ناقابل وادی میں آباد کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم کا یہ مختصر توشہ قریب ختم تھا تو حضرت ہاجرہ شدید قلبی اضطراب کے ساتھ پانی کی تلاش میں دیوانہ وار سات بار صفا و مروہ کی پہاڑیوں میں آ گئیں چڑھیں اتریں جس کی یادگار میں صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان سعی کو ارکان حج میں سے قرار دیا گیا۔

دل شوہر کی جدائی سے خون اور جگر فرزند اسمٰعیل کی بے کسی پر کباب ہو رہا تھا ان کے لئے وادی مکہ

کباب کی گرم سیخ سے مختلف نہ تھی حضرت ہاجرہ کی اس بیقراری پر رحمت باری جوش میں آ گئی اور اسمٰعیل کے قریب ہی ایک جگہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑتا دکھائی دیا حضرت ہاجرہ نے احتیاطی و حفاظتی تدابیر اختیار کیں اور پانی کے چشمہ کی حفاظت کا مٹی اور پتھروں سے حوض کی صورت میں انتظام کیا اپنی مشک میں بھی پانی بھر لیا اسی دوران ہاتف غیبی نے ہاجرہ کے دل کو تسلی دیتے ہوئے بشارت دی کہ تمہارا یہ دلبند والد کی ہمراہی میں اسی جگہ خانۂ خدا "بیت الحرام" کی تعمیر کرے گا۔

قبیلہ بنی جرہم کا گذر یمن سے ہوتا ہوا بنی جرہم کا ایک قافلہ اس جگہ سے گذرا اس جگہ خلاف معمول پرندوں کے جھنڈ دیکھ کر پانی کی دستیابی کا تصور اس کے ذہن میں آیا جب قریب آیا تو پانی کے چشمہ کا فیض جاری تھا یہی چشمہ زمزم کے نام سے آگے چل کر مشہور ہوا

حضرت ابراہیم کافی عرصہ کے بعد اسمٰعیل و ہاجرہ کی ملاقات کے لئے مکہ آتے دوبار محرومی کے بعد تیسری مرتبہ باپ نے بیٹے کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معلوم کیا اے پروردگار میں وہ گھر کہاں تعمیر کروں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی سکینت کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ سکینت ایک بادل تھا جب ابراہیم علیہ السلام ایک جگہ جا کر رکے تو اس سے ندا آئی:

اے ابراہیم تمہارا پروردگار تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس بدلی کے برابر حصہ پر نشان لگا دو چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بدلی کو دیکھ دیکھ کر نشان لگائے۔ پھر اس بدلی میں سے آواز آئی: اے ابراہیم کیا تم اپنا کام کر چکے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا "ہاں" پھر وہ بدلی اوپر اٹھ کر چلی گئی

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پر مار کر بنیاد آدم کو ظاہر کر دیا۔

غرض بیت اللہ کی جگہ پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد آدم پر تعمیر شروع کی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کو پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے جب کعبہ کی دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو ابراہیم علیہ السلام کے لئے مقام ابراہیم کا پتھر لایا گیا جو تعمیر کے ساتھ ساتھ اونچا ہوتا جاتا تھا جس پر کھڑے ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا پڑھتے تھے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم °	اے پروردگار ہماری قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا
ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا	جاننے والا اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری
امة مسلمة لك وارنا مناسكنا وتب	اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کے

علینا انک انت التواب الرحیم ۰ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم ط انک انت العزیز الحکیم ۰ (البقرہ ع: ۱۵)

اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاویں ان کو کتاب اور تہہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا

تعمیری ابراہیمی میں کعبہ کی ہیئت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی چھت نہیں تعمیر کی تھی اس میں انھوں نے بند ہونے والا دروازہ نہیں بنایا تھا بلکہ بعد میں اس کے کواڑ تبع حمیری نے لگوائے تھے اور بیت اللہ کے اندر دروازہ قریب دائیں جانب ایک کنواں بھی اسی نے بنوایا تھا جس میں کعبہ کے وہ ہدایا اور تحفہ ڈالے جاتے تھے جو بیت اللہ کی نذر کرتے تھے اسے خزانہ کعبہ کہا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم کے حرم کی حدود اربعہ

شرقی جانب حجر اسود سے رکن یمانی تک ۲۰ گز غربی جانب رکن یمانی سے تا رکن غربی ۲۲ گز جنوبی جانب رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ گز طول میں شمالی حجر اسود سے تا رکن شامی ۳۲ گز مجموعی شکل مستطیل نہ عرض کے کنارے برابر نہ طول کے۔ بلندی ۹ گز دروازے کی کرسی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم بناتے جاتے تھے اور حضرت اسمٰعیل مٹی گارا تعمیری سامان دیئے جاتے تھے۔ ان مقدس ہستیوں نے اس مقدس خانہ خدا کی اپنے ہاتھ سے تعمیر کر کے خدا پرستوں کو خدا پرستی کا مرکز مہیا کیا جنوب مشرقی رخ باہر کی طرف دو ڈھائی گز کی بلندی پر حجر اسود رکھا گیا۔

حجر اسود

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عمارت میں ایک ایسا پتھر لگانا چاہا جو لوگوں کے لئے اس کی نشانی ہو کہ یہاں سے طواف شروع ہوگا چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وادی میں پتھر تلاش کرنے کے لئے گئے وہ ایک پتھر لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے جسے انھوں نے ناپسند فرما کر کہا دوسرا لاؤ اور کئی بار حضرت اسمٰعیل کو لوٹایا۔

یکایک ابوقبیس پہاڑی سے آواز آئی:

اے رحمٰن کے دوست آپ کی ایک امانت میرے پاس محفوظ ہے اس کو لے لیجئے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے ابوقبیس پہاڑ لرز کر پھٹا اور حجر اسود باہر آگیا حضرت ابراہیم اس کو لے آئے اور اس کو بیت اللہ میں نصب کر دیا۔

حجر اسود عہد نامہ الست کا امین ہے: حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ

عہد الست کے وقت جب اولاد آدم نے اپنے رب کا اقرار کیا تو قلم نے اس کو لکھ لیا اور اس کے بعد یہ اقرار نامہ حجر اسود میں رکھ دیا گیا اور فرمایا

تو قیامت کے دن ان لوگوں کی گواہی دینا جو تیرا حق ادا کریں۔

تعمیر بنی جرہم

پہاڑی نالے کے سبب حضرت ابراہیم کی تمام تعمیر منہدم ہو گئی تو بنی جرہم نے کعبہ کو ابراہیمی طرز پر پھر تعمیر کیا اور جب یہ عمارت بھی بوسیدہ ہو گئی تو عمالیق نے جو بنی حمیر سے ہیں اس کی پھر تعمیر کا کام انجام دیا اور جب یہ عمارت بھی شکستہ و ریختہ ہو گئی تو آنحضرت سرور کائنات کے جد امجد قصی بن کلاب نے کعبہ کی تعمیر نو کی۔

چھت کو لکڑیوں سے پاٹ دیا اور اس پر سیاہ غلاف ڈالا یہاں تک کہ ایک عورت کعبہ کے قریب دھونیاں جلانے گئی اچانک آگ لگ گئی اور تمام عمارت راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔

تعمیر قریش

اب قریش نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا کچھ تبدیلیاں بھی کیں۔ (۱) حطیم کی جانب کئی گز زمین چھوڑ کر کعبہ کی غربی دیوار اٹھائی۔ (۲) دروازے کی چھت تقریباً دو گز اونچی کر کے لگائی تاکہ بغیر اجازت کوئی داخل نہ ہو۔ (۳) کعبہ کے اندر لکڑیوں کے ستونوں کی دو صفیں بنائیں اور ہر صف میں تین تین ستون بنائے۔ فتح مکہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی ستونوں کے بیچ نماز شکرانہ ادا کی تھی (۴) دیواروں کو دوگنا اونچا کیا۔ (۵) رکن کے قریب کعبہ کی چھت کے لئے زینہ بنایا۔

جب قریش کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے اور حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو ہر قبیلہ اس اعزاز کا طالب تھا کہ وہ اس کو نصب کرے آخر جنگ و جدال تک کی نوبت آنے کو تھی صبح کو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر آ نکلے سب نے اس بارے میں آپ کو اختیار دیا آپ نے ردائے مبارک پھیلا دی اور تمام سرداران قبائل سے فرمایا کہ پتھر کو پکڑ کر اس میں رکھ دیں اور سب مل کر اونچا کریں جب اتنا اونچا ہو گیا کہ اس کو نصب کر دیا جائے تو نبی رحمت نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر خود اس کی جگہ رکھ دیا اس تجویز پر سب نے احسنت کہا اور آپ کی فراست نے عظیم فتنہ کا سد باب کیا

تعمیر حرم کی تمنا

حضور سرور کائنات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار اپنی اس دلی آرزو کا اظہار کیا کہ میں کعبہ کی تعمیر ابراہیمی بنیاد پر از سر نو کرنا چاہتا ہوں مگر مصالح کی بنا پر آپ نے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنانا زیادہ مناسب خیال فرمایا

خلافت راشدہ اور تعمیر کعبہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد حرم کی توسیع کی گئی اور چراغوں کی روشنی کا انتظام کیا گیا دروازے اور عمارت

میں اضافہ کیا گیا کعبہ کی حفاظت کے پیش نظر سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک حفاظتی بند بھی عہد فاروقی میں تعمیر کیا گیا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اور مزید توسیع کی محرابیں تعمیر کرائیں عمارت کا معیار اچھا اس کی آرائش اور مضبوطی میں اضافہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر

حضرت عبداللہ بن زبیر نے جب اپنی خالہ حضرت عائشہ سے حضور اکرم کی بنا ابراہیمی پر تعمیر کعبہ کی دلی آرزو کا حال سنا تو انھوں نے اپنے مختصر عہد میں کعبہ کو پھر ابراہیمی بنیادوں پہ بنوایا۔

خلافت اموی میں

عبدالملک بن مروان کے عہد میں حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر میں تبدیلی کا خیال پیدا ہوا اور اس نے بار دیگر کعبہ کی تعمیر قریش کی سابق تعمیر پر کرائی اور صرف ایک دروازہ شرقی جانب رکھا اندر سے اونچا کر کے قد آدم دروازہ لگایا اور ایک ٹکڑا طولانی جانب میں اسی طرح باہر رکھا جس کو حطیم کہتے ہیں یہ تعمیر ۷۴ھ میں ہوئی۔

ولید بن عبدالملک نے اپنے عہد میں خانہ کعبہ کی تجدید کی اور اس کی آرائش و زیبائش میں اضافہ کیا شاہ بلوط کی لکڑی کا استعمال کر کے حسن کعبہ کو نکھارا۔

کعبہ عہد عباسیہ میں

منصور نے اپنے زمانے میں مسجد حرم کی مزید توسیع کی اور ایک محراب کا اضافہ کیا المہدی نے اور وسعت دی المعتضد باللہ نے باب الزیارت تک مسجد حرم کو وسیع کر دیا۔ اور دار الندوہ تک علاقہ مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ المقتدر باللہ نے باب ابراہیم تک وسیع کر کے ۲۹۱۲۷ مربع گز رقبہ میں حرم کی تعمیر کی۔ سلطان الناصر فرج بن برقوق نے مسجد کی توسیع اور آرائش کے اقدامات کئے۔

خلافت عثمانیہ کے عہد میں

مراد بن احمد خاں سلطان نے ۱۰۴۰ھ میں کعبہ کی از سر نو پھر تعمیر کرائی کیونکہ عمارت پارینہ ہو گئی تھی۔ اس کونے کو چھوڑ کر جس طرف حجر اسود نصب تھا تمام عمارات منہدم کر کے حجاج بن یوسف کی بنیادوں پر خانہ خدا کو بنوایا۔ مسجد کے اندر سنگ مرمر کا فرش کرایا دیواروں میں بھی جگہ جگہ سنگ مرمر کا کام کیا گیا تھا دو صفیں لکڑی کے ستونوں کی جن میں تین تین چوبی ستون تھے اندر کی جانب چھت پر مخملی چھت گیری بیرونی دیواریں باہر کی طرف چونے سے چنی گئیں نفیس ریشمی سیاہ پردہ کعبہ پر پڑا رہتا جس پر خط ثلث

میں اور نیچے سلطان کا نام لکھا ہوا تھا کعبہ کا وہ حصہ تعمیر قریش میں چھوڑ دیا گیا تھا وہ سلطان مراد کی تعمیر نو میں بھی چھوڑ دیا گیا جس کو حطیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
اسی جانب کعبہ کا نہری نالہ پڑتا تھا جس کو میزاب کہا جاتا تھا۔

کعبہ کے آس پاس دس بارہ قدم تک زمین ہموار ہے یہاں بھی سنگ مرمر کا فرش تھا اس کو مطاف یعنی طواف گاہ بھی کہتے ہیں اس کے آخر میں ہنڈوں کا حلقہ جو شب میں جگمگاتا آگے چوطرفہ بڑا کشادہ صحن کنکریوں کا فرش زمین گاؤ دم صحن برابر پھیلتا جاتا اور اونچا ہوتا جاتا چہار گوشہ کٹی گئی درجے کے دالان بنے ہوئے جن کی دیواریں اور دروازے باہر کی طرف بھی کھلتے تھے جب تک حرم شریف کی خدمت ترکوں کے ذمہ رہی وہ حرم کعبہ اور مسجد نبوی کی دیکھ بھال توسیع و ترقی آرائش و زیبائش کا کام خوش اسلوبی سے انجام دینا اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے اور خود کو والی حرمین کی جگہ خادم حرمین ہی کہتے رہے۔

کعبہ عہد سعودی میں جب موجودہ سلطنت سعودیہ کا قیام عمل میں آیا تو نجد و حجاز جو اس سلطنۃ کے اجزا ترکیبی تھے ان میں بدامنی غربت بدانتظامی بدحالی عروج پر تھی جیسے جیسے تیل کی پیداوار میں اضافہ ہوا اور اس کی برآمد میں اضافہ ہوتا گیا سعودی سلطنت میں خوشحالی کا نیا باب شروع ہوا آج یہ بے آب و گیاہ وادی جہاں ابراہیم نے ہاجرہ و اسمٰعیل کو بے یار و مددگار چھوڑا تھا تمول کے اس نقطۂ عروج پر ہے کہ یوروپ ایشیا افریقہ کے ممالک میں اس کی دولت ضرب المثل بن گئی ہے۔

حرمین شریفین کی توسیع کے منصوبے بنائے گئے مکمل کئے گئے اور بنائے جا رہے ہیں جو حاجی دوسری بار جاتا ہے اس کو وہاں نئی دنیا نئی فضا نظر آتی ہے۔

۱۹۵۵ء میں توسیع حرم کی مہم کا آغاز ہوا اسی سال توسیع کی سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی گئی اب حرم کا رقبہ ۲۹۱۲۷ مربع گز سے بڑھ کر ۱۶۰۱۶۸ گز ہو گیا دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی، دیواروں میں ملکی سنگ مرمر لگایا گیا صفا مروہ تک کا علاقہ مسجد میں شامل کر دیا گیا نوے میٹر بلند فلک بوس سات مینار یں بنائی گئیں بیک وقت تین لاکھ خدا پرست اب اس خانۂ خدا میں خدائے بزرگ و برتر کے آگے سجدہ ریز ہو سکتے ہیں قدیم مسجد کو بحال رکھا گیا اور اس طرح توسیعی منصوبہ کیا گیا کہ قدیم جدید کے امتزاج سے اور زیادہ شاندار باوقار پر رونق پرشکوہ جاذب نظر دل افروز بن سکے اس توسیعی منصوبہ پر سات سو ملین سعودی ریال کی رقم خطیر صرف ہوئی آج بھی آدم سے تا ایں دم

"دنیا کے بت کدے میں پہلا یہ گھر خدا کا" تعمیری ادوار سے گذرتا رہا اور اس کی حرمت و عزت اللہ نے پہلے ہی دن سے قائم کر دی تھی۔

ایک دن یہاں ابراہیم جگر گوشہ اسمٰعیل اور ہاجرہ کو چھوڑ کر گئے تھے۔ ایک ساعت رات کی تاریکی میں ہادی عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ابن عم شیر خدا کو بستر پر سلا کر اور صدیق اکبر کو ساتھ لے کر ہجرت پر مجبور ہو کر غار ثور میں پناہ گزیں ہوتے سخت قلبی اذیت آپ کو کعبہ کی جدائی سے محسوس ہو رہی تھی مگر شجر اسلام کی آبیاری کے لیے مکہ کی سنگلاخ زمین اس وقت موزوں نہ تھی اور اللہ کا یہ آخری رسول "رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" کے الفاظ ادا کرتا اپنے محبوب کعبہ سے بادل فگار رخصت ہوا مگر چند سال کے بعد ۱۲ ہزار قدوسیوں کی ہمرکابی میں فتح مکہ کے موقع پر خاتم المرسلین اپنی اونٹنی قصوا پر عجز و نیاز کی سراپا تصویر بن کر تمام پرانے سازشی دشمنوں کی معافی کا اعلان کر کے نبی رحمت کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

حرم کعبہ آج دنیا بھر کے انسانوں اور مسلمانوں کو خصوصاً رنگ و نسل علاقہ و زبان جغرافیائی امتیازات کو مٹا کر اللہ کے رنگ میں رنگنے کے لئے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

کعبہ کسی عالیشان فلک بوس عمارت یا سنگ و خشت کا نام نہیں بلکہ وہ انسانوں کو تمام باطل کی قوتوں سے آزادی اور عزت پڑے تو ان کے مقابلے خدا پرستی توحید اور رب کی وحدانیت رجوع الی اللہ انابت حق ثبات حق حق پر جاں نثاری دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات کا مقدس ترین مینار ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیت الحرام کی صحیح حرمت سے آشنا کرے۔

جناب مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

امام بُخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب سلسلۂ نسب یہ ہے، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ۔ مجوسی تھے اور اسی مجوسیت پر ان کا انتقال ہوا اور ان کے صاحبزادہ مغیرہ پہلے شخص ہیں جو امیر بخارا یمان جعفی کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے اسی نسبت سے امام موصوف جعفی مشہور ہوگئے ورنہ جعف خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں[1]

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے والد اسماعیل نے حماد بن زید کو دیکھا کہ انھوں نے عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور انھیں امام مالک سے بھی سماع حاصل ہے اور عبد اللہ بن مبارک امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

پیدائش اور ابتدائی حالات امام بخاری ۱۳ شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں بخارا ہی میں پیدا ہوئے بچپن میں نابینا تھے، لیکن والدہ کی دعا کی برکت سے آنکھیں روشن ہوگئیں امام صاحب کی والدہ نے جب ان کے لئے دعا کرنا شروع کی تو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا آپ نے فرمایا کہ تمہاری کثرت دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑکے کی بینائی واپس کر دی اس خواب کی صبح کو وہ واقعی بینا ہوگئے[2]

امام صاحب کے والد اسماعیل کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا اور انھوں نے اپنی والدہ کے آغوش شفقت میں نشو و نما پائی، سولہ سال کی عمر میں امام موصوف نے عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا تھا پھر اپنے بڑے بھائی اور والدہ کے ساتھ حج کے لئے گئے بھائی تو بخارا واپس آگئے اور امام موصوف نے حج سے فراغت کے بعد دو سال مکہ معظمہ میں قیام فرمایا پھر اٹھارہ سال کی عمر

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۷ [2] مقدمہ فتح الباری ص ۵۰۵

عمر میں مدینہ منورہ کا رخ اور وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس چاندنی راتوں میں "قضایا الصحابہ والتابعین اور تاریخ الکبیر" تصنیف کی[۱]

سماع حدیث کے لئے سفر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے سفر کا آغاز ۲۱۰ھ سے ہوا انھوں نے سماع حدیث کے لئے دور دراز کا سفر کیا، شام، مصر اور جزیرہ میں دو بار تشریف لے لئے اور حجاز مقدس میں چھ سال قیام فرمایا، کوفہ، بغداد جو علما کا مرکز تھا بار بار گئے۔ اور بصرہ میں چار مرتبہ جانا ہوا اور بعض دفعہ پانچ پانچ سال تک قیام کیا، ایام حج میں مکہ معظمہ چلے جایا کرتے تھے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام موصوف آٹھ مرتبہ بغداد آئے اور ہر مرتبہ احمد ابن حنبل بغداد کے قیام پر اصرار کرتے تھے[۲]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود امام صاحب نے احمد سے بہت کم روایت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کو خود امام احمد کے مشائخ سے استفادہ کا موقع ملا تھا، اور اس لئے کہ اخیر سفر میں امام احمد نے روایت کرنا بہت کم کر دیا تھا[۳]۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے سب سے پہلے سماع حدیث ۲۰۵ھ میں شروع کیا اور اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد ۲۱۰ھ سے انھوں نے سفر کا آغاز کیا اس سلسلہ میں نیشاپور کا بھی سفر کیا تھا اور وہاں بھی کچھ دنوں مقیم رہے تھے[۴]۔

اساتذہ و شیوخ امام بخاری کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کا خود بیان ہے کہ کتبت عن الف وثمانین نفساً لیس فیہم الا صاحب حدیث۔" (میں نے ایک ہزار اسی آدمیوں سے حدیثیں لکھیں ان میں سب کے سب محدث تھے لیکن یہ مسلم ہے کہ ان کو اسحٰق بن راہویہ اور علی بن المدینی سے زیادہ فیض پہنچا تھا۔

حافظ ابن حجر نے ان کے شیوخ کے پانچ طبقات قائم کئے ہیں

(۱) تبع تابعین، مثلاً محمد عبد اللہ الانصاری، ابو عاصم النبیل۔

(۲) تبع تابعین کے وہ معاصر جنھوں نے کسی ثقہ تابعی سے حدیث کی روایت نہیں کی جیسے

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ص۴۷۷ ۔ اس کے خلاف جس شرح حدیث یا کتاب میں ہے وہ غلط ہے، ناسخ کی غلطی ہے یا مولف سے فروگذاشت ہو گئی ہے (لامع ص۱) [۲] ارشاد الساری ص۳۱، [۳] مقدمہ لامع ص۶ بحوالہ فتح الباری [۴] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ [۵] مقدمہ فتح الباری ص۴۷۹

آدم بن ایاس۔

(۳) امام صاحب کے اساتذہ کا یہ درمیانی طبقہ ہے اس لئے ان لوگوں کا شمار ہے جن کو کبار تبع تابعین سے اخذ حدیث کا موقع ملا جیسے قتیبہ بن سعید، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ۔

(۴) معاصرین اور ہم عصر رفقاء جیسے محمد بن یحییٰ ذہلی ابو حاتم رازی۔

(۵) وہ معاصرین جو امام صاحب کے تلامذہ کی صف کے لیکن ان سے بھی بعض مرتبہ انھوں نے روایت کی ہے جیسے عبداللہ بن حماد آملی وغیرہ۔

ان محدثین سے استفادہ میں امام صاحب نے امام وکیع کے اس مقولہ پر عمل فرمایا ہے کہ آدمی اس وقت تک محدث نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بڑوں، معاصرین اور چھوٹوں سے استفادہ نہ کرے اسی لئے امام موصوف نے اپنے معاصرین و تلامذہ سے بھی روایت کی ہے[1]

غیر معمولی قوت حافظہ

امام موصوف نہایت قوی الحافظہ تھے استاد سے جو حدیث بھی سنتے فوراً زبانی یاد ہو جاتی کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں ان کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں جس کتاب پر ایک نظر ڈال لیتے تھے وہ حافظہ میں محفوظ ہو جاتی تھی۔

ابن مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں محمد بن اسلام بیکندی کے پاس تھا انھوں نے فرمایا اگر تم کچھ دیر پہلے آگئے ہوتے تو میں تمہیں ایک ایسا بچہ دکھاتا جس کو ستر ہزار حدیثیں زبانی یاد ہیں[2]

امام صاحب خود فرماتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اور اس جامع صحیح کو میں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے[3]۔ امام صاحب کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ جس وقت تشریف لائے تو وہاں کے محدثین نے آپ کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سو احادیث کے متن اور سندوں میں الٹ پھیر کر کے دس آدمیوں کے حوالہ کیا ہر شخص ان میں سے دس دس حدیثیں اسی طرح امام صاحب کے سامنے پیش کرے، شہر کے بہت سے لوگ اس کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے پھر ان محدثین نے حدیثیں پیش کیں، ہر مرتبہ امام موصوف "لا ادری" ہی فرماتے رہے جب سب لوگ حدیثیں پیش کر چکے تو امام صاحب نے ہر متن کو اس کی اصلی سند اور ہر سند کو اس کے اصلی متن کے ساتھ ملحق کر کے ترتیب وار سنا دیا لوگ سن کر دنگ رہ گئے اور آپ کے علم

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۴۸۴، [2] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۵۰، [3] مقدمہ فتح الباری ص۴۸۷
[4] مقدمہ ارشاد الساری ص۲۹

فضل کا لوہا مانتا تھا " فأقر الناس له بالحفظ و أذعنوا له بالفضل "

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تعجب اس پر نہیں ہے کہ صحیح و غلط میں امتیاز کر دیا کمال یہ ہے کہ ان لوگوں نے جس ترتیب سے روایات کو غلط شکل میں پیش کیا تھا اس کو بھی بیان کر دیا[1]۔

انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین نے بھی امام بخاری کے کمال حفظ کے بارے میں لکھا ہے "امام بخاری کا حافظہ و استحضار اس غضب کا تھا کہ معاصرین آئمہ تک کو وہ ایک کرامت نظر آتا تھا[2]"

امام بخاری کا زہد و تقویٰ علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی دولت بھی عطا فرمائی تھی انھوں نے اپنے والد سے ترکہ میں بہت سا مال پایا تھا، اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے اور بسا اوقات آپ کو دو یا تین بادام پر دن گزارنا پڑا شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: " كان قليل الاكل جداً امفر داً في السود و قال كان يقنع كل يوم بلوزتين وثلاث[3] "

امام صاحبؒ نے کسی امیر یا بادشاہ کی فیاضی سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا حالانکہ بارہا اس کے موقع آئے ان کے شاگرد امام موصوف کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں آدم بن ایاس کی خدمت میں حاضر ہوا تو خرچ کے آنے میں بڑی تاخیر ہوئی یہاں تک کہ مجھ کو گھاس کھا کر دو دن گزارنے پڑے تیسرے دن ایک صاحب نے آکر مجھے دینار کی تھیلی پیش کی جن کو میں پہچانتا بھی نہ تھا، اسی طرح ان کے ایک اور شاگرد کا امام صاحب کے واسطہ سے بیان ہے کہ جس وقت سے مجھے غیبت کی حرمت معلوم ہوئی اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ سے مجھے امید ہے کہ وہ اس بارے میں میرا محاسبہ نہیں فرمائے گا۔

امام موصوف ایک مرتبہ بیمار ہوئے ان کا قارورہ اطبا کو دکھایا گیا انھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سالن استعمال نہیں کرتے امام موصوف نے فرمایا کہ چالیس سال سے .... سالن استعمال کرنے کا اتفاق نہیں ہوا نماز میں امام صاحب کے استغراق کا یہ واقعہ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ایک بار ظہر کی نماز سے فراغت کے بعد نفل میں مشغول ہو گئے اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر اپنے بعض ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو قمیص کے اندر کچھ ہے تو نہیں انھوں نے دیکھا تو بھڑ نکلی جس کے ڈنک کے سترہ نشانات تھے اور جسم کا وہ حصہ متورم ہو گیا تھا ایک صاحب

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۳ و فتح المغیث ص ۱۱۶، [2] جلد چہارم ص ۳۲۱، [3] فیما یجب حفظہ للناظر ص ۲

نے عرض کیا آپ نے نماز کیوں نہیں توڑ دی فرمایا میں ایک ایسی صورت پڑھ رہا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ اس کو ختم کر لوں۔[1]

شیوخ و معاصرین کا اعتراف حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی مدح میں اگر متاخرین کے اقوال نقل کئے جائیں تو کاغذ اور روشنائی ختم ہو جائے۔ "فذٰلک بحر لا ساحل لہٗ"[2]

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

ان کے شیوخ و معاصرین سب ان کے کمالات کے معترف تھے ایک مرتبہ عمر بن زرارہ اور محمد بن رافع امام بخاری سے علل حدیث کے متعلق مختلف سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا "ابو عبداللہ افقہنا واعلمنا وابصرنا" امام اسحٰق بن راہویہ نے فرمایا "ھو ابصر منی" حالانکہ اس وقت امام صاحب سترہ آغاز تھے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسانید و علل میں امام بخاری سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا، امام مسلم نے امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ شہادت دی، اشھد ان لیس فی الدنیا مثلک" ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس آسمان کے نیچے امام بخاری سے بڑھ کر میں نے کسی کو عالم حدیث نہیں دیکھا

امام صاحب پر دور ابتلا اور آزمائش حدیث میں ہے کہ "اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل" چنانچہ امام موصوف کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑے بڑے امتحان میں ڈالا امام موصوف ۲۵۰ھ میں جب نیشاپور تشریف لائے تو محمد بن یحییٰ ذہلی نے لوگوں سے کہا کہ ان صالح عالم کی خدمت میں جا کر ان سے حدیثیں سنو ان کے کہنے پر لوگ اس کثرت سے امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ خود محمد بن یحییٰ کی مجلس ماند پڑ گئی پھر امام صاحب جس شان سے نیشاپور میں داخل ہوئے اس کی تصویر امام مسلم نے ان الفاظ میں کھینچی ہے کہ اہل نیشاپور نے اس سے پہلے کسی والی اور کسی عالم کا ایسا استقبال نہیں کیا تھا ان کے استقبال کے لئے نیشاپور سے دو تین منزل باہر نکل آئے تھے امام صاحب نیشاپور پہنچ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے امام ذہلی نے اعلان کر دیا تھا کہ کسی اختلافی مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو

---

[1] مقدمہ قسطلانی ص۳۱ و لامع ص۳ ، [2] مقدمہ فتح الباری ص۴۸۵ ، [3] تہذیب جلد ۱ ص۳ الاسماء واللغات از نووی۔

نہ کی جاتے ورنہ اگر کوئی جواب ہمارے خلاف ہوا تو خراسان کے لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے لیکن امام صاحب کے آنے کے دو ہی چار دن کے بعد جب آپ کے اشتیاق میں مکانوں اور چھتوں پر لوگوں کا ہجوم تھا ایک شخص نے قرآن کے الفاظ کے متعلق بار بار سوال کیا اس لئے مجبور اً امام صاحب کو اس کا جواب دینا پڑا آپ نے فرمایا:

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق الفاظنا من افعالنا و افعالنا مخلوقۃ و الامتحان عنہ بدعۃ۔

قرآن کلام الٰہی غیر مخلوق ہے، الفاظ ہماری زبان کا فعل ہیں اور ہمارے تمام افعال مخلوق ہیں اور اس مسئلہ میں امتحان لینا بدعت ہے۔

عوام اس دقیق جواب کو نہ سمجھ سکے اور امام ذہلی نے شدت سے امام صاحب کی مخالفت شروع کردی اور مجلس میں اعلان کرادیا کہ جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کا قائل ہو وہ ہماری مجلس درس میں نہ آئے اس پر امام مسلم، احمد بن سلمہ جو حلقۂ درس کے ممتاز طالب علم تھے امام ذہلی کی ساری تقریروں کو واپس کردیا اور ان کا حلقہ چھوڑ دیا

مسئلہ خلق قرآن میں امام صاحب کا نقطہ نظر

خلق قرآن کے بارے میں اوپر امام بخاری کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس سے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں امام احمد کے خلاف ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو فی الواقع دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ معتزلہ نے جب یہ مسئلہ اٹھایا کہ جس طرح خدا نے دنیا کو کن فیکون کے ذریعہ پیدا کیا ہے اسی طرح قرآن کو بھی پیدا کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مخلوق ہے

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور باری تعالیٰ کی صفت ہے، کیونکہ متلو اور تلاوت کے درمیان فرق ہے، متلو تو قدیم ہے اور تلاوت ہمارا فعل ہے اس لئے وہ حادث ہے۔ بعض لوگ اس تفریق کو پسند نہیں کرتے، لیکن امام بخاری متلو اور تلاوت کے درمیان فرق کرتے تھے اور امام ذہلی کو اس پر اعتراض تھا[1]

امام احمد نے ان لوگوں پر جنہوں نے کلام اللہ کو مخلوق یا غیر مخلوق کہا یا اس بارہ میں توقف اختیار کیا ہے اس لئے سخت تنقید کی ہے اور پوری قوت سے ان کا رد کیا تاکہ آئندہ کے لئے اس مسئلہ پر گفتگو کا دروازہ بند ہو جائے بعد میں حنابلہ نے یہاں تک غلو کیا کہ کلام مجید کی روشنائی اور اوراق سب کو

---

[1] کتاب الاسماء والصفات جلد ا صفحہ ۱۹۸ و صفحہ ۱۹۹

قدیم کہا، بعض نے قلم تک کو جس سے قرآن مجید لکھا گیا ہے قدیم کہہ دیا امام بخاری کو اس غلو سے اختلاف تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا جیسا کہ بخاری جلد ثانی خلق افعال العباد میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے اس بنا پر امام بخاری اور حنابلہ میں کشمکش پیدا ہوگئی اور امام صاحب کو قید و بند کی تکلیفیں بھی برداشت کرنا پڑیں کیونکہ حکومت پر حنابلہ کا اثر تھا غرض نیشاپور میں لوگوں نے محض فتنہ انگیزی کے لئے اس قسم کے سوال و جواب پر امام صاحب کو مجبور کیا جس کے نتیجہ میں ان کو نیشاپور چھوڑ کر اپنے وطن مالوف بخارا واپس آنا پڑا لیکن وہاں بھی مخالفین نے سکون سے رہنے نہ دیا[1]

وفات

چنانچہ امام صاحب کے بخارا واپس آنے کے بعد لوگوں نے والی بخارا کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لئے مختلف مقامات سے اس کے پاس خطوط لکھے، امام ذہلی نے بھی اس میں حصہ لیا، ان خطوط پر والی بخارا امام صاحب سے ناراض ہوگیا[2] کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ والی بخارا کی خواہش تھی امام صاحب اس کے گھر پر جاکر اس کے بچوں کو الجامع الصحیح اور التاریخ الکبیر پڑھا دیں، امام صاحب نے اس بنا پر اس سے انکار کیا کہ اس میں علم کی توہین تھی تو والی بخارا نے کہا کہ لڑکے خود امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں گے لیکن اس وقت وہاں کوئی دوسرا طالب علم نہ ہو اس کو بھی امام صاحب نے منظور نہیں کیا اس پر والی بخارا آپ سے برہم ہوگیا اور آپ کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیا، جب سمرقند والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی لیکن وہاں کے لوگوں میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا مجبوراً اپنے ننہال خرتنگ چلے گئے جو بخارا سے تھوڑے فاصلے پر تھا پھر رمضان المبارک کا مہینہ گزار کر شوال میں سمرقند جارہے تھے کہ راستے میں دفعتاً پیام اجل آگیا اور ۲۵۶ھ میں باسٹھ سال کی عمر میں حدیث رسول کا یہ آفتاب تاباں غروب ہوگیا[3]

امام بخاری کا مسلک

امام صاحب کے مسلک کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے، کبار محدثین کے ساتھ ہمیشہ سے یہ معاملہ رہا ہے کہ مختلف مسلک والوں نے ان کو اپنے اپنے مسلک کا پیرو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہی معاملہ امام بخاری کے ساتھ بھی ہوا، تقی الدین السبکی نے طبقات شافعیہ میں اور نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ابجد العلوم میں شافعی ان کو لکھا ہے[4]، حافظ ابن حجر کے نزدیک امام بخاری کے مباحث فقہیہ کا غالب حصہ امام

---

[1] لامع الدراری ص۱۳ و افادات حضرت الاستاذ مدظلہ [2] مقدمہ لامع ص۱۲، [3] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۴
[4] ابجد العلوم ص۶۸۱ -

شافعی کے مسلک سے ماخوذ ہیں[۱] علامہ ابن قیم کی تحقیق میں امام موصوف حنبلی تھے[۲] لیکن علامہ طاہر جزائری کی نظر میں مجتہد مطلق ہیں[۳]، مگر ان کی جامع صحیح کے مطالعہ سے جیسا کہ علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں واضح ہوتا ہے کہ آپ بلا شک وشبہ مجتہد مطلق تھے اور یہ شہرت کہ آپ شافعی تھے اور آپنے مسائل مشہورہ میں امام شافعی کے مسلک کی پیروی کی ہے صحیح نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کی موافقت بھی امام شافعی سے کم نہیں ہے[۴]۔ حضرۃ الاستاذ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شافعیہ کے مسائل پر متعدد جگہوں پر رد کیا ہے اس کی تعداد حنفیہ کے رد سے کم نہیں ہے البتہ حنفیہ کی زیادہ قوت سے تردید کی ہے اور اس کے وجوہ ہیں[۵] اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر امام موصوف مجتہد مطلق ہیں تو ان کے خاص شاگرد امام ترمذی نے جہاں اپنی کتاب میں مذاہب کی طویل فہرست نقل فرمائی ہے اس میں امام موصوف کا مسلک پوری کتاب میں ایک جگہ باب الاقتداء بالامام میں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہیں تھے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مذہب رائج نہیں ہوا تھا اور نہ ان کے مقلد ہوئے اس لئے ان کے مذہب کو بیان نہیں فرمایا[۶]۔

تصنیفات

امام صاحبؒ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں ان کی مجمل فہرست یہ ہے:۔ الجامع الصحیح، الادب المفرد، التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط، التاریخ الصغیر، خلق افعال العباد، جزء رفع الیدین، قراۃ خلف الامام، برالوالدین، کتاب الضعفاء، الجامع الکبیر، التفسیر الکبیر، کتاب الاشربہ، کتاب الہبہ، کتاب المبسوط، کتاب الکنیٰ، کتاب العلل، کتاب الفوائد، کتاب المناقب، اسامی الصحابہ، کتاب الوحدان، قضایا الصحابہ[۷]

الجامع الصحیح

ان میں سب سے مہتم بالشان الجامع الصحیح ہے جس پر ہمیں آئندہ صفحات میں گفتگو کرنی ہے۔

متعین طور سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امام موصوف نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز کس سنہ سے کیا اور کب اس سے فارغ ہوئے لیکن اتنا معلوم ہے کہ تصنیف کرنے کے بعد اس کو اپنے شیوخ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ ابن المدینی ۲۳۴ھ اور ابن معین ۲۳۳ھ کے سامنے پیش کیا تھا۔

---

[۱] فتح الباری جلد ۱ ص ۱۳۳، [۲] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۲۶، [۳] توجیہ النظر ص ۱۵۵، [۴] فیض الباری جلد ۱ ص ۵۸، [۵] لامع ص ۱۵، [۶] افادات، [۷] اللامع ص ۲۲

ابن معین کا سنہ وفات ۲۳۳ھ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سنہ میں بخاری کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے البتہ اس میں بعد میں کچھ اضافے بھی کرتے رہے[1] یہ کتاب امام موصوف نے ۱۶ سال میں مکمل کی خود فرماتے ہیں: "صنفت کتابی الصحیح فی ست عشر سنة"[2] اس لئے اس کا آغاز ۲۱۷ھ میں ہوگا جبکہ آپ کی عمر شریف ۲۳ سال کی تھی[3]۔

وجہ تالیف امام بخاری کے عہد تک احادیث کے بہت سے مجموعے تیار ہو گئے تھے جب انھوں نے ان مجموعوں کو دیکھا تو اس میں صحیح و ضعیف ہر طرح کی روایات منظر آئیں اس لئے انھوں نے احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ تیار کرنے کا ارادہ کیا جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو، ان کے استاذ امیر المومنین فی الحدیث اسحٰق بن راہویہ نے ان کے ارادہ کو اور زیادہ قوی کر دیا۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم ان کی خدمت میں حاضر تھے انھوں نے فرمایا کاش تم احادیث صحیحہ کے عنوان پر ایک کتاب تم جمع کر دیتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ دوسری غیبی تائید یہ ہوئی کہ انھوں نے خواب دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں ان کے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس کے ذریعہ آپ کے اوپر سے دفع کر رہے ہیں۔

بیدار ہو کر بعض معبرین سے تعبیر دریافت کی انھوں نے کہا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کرو گے اس خواب نے ان کے شوق و ہمت کو اور بلند کیا اور الجامع الصحیح کی تالیف میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مولف نے پوری کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے جو اس کے نام سے ظاہر ہے[4]۔

وجہ تسمیہ اس کتاب کا پورا نام ہے: "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وسننہ و أیامہ۔"

الجامع: جس میں فن حدیث کے آٹھوں ابواب ہوں اس کو جامع کہتے ہیں اور اس میں سب ابواب موجود ہیں۔ الصحیح: اس کی تمام حدیثیں صحیح ہوں اگر کوئی معلل یا شاذ روایت آگئی تو اس کا

---

۱ اللامع ص۳ ، ۲ وفیات الاعیان جلد ۲ ص۳۳۴ ، ۳ اللامع ص۲۶ ، ۴ مقدمہ فتح الباری ص۵۔

ضمناً ذکر ہے۔ المسند بطور تاکید کے ہے۔ سننہ یعنی آپ کے افعال اقوال و احوال پر مشتمل ہے۔ ایامہ امام بخاری نے دور جاہلیت کے بعض ایسے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جس سے آپ کی زندگی کا تعلق ہے[1]

اس تصنیف میں اہتمام اس تصنیف میں امام بخاری نے ۱۶ سال صرف کئے اور اس کو انھوں نے تین بار تصنیف کیا، فرماتے ہیں، قد صنّفت کتبی ثلاث مرات — ملا علی قاری فرماتے ہیں: کانہ اراد بالتکریر التنقیح۔ یعنی تنقیح و تہذیب تین بار فرمائی ہے[2] علامہ عینی فرماتے ہیں: ابن طاہر نے کہا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کو بخارا میں تصنیف کیا ابن بجیر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بصرہ میں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تصنیف ہوئی[3]

لیکن خود امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے "الجامع الصحیح" کو مسجد حرام میں تصنیف کیا اور ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے استخارہ کر کے دو رکعت نماز پڑھتا تھا اور جب اس کی صحت کا پوری طرح سے انشراح ہو جاتا تھا، اس وقت حدیث کو کتاب میں جگہ دیتا تھا۔ اس اہتمام کی وجہ سے لوگوں کا قول ہے کہ امام بخاری نے گویا براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

کان البخاری فی جمعہ　　تلقّٰی من المصطفٰی ما اکتتب

بخاری نے تراجم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک اور منبر شریف کے درمیان مسودہ سے مبیضہ میں منتقل کیا تھا اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے تھے[4]

مقام تصنیف کے بارے میں جو متعدد مقامات بیان کئے جاتے ہیں ان میں حافظ ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب و ابواب تو مسجد حرام میں لکھ لئے تھے اور مختلف مقامات پر احادیث کی تخریج فرماتے رہے۔ تراجم الابواب کے مسودہ کو مزار مبارک اور ممبر شریف کے درمیان مبیضہ میں تبدیل فرمایا[5]

الجامع الصحیح کی مقبولیت بخاری شریف کے محاسن و فضائل بے شمار ہیں جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا حافظ ابن صلاح بخاری و مسلم کا تذکرہ کرتے

---

[1] افادات حضرت الاستاذ شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ　[2] مرقاۃ جلد ۱ ص ۱۳
[3] عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۵　[4] ارشادات الساری ص ۲　[5] مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۱
[6] ایضاً ص ۴۹

ہوئے فرماتے ہیں،

کتابا هما اصح الکتاب بعد کتاب الله العزیز ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا واکثرها۔[۱] — یعنی کتاب اللہ کے بعد ان دونوں کتابوں کا درجہ ہے پھر صحیح بخاری کا مرتبہ صحت اور کثرت کے لحاظ سے ممتاز و مقدم ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں، اجود هذه الکتب کتاب البخاری۔[۲]

ابو زید مروزی فرماتے ہیں کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا اے ابو زید امام شافعی کی کتاب کا درس کب تک دوگے؟ میری کتاب کا درس آخر کب دوگے؟ انھوں نے عرض کیا حضور آپ کی کون سی کتاب ہے؟ فرمایا محمد بن اسمٰعیل البخاری کی "الجامع الصحیح"[۳]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے[۴]۔ شاہ صاحب قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا[۵]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں بخاری شریف کے پڑھنے سے قحط سالی دور ہو جاتی ہے اور قحط کے زمانہ میں اس کے ختم کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے[۶]

ایک محدث نے اس کو ایک سو بیس مرتبہ مختلف مقاصد کے لئے پڑھا اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی[۷]

جامع صحیح کا مقصد و مقصود اعظم

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مصنف نے پوری کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے اور اس میں صرف احادیث صحیحہ ہی لاتے ہیں، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس کے ساتھ انھوں نے فقہی مسائل اور حکیمانہ نکتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے، چنانچہ متون احادیث سے بہت سے معانی استنباط فرماتے ہیں جو مناسب طریقے سے پوری کتاب میں موجود ہیں اسی طرح آیات احکام کی طرف بھی پوری توجہ رکھی ہے اور اس سے عجیب و غریب معانی کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام

---

[۱] مقدمہ ابن صلاح [۲] تہذیب الاسماء والصفات جلد ۱ ص ۶۷ [۳] مقدمہ فتح الباری ص ۵۱۷

[۴] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۲۹۷ [۵] ایضاً جلد ۱ ص ۳۵ [۶] ارشاد الساری جلد ۱ ص ۲۹

[۷] اتحاف النبلاء ص ۱۰۲ و لامع ص ۲۴

بخاری کی اصل غرض احادیث کے ذخیرہ میں سے صحیح و مستفیض و متصل کا انتخاب ہے اور فقہ و سیرت اور تفسیر کو بھی استنباط کیا ہے اور اخذ حدیث میں جو شرط انھوں نے مقرر کی تھی وہ بدرجۂ کمال پوری کی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام موصوف کا مقصود اعظم اپنی الجامع الصحیح میں طرق استنباط ہے، اسی لئے "فقہ البخاری فی تراجمہ" کہا گیا ہے کہ بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے[2]

امام بخاری کے تخریج کے شرائط

شروط الائمہ پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، محمد بن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ ان ائمہ یعنی بخاری و مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین میں کسی سے بھی تخریج روایت میں ان کے شرائط منقول نہیں بلکہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے[3] بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی روایت کی تخریج کرتے ہیں جس کے سارے رواۃ صحابی مشہور تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر کبار محدثین کا اتفاق ہو اور اس کی سند متصل ہو منقطع نہ ہو، جس روایت کے صحابی سے دو یا اس سے زیادہ راوی ہوں وہ نہایت ہی اعلیٰ و ارفع ہوگی اور اگر ایک ہی راوی ہو اور اس کی سند صحیح ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، امام مسلم نے ایسے لوگوں سے بھی حدیث کی تخریج کی ہے جن کی حدیث کو کسی شبہ کی بناپر امام بخاری نے ترک کردیا تھا، جس کی مثال امام زہری کے تلامذہ میں جو اوصاف کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں تقسیم کئے گئے ہیں، امام بخاری نے ان میں سے طبقۂ اولیٰ سے اصالۃً اور طبقۂ ثانیہ سے جن کی احادیث پر ان کو اعتماد ہے ان کو بخاری میں روایت کیا ہے، لیکن بالاستیعاب ایسا نہیں کیا ہے اور امام مسلم نے دونوں طبقوں کی حدیث کو بالاستیعاب لیا ہے، اسی طرح طبقۂ ثالثہ کی روایت کو امام بخاری نے بالکل قبول نہیں کیا ہے لیکن امام مسلم ان سے بھی کبھی کبھی روایت کرتے ہیں[4]

اسی طرح ابوعبداللہ حاکم نے حدیث صحیح کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کو کوئی مشہور صحابی نبی کریمؐ سے روایت کرے پھر اس صحابی سے دو ثقہ راوی روایت کرتے ہوں لیکن صحیحین سے ان کا دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ شیخین نے ایسے بہت سے صحابہ کی روایت کو نقل کیا ہے جن سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے[5]

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۵ ۲؎ لامع ص ۲۴ ۳؎ شروط الائمہ ص ۱ ۴؎ تدریب الراوی ص ۴۱
۵؎ ایضاً ص ۳۸

کتب احادیث میں جامع بخاری کا مقام

مذکورہ بالا شرائط اور دیگر وجوہ کی بنا پر امت کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کو صحاح اور تمام کتب حدیث پر ترجیح حاصل ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری صحت اور دیگر فوائد کے لحاظ سے صحیح مسلم پر فائق ہے[1]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

لا یوازیہ فیہ غایرہ لا صحیح مسلم ولا غایرہ[2] — بخاری کا صحیح مسلم یا اور کوئی کتاب مقابلہ نہیں کرسکتی

البتہ امام شافعیؒ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

انہ قال ما اعلم فی الارض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالک، وفی لفظ عنہ ما بعد کتاب اللہ اصح من موطا مالک[3] — روئے زمین پر امام مالک کی کتاب سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی کتاب نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کے بعد موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا فیصلہ ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے سے پیشتر تھا، امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی جبکہ امام بخاری کی عمر دس سال کی تھی اور اسی سال امام مسلم پیدا ہوئے[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں: بخاری، مسلم و موطا کی حدیثیں نہایت صحیح ہیں اور موطا کی اکثر روایات مرفوعہ صحیح بخاری میں موجود ہیں[4]

لیکن حاکم کے شیخ ابوعلی نیشاپوری اور بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز کہا ہے، حافظ ابن حجر نے اس قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے ان لوگوں نے حسن ترتیب کے لحاظ سے مسلم کو ترجیح دی ہو کیونکہ امام مسلم نے اپنے شہر میں بیٹھ کر نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی کتاب کی تصنیف کی اور امام بخاری نے مختلف مقامات میں رہ کر روایات کی تخریج کی ہے، حضرت الاستاذ مدظلہ (شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب) فرماتے ہیں کہ اگر ان کے قول کی یہ توجیہ نہ کی جائے تو بھی جمہور کے مقابلہ میں ان کا قول شاذ ونا قابل اعتبار ہے[5]

صحیح بخاری کے صحیح مسلم پر ترجیح کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ بخاری کی روایات کے مقابلہ میں

---

[1] مقدمہ شرح مسلم ص۱۱، [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص۲۵، [3] لامع ص۱۶، [4] عجالہ نافعہ ص۶، [5] افادات

مسلم کی روایات پر زیادہ کلام کیا گیا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

لولا بخاری لما جاء مسلم — اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم کا وجود نہ ہوتا

اعتذار

سابقہ شمارہ میں لمحہ فکریہ کے تحت ایک جملہ تحریر تھا کہ: "وہ علماء حق جو جنگ آزادی کے بانیان کے نقش قدم کے پاسباں ہونے کے دعویدار بھی تھے اعلاء کلمۃ الحق کی جرأت نہ کر سکے اور یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مزار مقدس پر ہونیوالا فیصلہ حرمت نس بندی بھی شرمندہ اعلان و اشاعت نہ ہو سکا۔"

اس سلسلہ میں ہمیں عالی جناب مولانا منت اللہ صاحب امیر شریعت بہار کا ایک خط موصول ہوا جس میں موصوف نے خود امارت شرعیہ بہار نیز دیگر علماء کرام ہند کی ایمرجنسی کے دوران نس بندی کے خلاف جد و جہد کی تفصیلات مرحمت فرمائی ہیں۔

ہم علماء کرام اور اپنے ان سب مجاہد حضرات کے جنھوں نے اس وقفہ میں حکومت کے خوف سے بے نیاز ہو کر ملت اسلامیہ اور حکومت کے سامنے اسلام کا صحیح مسلک پیش کرنے کی جرأت فرمائی۔ سے اپنے اس جملہ کے لئے معذرت خواہ ہیں اور دعاگو ہیں کہ خداوند قدوس ہمیشہ ہمیشہ ملت کو ایسے حضرات کی رہنمائی عنایت فرماتے رہیں۔

ہم عالیجناب مولانا منت اللہ صاحب کی اس ضمن میں کرم فرمائی معلومات کے لئے بھی ممنون ہیں۔ صفحات کی تنگی کی بنا پر ہم ان کا تفصیلی خط اپنی خواہش کے باوجود شائع نہیں کر پا رہے ہیں۔

(ادارہ)

نعتِ رسولؐ

میسر ہو اگر ایمان کامل　　کہاں کی الجھنیں کیسے مسائل

نہیں جن میں تمہارا عکس شامل　　وہ نقشے ہیں مٹا دینے کے قابل

ثبوتِ عظمتِ انسانیت ہیں　　محمد مصطفےٰ انسان کامل

تمہارا ہر قدم شمع ہدایت　　تمہارا نقشِ پا تصویرِ منزل

ہزار آزادیوں سے لاکھ بہتر　　تمہارے عشق کے طوق و سلاسل

تمہارے قولِ فیصل سے ہوئی ہے　　نمایاں خیر و شر کی حد فاصل

سکوں مجھ کو نہیں درکار آقا　　بڑھا دیجے مری بے تابیٔ دل

اجازت ہو تو شاہا پیش کر دوں　　مرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا دل

حفیظ اس عشق احمد کی بدولت

مجھے ہے دولتِ کونین حاصل

(حفیظ میرٹھی)

زرِ تعاون
دس روپے

دار العلوم میرٹھ کا دوماہی جریدہ

صدائے حجاز

مرتب
ظل الرحمٰن

جلد نمبر۱ | بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۸ء م ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ | شمارہ نمبر۵

نمبر شمار	مضامین	صاحب مضمون	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	ادارہ	۲
۲	فلسفۂ قربانی	علامہ انور صابری	۶
۳	دعوتِ عمل	مولانا ابوالکلام آزاد	۷
۴	خرید و فروخت کے مسائل	مولانا منظور نعمانی	۹
۵	وہ درسِ حیات جسے تم بھول گئے	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۹
۶	خلفاء راشدین کا طرزِ زندگی	مولانا محمد میاںؒ	۲۲
۷	سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام	مولانا ضیاء الحسن لدھیانوی	۲۸
۸	یوم الحج	مولانا ابوالکلام آزاد	۳۶
۹	قرآن کی فریاد	ماہر القادری	۴۱
۱۰	اقوالِ زریں	ادارہ	۴۲
۱۱	اذّعا	جناب وحید الدین خاں	۴۴
۱۲	عجائبات روضۃ الکبریٰ	مولانا جلیل الرحمٰن مظاہری	۴۵
۱۳	ترانہ دار العلوم	مولانا ریاست علی ظفر بجنوری	۴۹
۱۴	محدثین کرام کا اعجاز نما حافظہ	حکیم سعد اللہ ندوی	۵۲
۱۵	مولانا ماجد علی خاں	ادارہ	
۱۶	حضرت مولانا بنوریؒ کے قلمی خطبات		۶۰
۱۷	نعت سرورِ کونین	سید عاصم گیلانی	۶۳

ظل الرحمٰن ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے جمال پریس میں چھپوا کر دفتر صدائے حجاز سنہری مسجد سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حضرات کرام!

ماہ ذی الحجہ آپ کے سامنے ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں رب العالمین اپنے پیغمبر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی محبوب اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی طلب کی۔ ابتلائے آزمائش اور اس پر رضائے رب کی اطاعت کا معیار غور فرمائیے۔

بڑھاپے کی وہ اولاد جو ہزار دعاؤں کے بعد پیدا ہوئی تھی جس پر پہلے ہی دن سے مصائب کا بار مقدر ہوکر وادی غیر ذی زرع میں صرف خدا کے سہارے چھوڑ کر باپ نے اطاعت خداوندی میں واپسی سفر کے لئے آنکھیں موڑ دی تھیں۔ جس اولاد کی کوئی حسرت باپ نے نہیں دیکھی تھی اس باپ سے اپنے اس بیٹے کی قربانی کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور باپ کا سر تسلیم حکم خداوندی پر خم ہے۔

باپ سے زیادہ بیٹے کی اطاعت ملاحظہ فرمایئے۔ وہ مزید دو قدم آگے بڑھ جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ اباجان آنکھوں پر پٹی باندھ لیجئے ایسا نہ ہو کہ شفقت پدری حکم خداوندی کی تکمیل میں سد راہ بن جائے۔

انسان کی عظمت کا یہی وہ معیار تھا جس نے اسے فرشتوں اور دوسری تمام مخلوق پر اشرفیت کا شرف بخشا اور اس اشرفیت کے معیار کی تجدید کے لئے ملت ابراہیمی پر یہ دن مقدس قرار دیا گیا اور قربانی فرض کردی گئی تاکہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی زندگی کا یہ سبق سال بہ سال یاد ہوتا رہے۔ قرآن کریم نے ہمیں یہ درس ان الفاظ میں دیا ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔	نیکی میں تم کو اس وقت تک کمال حاصل نہیں ہوگا جب تک اپنی محبوب ترین چیز کو قربان نہ کردو۔

قربانی کے فرائض ہم سال بہ سال ادا کرتے ہیں۔ جانور کے انتخاب میں اعلیٰ سے اعلیٰ قیمت تک

ہمارا معیار بلند ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں تاکہ سماجی میدان میں ہمارے وقار میں اضافہ ہو اور ہر وہ عمل کرتے ہیں جس میں شخصیت کی نمود شامل ہو لیکن کیا کبھی ہم نے اس مقدس موقعہ پر اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی بھی کوشش کی ہے۔

ہماری سب سے محبوب چیز ہماری اپنی ذات ہے کیا ہم اسے اپنی ملت کے لئے قربان کرنے کو تیار ہیں۔ کیا ہمارے لئے ملت کے اجتماعی مفادات کے لئے اپنی ذاتی اغراض کی قربانی دینا ممکن ہے جب بھی کبھی اس عنوان پر اپنا جائزہ لیں گے تو جواب نفی میں آئے گا اور معلوم ہوگا کہ قوم خودکشی کے دہانے پر بیٹھی ہوئی ہے۔

محترم بزرگو! اسلام نے اجتماعی زندگی کا جو درس دیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ دن میں پانچ وقت اہل محلہ کو مسجدوں میں جمع ہونے کا حکم دیا تاکہ ایک دوسرے کے دکھ درد کا علم سب کو ہوتا رہے اور اس کے تدارک کے لئے اجتماعی اقدام اٹھائے جاسکیں۔ ہفتہ میں ایک بار اہل قریہ اور ہر چھوٹی بستی کے لوگوں کو اسی مقصد کے پیش نظر نماز جمعہ کے نام پر اکٹھا ہونے کا حکم دیا اس اجتماع میں خطبہ جو آج صرف چند آیات کی تلاوت کا نام رہ گیا ہے اور جو کبھی مسائل حاضرہ ملت پر ایک تبصرہ اور رشد وہدایت ہوتا تھا اس نماز کا لازمی جزو قرار دیا۔

سال بھر میں اسی مقصد کے لئے اہل شہر کو عیدین میں اور اہل عالم کو میدان عرفات میں جمع ہونے کا حکم دیا تاکہ تمام عالم کو ایک رسی میں باندھ کر رکھا جاسکے اس سماجی زندگی کے ساتھ اسلام نے ذاتی زندگی کو بھی ملحوظ رکھا ہے اوقات کی تقسیم ہی کا عنوان لے لیجئے فجر پڑھئے کچھ ناشتہ پانی کے بعد تلاش معاش کے لئے نکل جایئے اور دوپہر تک اس کے لئے کوشاں رہئے۔ واپسی پر نماز ظہر ادا کیجئے کھانا کھا کر عصر تک آرام کیجئے عصر کے لئے باہر نکلئے اور عصر سے مغرب تک احباب اور سماج کی نذر ہو جایئے۔ غروب آفتاب تک پھر واپس اپنے گھر تشریف لے آیئے اور اب یہ وقت اپنے بیوی بچوں میں صرف کیجئے۔ عشا پڑھئے اور پھر آرام سے سو جایئے۔ غرض اسلام نے کسی باب میں بھی سماجی ضروریات سے غفلت نہیں اختیار کی ہے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ ہمیں کس حد تک اپنے سماج کی ضرورتوں کا احساس ہے اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی روح ہمیں کس حد تک یاد ہے اور ہم اپنی ذات کو ملت کے لئے کس حد تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

سنہ کے بعد جو حادثہ ملت اسلامیہ ہند کو پیش آیا اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہم پورے

ملک میں اپنی ہمہ گیر تنظیمیں بناتے اور اپنے کو ان کے سپرد کر دیتے تاکہ ملت کا جو شیرازہ بکھر گیا تھا وہ پھر یکجا ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا ہم مایوسیوں کا شکار ہوتے چلے گئے ہیں اپنے خدا پر یقین کم ہوتا چلا گیا اور ہم دوسری تنظیموں کا جزو بنتے چلے گئے۔ آج ساری دنیا کے عیسائی پادری ایک جگہ ایک اکٹھا ہو کر ایک پاپائے اعظم کا انتخاب کر سکتے ہیں لیکن ہم اپنے لئے کسی امیر شریعت کا انتخاب کر کے کوئی اولی الامر شخصیت پیدا نہیں کر سکتے ایک لے دے کر صوبہ بہار میں امارت شرعیہ قائم ہے باقی سارا ملک خالی ہے اور اس کا میدان بھی اقتصادی تنظیم سے خالی ہے۔

ہمارا اپنا عالم یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے اقتصادی دشواریوں کا شکار ہیں ہمارے اچھے اچھے کاریگر اپنا قیمتی فن چند سکوں کے عوض دوسروں کے ہاتھوں بیچنے پر مجبور ہیں اپنے فن سے حاصل شدہ منافع کا عشر عشیر بھی ان کا مقدر نہیں بن پاتا۔ علماء کی اکثریت نے اپنی اپنی خانقاہیں قائم کر رکھی ہیں جنہیں دین کے سارے مسائل چاند دیکھنے اور چرم قربانی کے وقت یاد آتے ہیں ایک روزہ مزید رکھنے کا فیصلہ کوئی کر دے تو وہ مداخلت فی الدین کے نام پر سو تین گز کا پوسٹر نکالنے میں کوئی غفلت نہیں برتتے اوقاف کے ذمہ داران پانچ پانچ روپیہ ماہانہ تنخواہوں پر اماموں کا تقرر فرما دیتے ہیں کیا یہ سب کچھ دین کے ساتھ مذاق اور سنت ابراہیمی کے ساتھ بدسلوکی نہیں ہے اور کیا یہ سب چیزیں دین کے زوال کا سبب نہیں بنیں گی۔

خدارا سوچئے! اسلام کی روح اس سے بہت مختلف ہے اس کا خلیفہ عمر فاروق رضؓ اکیلے مدینہ میں گھر گھر ضرورتمندوں کی حاجت روائی کے لئے گھومتا تھا اسے ملت اسلامیہ کی سماجی زندگی کی بہتری کا احساس تھا۔

آپ بھی اس ملت کو پھر ایک بار کسی ایک مرکز تعمیر پر جمع کر سکتے ہیں کسی کے بلانے کا انتظار بے سود ہے آپ کا اپنا قدم خود ہی اٹھنا ہے تاکہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

ذرا غور کیجئے کہ پوری عیسائی قوم کا صرف ایک عمل کہ وہ اپنے سود کی رقم خود نہ لے کر چرچ کو دیدیتے ہیں اسے فلاح و بہبود کے میدان میں ساری دنیا میں ممتاز بنائے ہوئے ہے اگر آپ تنہا اپنی زکوٰۃ ہی کی کوئی تنظیم بنا لیں صرف چرم قربانی ہی کی رقوم ملت کے بنیادی مقاصد یعنی پسماندہ طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کرنے کی کوئی تنظیم قائم کر لیں۔ اپنے اپنے

حلقوں میں معاشی دشواریوں کے لئے بیت المال قائم کرلیں اپنی تعلیم گاہوں کو اجتماعی طور سے چلانے کے لئے کوئی ادارہ قائم کرلیں تو پوری ملت میں ایک نئی روح دوڑ جائے گی اسے اپنی انفرادیت کو ایک مہذب رنگ دینے کا سلیقہ آجائے گا اور آپ کی یہ مختصر سی قربانی اسے حیات جاوداں بھی دے گی۔

آپ جس ملک میں رہ رہے ہیں وہاں ترقی کے بہت سے میدان آپ کا انتظار کر رہے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم من و سلویٰ کے انتظار میں قناعت کی غلط تفسیر لئے بیٹھے ہیں جو آپ کو اس طرح کبھی نہیں ملے گا کیونکہ خداوند قدوس نے واضح طور پر فرما دیا ہے:

لیس للانسان الا ما سعیٰ ۔ تمہارے لئے وہی تمہارا مقدر ہے جس کے لئے تم جدوجہد کرسکو

ہم اس ملک کے وارث ہیں ہمارے آبا و اجداد نے اس کی آزادی کے لئے نہ صرف خون بہایا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ بانیان جنگ آزادی تھے سلطنت ان کے ہاتھ سے نکلی تھی ان ہی کو اس کی واپسی کا بھی احساس تھا برادران وطن نے ان سے نقوش قدم اٹھاتے ہیں۔ ہمیں اس سرزمین کا ایک ایک چپہ عزیز ہے اور اس ملک کی ہر تحریک ترقی ہمارے انتظار میں استقبال کیلئے کھڑی ہے تعلیم گاہیں ہمارا انتظار کرتے کرتے تھک جاتی ہیں مقابلے کے امتحان ہمارے جانبازوں کے لئے چشم براہ ہوتے ہیں صنعتی علاقے ہمارے کاریگروں سے کارخانے لگانے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ ان ضرورتوں کی طرف ہمیں کوئی احساس ہی نہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے ملت کے اقتصادی مسائل اتنے کمزور نہیں ہیں کہ ان مسائل کا حل نہ نکل سکے اسے کوئی بلانے والا چاہئے اسے شعور دلانے والا درکار ہے اسے کوئی منظم کرنے والا چاہئے یقین رکھئے جس دن آپ منظم ہو گئے حکومت اور سماج کی ہر مدد آپ کو حاصل ہو گی ۔

خدارا آپ صرف اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیجئے اور قربانی کے اس مقدس دن پر اپنی ذات کو ملت پر قربان کر لینے کا عزم بھی پیدا کر لیجئے ۔ آپ خود دیکھ لیجئے جہاں کہیں بھی آپ نے یہ قدم اٹھایا ہے آپ کامیاب رہے ہیں۔ ملک میں آپ کے بعض بیت المال اچھے معیار پر چل رہے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں دہلی کا کریسنٹ اسکول اسی زندگی کا ایک اچھا تجربہ ہے۔ ملک میں مختلف کوآپریٹیو سوسائٹیاں آپ بہت آسانی سے قائم کر سکتے ہیں حکومت سے اقتصادی امداد کوئی دشوار چیز نہیں ہے صرف آپ کے وقت کی قربانی درکار ہے ۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہئے ۔ کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

خلیل الرحمن

علامہ انور صابری

فلسفۂ قربانی

ذبیح اللہؑ کی جب یاد آجاتی ہے قربانی
مرے دل میں چمک جاتا ہے نورِ مہرِ ایمانی

رضائے حق کی خاطر سر کو زیرِ تیغ کر دینا
یہ جذبہ فی الحقیقت ہے بعید از حدِ امکانی

بقائے دائمی کا لطف ہوتا ہے اسے حاصل
ضروری جس نے سمجھا اتباعِ حکمِ ربانی

براہیمی عمل نے زندگی کو زندگی بخشی
ہوئے جس سے ہویدا زیست کے اسرارِ پنہانی

پسر کو دیکھتی آنکھوں لٹانا ذبح کرنے کو
یہ ایثارِ پدر ہے برتر از احساسِ انسانی

خدا دیکر مصائب بس انہیں کو آزماتا ہے
کرتا ہے وہ جن سے دینِ قسیم کی نگہبانی

کلام اللہ کا ہر حرف انورؔ درسِ عبرت ہے
سبق آموز ہیں تیرے لئے آیاتِ قرآنی

مولانا ابوالکلام آزاد

دعوتِ عمل

آنکھیں دیکھنے کے لئے ہیں کان سننے کے لئے ہیں اور دل پہلو میں رکھا گیا ہے کہ دیکھے سنے اور بیقرار ہو لیکن وہ سب کچھ تمہارے لئے بیکار ہو گیا ہے جس کو آنکھ دیکھتی ہے اور وہ سب آوازیں بے اثر ہو گئی ہیں جو کانوں سے سنائی دیتی ہیں اور وہ تمام فکریں اور عبرتیں ڈوب گئی ہیں جن سے دل تڑپے اور روحیں بے قرار ہوتی ہیں پس جو کچھ کیا جائے لاحاصل اور جو کچھ کہا جائے بیکار ہے۔ آہ! تم غافل ہو گئے ہو تم پر موت کا پنجہ چل گیا ہے۔ تم گمراہی کے قبضہ میں آگئے تمہارے احساس فنا ہو گئے اور تمہارے دل کی دانائی میٹ دی گئی اگر ایسا نہ ہوتا تو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایسا تھا کہ اندھے بینا ہو جاتے لنگڑے چلنے لگتے، گونگوں کی چیخ سے دنیا ہل جاتی اور لولوں کے ہاتھ شیروں کے پنجوں کی طرح طاقتور ہو جاتے آہ! تمہاری غفلت سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوئی اور تمہاری نیند کی سنگینی کے آگے پتھروں کے دل چھوٹ گئے۔ آہ تم ایسے نہ تھے۔

آہ! میں کیا کروں اور کہاں جاؤں اور کس طرح تمہارے دلوں کے اندر اتر جاؤں اور کس طرح ہو کہ تمہاری روحیں پلٹ جائیں اور تمہاری غفلت مر جائے یہ کیا ہو گیا ہے کہ پاگلوں سے بھی بدتر ہو گئے ہو، اور شراب کے متوالے تم سے زیادہ عقلمند ہیں، تم کیوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو اور کیوں تمہاری عقلوں پر ایسا طاعون چھا گیا ہے کہ سب کچھ کہتے ہو اور سمجھتے ہو پر نہ تو راستبازی کی راہ تمہارے آگے کھلتی ہے اور نہ گمراہوں کے نقش قدم کو چھوڑتے ہو۔

پس میں آج سب کچھ چھوڑ کے تم سے ایک ہی آخری بات کہنی چاہتا ہوں اور یقین کرو کہ اس کے سوا جو کچھ کہا جاتا ہے اگر وہ اس بات کے لئے نہیں کہا جاتا تو بیکار ہے اور اس میں تمہارے لئے کوئی برکت و امن نہیں۔ سو یاد رکھو اور ماننے کے لئے جھک جاؤ کہ تمہاری زندگی کا ہر عمل بیکار ہے اور تمہاری فکروں کی ہر فکر گمراہی اور ضلالت ہے۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی راہ نجات ہے۔

اور بغیر اس کے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ تم جب تک اس پہلی منزل سے آگے نہ بڑھو گے اس وقت تک خدا کا قہر تم پر سے شکستہ نہ ہوگا۔ اور تم کبھی مراد اور خوشحالی نہ پاؤ گے، تمہارے سفر عمل کا پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کرو، توبہ کرو، اپنی تمام قوتوں و تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کے آگے جاؤ اور اس کے آگے اس طرح گرو اور اس طرح روؤ اور اس قدر تڑپو کہ اسے تم پر پیار آ جائے اور وہ تمہیں پہلے کی طرح پھر اپنی گود میں اٹھا لے، اور سب کچھ تمہیں کو دے دے جس طرح کہ سب کچھ تمہیں کو اس نے بخش دیا تھا۔

تم نے غفلت کو خوب آزما لیا، تم نے نافرمانیوں کی صدیوں تک کڑواہٹ چکھ لی، تم نے گناہ اور معصیت کے پھل سے اچھی طرح اپنے دامن بھر لئے، تم نے دیکھ لیا کہ ایک خدا کی چوکھٹ سے تم نے سرکشی کی اور کس طرح ساری دنیا تم سے سرکش ہو گئی اور ایک اس کے روٹھنے سے کس طرح تمام دنیا تم سے روٹھ گئی پس مان جاؤ اور اب بھی باز آ جاؤ، گناہوں کو آزما چکے۔ آؤ تقویٰ و راستبازی کو بھی آزمالیں سرکشیوں کو چکھ چکے آؤ اطاعت کا بھی مزا دیکھیں غیروں سے رشتہ جوڑ کے تجربہ کر چکے آؤ اسی ایک سے پھر کیوں نہ جڑ جائیں جس سے کٹ کر ذلتوں اور خواریوں، ٹھوکروں اور راندگیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا

اگر تم کو اپنا مال و متاع خدا سے زیادہ محبوب ہے کہ اسے نہ دو گے اور اپنی جانوں کو اس کی محبت سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے ہو تو اس کے لئے دکھ میں نہ ڈالو گے اور اگر تمہارے دلوں کی آہیں تمہارے جگر کی ٹیس اور تمہاری آنکھوں کے آنسو اب اس کے لئے نہیں رہے ہیں بلکہ دوسروں کا مال ہو گئے ہیں تو یقین کرو کہ وہ بھی تمہارا محتاج نہیں ہے اور اس کی کائنات انسانوں سے بھری پڑی ہے وہ اگر چاہے گا تو اپنے کلمۂ حق کی خدمت کے لئے درختوں کو چلا دے گا پہاڑوں کو متحرک کر دے گا کنکروں اور خاک کے ذروں کے اندر سے صدائیں اٹھنے لگیں گی پر وہ فاسق اور نافرمان انسانوں سے کبھی بھی کام نہ لے گا اور اپنے پاک کام کی عزت کو ناپاکوں کی گندگی سے کبھی آلودہ نہ ہونے دے گا۔

مولانا محمد منظور نعمانی

خرید و فروخت کے مسائل

پھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی جائے نہ خریدی جائے

عن عبد الله بن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها۔ نهى البائع والمشتري — رواه البخاري ومسلم وفي رواية لمسلم نهى عن بيع النخل حتى تزهو وعن السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے۔ آپ نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی — (صحیح بخاری و مسلم) اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیع سے جب تک ان پر سرخی نہ آجائے اور کھیت کی بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آجائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

تشریح جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے بہت پہلے بھی فروخت کردی جاتی اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کر دیئے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی کیونکہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کر دیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہو جائے تو بیچارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہرحال اس بیع فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات

ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

عن انس قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى تزهى، قيل وما تزهى؟ قال حتى يحمر وقال ارأيت اذا منع الله الثمرة بما ياخذ احدكم مال اخيه — رواه البخاری ومسلم	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا تا آنکہ ان پر رونق آجائے۔ عرض کیا گیا کہ رونق آجانے سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ سرخی آجائے (اس کے بعد) آپ نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل عطا نہ فرمائے (یعنی بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہو جائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح علماء نے لکھا ہے کہ اگر پھل میں ایسا نقصان ہوگیا ہے کہ خریدار کو کچھ بھی نہیں بچا سب برباد ہوگیا تو باغ فروخت کرنے والے کو چاہئے کہ قیمت بالکل نہ لے اور لے چکا ہے تو واپس کردے اور اگر ایسا نہیں بلکہ کچھ نقصان ہو گیا ہے تو اس کا لحاظ کرکے قیمت میں تخفیف اور کمی کردے ان احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

عن انس قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع العنب حتى يسود وعن بيع الحب حتى يشتد — رواه الترمذی	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا انگور کی فصل فروخت کرنے سے تاوقتیکہ اس پر سیاہی نہ آجائے، اور غلہ (کا کھیت) فروخت کرنے سے اس وقت تک کہ دانہ سخت ہوجائے اور پک جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں وہی انگور پیدا ہوتا تھا جو اسی وقت تیار ہوتا تھا جب اس پر سیاہی آجاتے اسی لئے آپ نے سیاہی آنے سے پہلے فصل فروخت کرنے سے منع فرمایا — اس زمانہ میں مدینہ طیبہ میں سیاہ انگور بھی بہت پیدا ہوتا ہے اور سفید بھی اور نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے — اس حدیث میں بھی پھلوں کے ساتھ غلہ کے کھیتوں کے بارے میں

بھی حکم دیا گیا ہے کہ دانہ تیار ہونے سے پہلے کھیت کا غلہ فروخت نہ کیا جائے۔

چند سالوں کے لئے باغوں کی فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے

عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع السنین وامر بوضع الجوائح ـــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (باغ کی) چند سالوں کے واسطے فروخت کرنے سے اور آپ نے حکم دیا ناگہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کر دینے کا۔ (صحیح مسلم)

تشریح باغ کی فصل کئی سال کے لئے فروخت کرنے سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں اور باقی رہے گا یا خدا نخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے گا ـــ ایسی صورت میں بیچارے خریدار کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا نہ چاہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہو گا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آگئی تو باغ کے مالک کو چاہئے کہ نقصان کا لحاظ کر کے قیمت میں کمی اور تخفیف کر دے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہل معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف و نزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی و غمخواری اور ایثار و قربانی کا عادی بنانا ہے۔

جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے

کاروباری دنیا میں حضور کے زمانہ میں بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں بھی ہوتا ہے کہ تاجر کے پاس ایک چیز موجود نہیں ہے لیکن اس کے طالب خریدار سے وہ اس کا سودا اس امید پر کر لیتا ہے کہ میں کہیں سے خرید کر اس کو دیدوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے مگر خریدار اس کو پسند نہ کرے۔ اس صورت میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے۔

عن حکیم بن حزام قال نھانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن أبیع ما لیس عندی ـــ

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے میں اس کی بیع فروخت

رواه الترمذی۔ (کسی سے سوال کر …) (جامع ترمذی)

تشریح یہ حکیم بن حزام ایک دولتمند تاجر تھے، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضورﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بعض اوقات کسی چیز کا خریدار میرے پاس آتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اس سے معاملہ کر لیتا ہوں اور بازار سے وہی چیز خرید کر اس کو دیدیتا ہوں ـــ تو آپ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع فروخت نہ کرو۔

اگر غلہ وغیرہ خریدا جائے تو اٹھا لینے سے پہلے اس کو فروخت نہ کیا جائے

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ابتاع طعامًا فلا یبعه حتی یستوفیه ـــ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غلہ (وغیرہ) خریدے تو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حکم کا مقصد بھی یہی ہے کہ کوئی جھگڑا نہ اٹھنا پیدا نہ ہو۔ اس حدیث میں اگرچہ صرف طعام (یعنی غلہ) کا ذکر ہے لیکن تمام اموال منقولہ کا یہی حکم ہے۔

مضطر (سخت ضرورت مند) سے خرید و فروخت کی ممانعت

بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور مضطر ہوتا ہے ــ ایسے وقت بے درد تاجر اس کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کو بیع مضطر کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

عن علی قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر وعن بیع الغرر وعن بیع الثمرة قبل ان تدرک ـــ رواه ابو داؤد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مضطر کی خرید و فروخت سے اور ایسی چیز کی بیع سے جس کا ملنا یقینی نہ ہو اور پھلوں کی تیاری سے پہلے ان کی بیع فروخت سے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح مضطر کی بیع کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے، اس کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجبور و مضطر آدمی سے خرید و فروخت کا ناجائزانہ معاملہ نہ کیا جائے بلکہ اس بھائی کی اعانت اور خدمت کی جائے ۔ دوسری چیز جس سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے "بیع غرر" ہے یعنی ایسی چیز کی بیع جو فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے، جیسے کہ کوئی جنگل کے ہرن یا کسی پرند کیا دریا کی مچھلی کی اس امید پر بیع کرے کہ شکار فراہم کر دوں گا۔ یہ "بیع غرر" ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ بیچی جانے والی چیز نہ بائع کے پاس موجود رہے اور نہ اس کا ملنا یقینی ہے اور مل بھی جائے تو نوعیت کے بارہ میں نزاع و اختلاف کا خطرہ ہے۔ تیسری چیز جس کی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے تیار ہونے سے پہلے پھلوں کی فصل کی فروخت ہے۔ اس کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے ۔

فروختنی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید

عن ابی ھریرۃ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی صبرۃ طعام فادخل یدہ فیھا فنالت اصابعہ بللاً فقال ما ھذا یا صاحب الطعام؟ قال اصابتہ السماء یا رسول اللہ! قال افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس من غشّ فلیس منّا ـــــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دکاندار کا تھا) آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو آپ کی انگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا آپ نے اس غلہ فروش دکاندار سے فرمایا کہ (تمہارے ڈھیر کے اندر) یہ تری اور گیلا پن کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ غلہ پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں (تو میں نے اوپر کا بھیگ جانے والا غلہ نیچے کر دیا) آپ نے فرمایا کہ اس بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے (سن لو) جو آدمی دھوکے بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے
(صحیح مسلم)

تشریح اور طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا [illegible] کا اضافہ ہے "والمکر والخداع فی النار" (یعنی اس طرح کی دغابازی اور فریب کا انجام جہنم ہے) ـــــ اللھم احفظنا!

عن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من باع عیبًا ولم ینبه لم یزل فی مقت الله اولم تزل الملٰئکة تلعنه ـــــــــ رواه ابن ماجه

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب بتلایا نہیں تو اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا ـــ یا آپ نے فرمایا کہ ـــ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو حضور کے الفاظ کے بارے میں شبہ ہوجاتا ہے تو از راہ احتیاط وہ روایت کے وقت اس شبہ کو ظاہر کردیتا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں بھی راوی کو شک ہوگیا ہے کہ حضور نے "لم یزل فی مقت اللہ" فرمایا تھا یا "لم تزل الملٰئکة تلعنه" فرمایا تھا۔ حدیث کے ترجمہ میں اس شک کو ظاہر کردیا گیا ہے۔

بیچنے والے یا خریدنے والے کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور ہر طرح کے دھوکے فریب کی ممانعت

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تلقوا الجلب فمن تلقاه فاشترٰی منه فاذا اتی سیده السوق فهو بالخیار ـــ رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے مال خریدنے کے لئے آگے جاکے نہ ملو جس تاجر نے آگے جاکر راستہ ہی میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو معاملہ فسخ کردے۔ (صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ لوگ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لاکر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے بڑے قافلوں کی شکل میں آتے تھے ان تجارتی قافلوں کو "جلب" کہا جاتا تھا۔ ـــ چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی میں پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں ان کے پاس پہنچ کر مال کا سودا کرلیتے تھے۔ اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال ان تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے ان کو نقصان پہنچے ـــ اور اس سے بڑی دوسری خرابی اس طریقہ میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا سارا غلہ اور دیگر سامان ان چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا، پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ

نفع کماتے۔ اگر مال بازار میں آکر بکتا تو لانے والے کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستے میں جاکر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچ کر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اس کو دھوکہ اور نقصان ہوگیا تو اس کو معاملہ فسخ کر دینے کا اختیار ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تلقوا الركبان لبيع ولا يبع بعضكم على بيع بعض ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد ولا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذالك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها ان رضيها امسكها وان سخطها ردها وصاعا من تمر — رواه البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جاکے نہ ملو اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملہ میں اپنے معاملہ بیع سے مداخلت نہ کرے اور کسی سودے کے نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو اور شہری تاجر بدووں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں۔ اور بیچنے کے لئے اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کردے اور جانور کے مالک کو ایک صاع (تقریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی دیدے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں تجارت اور خرید وفروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی کہ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں ان کے پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں جاکر ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو ان سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جاچکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں: "ولا یبع بعضکم علی بیع بعض" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دوکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دوکاندار کو چاہئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت نہ کرے اور خریدار سے یہ کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو ظاہر ہے کہ اس سے دوکانداروں میں باہم عداوت

اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شر و فساد کی جڑ ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں "ولاتناجشوا" بازار کی دنیا میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے تو کوئی صاحب اس چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کر کھڑے ہو گئے اور زیادہ قیمت لگا دی تاکہ جو اصلی اور واقعی خریدار ہے وہ زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے ظاہر ہے کہ بیچارے خریدار کے ساتھ ایک طرح کا فریب ہے "ولاتناجشوا" میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں: "ولا یبیع حاضر لباد" اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو چاہئے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لائیں تو ان کا وہ مال اپنے پاس اس غرض سے نہ رکھیں کہ جب دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت فروخت کریں گے بلکہ دیہات کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہئے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی عوام کے لئے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی اور دیہات سے مال لانے والوں کو جبکہ دن کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ مال کی قیمت مل جائے گی تو جلدی ہی وہ بازار میں دوسرا مال لاسکیں گے اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے: "لاتصروا الابل والغنم" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور اونٹنی، بکری وغیرہ بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خرید لے ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ آگے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خریدا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر جانور کو ناپسند کرے تو واپس کر دے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے۔ اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریب ۴ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کر دے ۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں: "فهو بالخيار ثلاثة ايام" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا نیز مسلم کی اس روایت میں "صاعا من تمر" کے بجائے "صاعا من طعام لا سمراء" کے الفاظ ہیں ان کی بنا پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت

شاید یہ ہو کہ خریدنے والا چاہتا تھا کہ ایک دو دن یا دو تین دن تک جانور کو اپنے پاس رکھ کر اس کا دودھ دوہا اور استعمال کیا، ساتھ ہی چارہ وغیرہ کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا اس طرح حساب گویا برابر ہو گیا۔ پھر بھی چونکہ سرسری طور پر واپسی سے جانور کے مالک کی جو دل شکنی ہوتی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگواری ختم کرنے یا کم کرنے کے یہ ہدایت دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت

عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم باع حلسا وقدحا فقال من يشتري هذا الحلس والقدح فقال رجل اخذتهما بدرهم فقال النبي صلى الله عليه وسلم من يزيد على درهم فاعطاه رجل درهمين فباعهما منه — رواه الترمذي وابوداؤد وابن ماجه۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے اہل مجلس کے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کر دیئے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں ان کے ہاتھ بیچ دیں (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔ کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حاجت مندی کا حال بیان کیا اور آپ سے امداد و اعانت کی درخواست کی آپ نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کرکے کمانے کے قابل ہیں) ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ بھی سامان ہے! ۔ انہوں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں ہے، بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطور فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ، وہ لے آئے آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں

بیچتے ہیں آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں ــــ آپ نے فرمایا "من یزید" یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو وہ بولے۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ یہ بات آپ نے دو تین دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور کو پیش کر دیئے تو آپ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں ۔ اور جو درہم انھوں نے دیئے تھے وہ آپ نے ان انصاری صحابی کو دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دیدو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ انھوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی خرید کے حضور کی خدمت میں لے آئے آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ فٹ کیا اور ان سے کہا کہ یہ کلہاڑی لے کر جنگل نکل جاؤ ، لکڑیاں لاؤ اور بیچو ــــ حدیث میں ہے کہ آپ نے ان کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہرگز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت اس محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ان کے پاس دس درہم جمع ہو گئے اس سے انھوں نے گھر والوں کے لئے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خریدا اس کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ محنت کر کے گزارا کرنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمہارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

اس حدیث میں امت کے لئے کتنی عظیم رہنمائی ہے کاش ہم اس سے سبق لیتے ۔

مولانا ابوالکلام آزاد

وہ درسِ حیات جسے تم بھول گئے

فرزندانِ توحید! کیا تم اظہارِ حق اور اعلانِ صداقت میں ان سے ڈرتے ہو جو اس دنیا میں بڑے ہیں آہ نہ ڈرو کہ وہ آخرت میں چھوٹے ہوں گے۔ کیا تم اس لئے ڈرتے ہو کہ تم کمزور ہو، ناتواں ہو، چھوٹے ہو، مگر یقین کرو کہ مستقبل میں تم ہی بڑے ہوگے پھر کیا تم اس لئے حق سے باز رہتے ہو کہ انسانوں سے ڈرتے ہو لیکن کیا تم انسانوں کے مالک سے نہیں ڈرتے جس کا مقدس پیغامبر فرماتا ہے۔

تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اس امر میں حقیر نہ سمجھے کہ وہ کسی بات کو دیکھے جس کے متعلق اس کا فرض ہو کہ امرِ حق کو ظاہر کرے مگر اپنی کمزوری کے خیال سے چپ رہے قیامت میں خدا کے روبرو جب حاضر ہوگا اور وہ اس موقع کو بھول چکا ہوگا خدا اس سے پوچھے گا کہ تو نے کیوں راستی اور صداقت کی بات نہ کہی؟ وہ کہے گا پروردگار لوگوں کے خوف سے خدا فرمائے گا کیا خدا تیرے سامنے نہ تھا جس سے تو ڈرتا۔ (ابن ماجہ)

اس وقت کون ہوگا جو اس عرشِ جلال و قدوسیت کے آگے جھوٹ بول سکے گا؟ اے والئے اس اعتراف پر جب خجالت و شرمندگی کے ساتھ ہم اقرار کریں گے کہ ہاں اے قادر علی الاطلاق اے دانائے اسرار قلوب ہم انسانوں سے ڈرے پر تجھ سے نہ ڈرے، ہم نے مخلوق کے سامنے سر جھکایا پر تجھ سے سربلندی کی ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو سجدہ کیا ہم غیروں سے آشنا ہو کر تجھ سے بیگانہ ہوگئے اس وقت کہا جائے گا کہ کیا تم نے میرے منادئ حق اور داعئ صادق کی اس آواز کو نہیں سنا تھا جب کہا گیا تھا کہ لوگو خدا فرماتا ہے اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو قبل اس کے کہ تم پکارو اور میں نہ بولوں تم مانگو اور میں نہ دوں تم مغفرت چاہو اور میں مغفرت نہ کروں یعنی اگر تم نے اعلانِ حق اور امر بالمعروف کا فرض ادا نہ کیا تو میں اپنا رشتہ تم سے کاٹ لوں گا۔ اس لئے ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ حق کا طالب باطل کا دشمن عدل و انصاف کا عاشق اور جور و ظلم سے متنفر ہو۔ اس کا فرض ہے کہ اعلانِ حق اور طلبِ صداقت میں اپنے عزیز ترین سامانِ حیات کو بھی نثار کرنے کے لئے تیار رہے۔

حق پسندی اور عدل دوستی اس کا جوہر ایمان اور اس کے لئے روح اخلاص ہو وہ راہ حق میں موت سے نہ ڈرے یہی اس کی زندگی ہے۔ اور سچائی کے عشق میں وہ سب کچھ لٹا دے جو آدم کی اولاد اس زمین پر لٹا سکتی ہے یہی تعلیم ہے جو ہمارے معلم ربانی نے ہمیں دی ہے۔ راستی و صدق کو تلاش کرو گو اس میں تمہارے لئے ہلاکت ہی کیوں نہ ہو کہ اسی ہلاکت میں تمہارے لئے نجات ہے کون ہے جو اس ہلاکت کا طالب نہیں جو موجب نجات ہے کون ہے جو اس زہر آلود پیالہ سے نفرت کرتا ہے جو ابدی زندگی کے لئے آب حیات ہے شہید راہ حق پرستی نہ صرف تنہا زندہ ہے بلکہ وہ تمام قوموں کو بھی زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ قالبوں میں روح حرکت کرنے لگتی ہے اور اس کی رگوں میں خون حیات اپنی آمد و رفت شروع کر دیتا ہے۔

پھر کیوں لوگ اس موت سے ڈرتے ہیں کیا وہ قوم کی زندگی کے آرزو مند نہیں؟ کیا وہ حیات جاوید کے طالب نہیں؟ وہ خدا کی راہ میں ان انسانی بتوں سے ڈرتے ہیں جو سونے چاندی کی کرسیوں پر خدا بن کے بیٹھے ہیں جو اپنی فوج کی چند صفوں سے قہر الٰہی کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو معصوم جانوں کی ظلم و قہر کی دیوی پر قربانی چڑھاتے ہیں جو کمزوروں کو ستاتے ہیں کیونکہ ان کے نالہ و فریاد کی لے انہیں پسند ہے جو جنگل کے ہرنوں کا قتل کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذہنی تشنہ کے لئے خون کے چند قطروں کی ضرورت ہے جو معصیت زدہ دل کی فریاد کو ناپسند کرتے ہیں تاکہ ان کی محفل عیش منغص نہ ہو لیکن ہر مسلمان کو آج یقین کر لینا چاہئے کہ اس کے پیغمبر مقدس نے اپنی امت کے پاس اس موقعہ کے لئے ایک پیغام بھیج دیا ہے اور ٹھیک اسی وقت کے لئے اس کی زبان وحی پیشین گوئی کر چکی ہے۔

عنقریب تم میں بعض ایسے افسر ہوں گے جن کی بعض باتیں اچھی ہوں گی اور بعض بری ہوں گی جو ان باتوں کو مکروہ کہے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو ان کو نہ مانے گا وہ محفوظ رہے گا اور جو ان کی متابعت کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔ پس کیا جور و ظلم کی حمایت اور باطل کی اطاعت کا ارادہ ہے؟ تم مسلم ہو اور مسلم دنیا میں صرف اس لئے آیا ہے کہ عالم کو ہر طرح کے جور و فساد اور عدوان و طغیان سے نجات دلائے پس جس طرح کفار و مشرکین نے اپنے اعمال سیئہ اور مقاصد شنیعہ سے دنیا کو جور و ظلم سے بھر دیا ہے اسی طرح تم بھی اسے عدل و صداقت سے بھر دو۔ ہاں اے فرزندان توحید! اٹھو اور اپنے عزم و استقلال سے کام لو جس دن تم نے پاکیزہ اعمال اختیار کر لئے دنیا دیکھ لے گی کہ تمہارا مقام کیا ہے میں تم سے کسی فتنہ کا طالب نہیں کیونکہ فتنہ خدائے اسلام کو محبوب نہیں ہے میں تم سے صرف قول حق عزم کامل اور عمل صالح کی درخواست کرتا ہوں کہ یہی اعلیٰ ترین میدان شجاعت ہے میں تم سے صرف کلمہ حق کا طالب ہوں کہ وہی افضل ترین جہاد ہے فخر کائنات سرور عالم فرماتے ہیں:

خدا کے نزدیک سب سے محبوب جہاد کلمۂ حق ہے جو کسی ظالم حاکم کے سامنے کہا جائے۔ آہ یہ کیسی عالمگیر غلطی ہے کہ اسلام کے جہاد کو صرف جنگ و قتال ہی میں محدود سمجھا جاتا ہے افسوس کہ غیروں کے ساتھ تم بھی غلطی میں مبتلا ہو۔

حالانکہ صحیح حدیثیں اس خیال کو یکسر فکر باطل ثابت کرتی ہیں وہ صاف صاف شہادت دیتی ہیں کہ جہاد مقابلہ میں صرف سعی اور جد و جہد کا نام ہے جو ایثار و جاں نثاری کے ساتھ راہ حق و صداقت میں ظاہر ہو اور اس کا سب سے بڑا میدان امر بالمعروف اور دعوت حق و عدل ہے۔ فرمایا سرور عالم نے:۔

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر، سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ایک ظالم و ناانصاف دشمن حاکم کے سامنے حق و عدل کا بے خوف اظہار کیا جائے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ سچا مجاہد وہی راست باز انسان ہے جو انسانی قوتوں کی جلالت و سطوت کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے اور خدا کی عدالت اور صداقت کی محبت اس پر اس درجہ چھا جائے کہ وہ اس کے بندوں کی جلالت و سطوت کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ یہی جذبہ صداقت و حق پرستی ہے جس کو آج دنیا کی قومیں مختلف ناموں سے پکارتی ہیں مگر اسلام نے اس کا نام جہاد رکھا اور ایک مومن و مسلم کی زندگی کا اسے اصلی شعار بتلایا افسوس کہ خود مسلمانوں ہی نے اس شعار کی توہین کی اور اسے فراموش کر دیا۔ فیا حسرتا علی العباد

تم مواقع جہاد کو میدانوں اور معرکوں میں ڈھونڈتے ہو لیکن میں کہتا ہوں کہ تم ان کو اپنے دل کے گوشوں میں ڈھونڈو۔ ضعف عزم اور باطل پرستی کی اصلی کمین گاہ یہیں ہے۔ فرمایا فخر کائنات نے جہاد چار چیزیں ہیں اچھی باتوں کا حکم کرنا بری باتوں سے منع کرنا صبر و آزمائش کے موقع پر سچا ہونا اور بدکار سے عداوت رکھنا انواع جہاد میں سے کونسی نوع ہے جس کا مظہر دل نہیں؟ ہاں دل درست کرو کہ تمہارے ارادوں میں قوت افکار میں صداقت حوصلوں میں استقلال اور پائے عمل میں ثبات پیدا ہو۔

دل اور یہی دل جس کا مضغۂ گوشت تمہارے پہلو میں ہے یقین کرو کہ تم سے باہر تمام عالم کی اصلاح و فساد کی اصل کنجی یہی ہے۔ سرور عالم کا ارشاد ہے انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صالح ہوتا ہے تو تمام جسم صالح ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔

ہاں جانتے ہو وہ گوشت کا ٹکڑا کیا ہے "دل"

مولانا محمد میاں صاحب مرحوم

خلفائے راشدین کا طرزِ زندگی

آج دنیا نے عجیب تماشا دیکھا۔ ایک کچے چبوترے پر کھجور کی پتیوں کے چھپر کے نیچے مدینہ طیبہ کے انصار اور مہاجرین جمع ہوئے۔ گویا اسلامی حکومت کے اراکین یا پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔

آج رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب رحمت دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے مدینہ کے در و دیوار پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ عاشقوں کی نگاہ میں دنیا تاریک ہے۔ ہر ایک چیز پر اداسی برس رہی ہے مگر خطرہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پاکر کوئی غنیم حملہ نہ کر بیٹھے یا کوئی اندرونی قضیہ نہ پیدا ہو جائے جس کا سلجھانا امام کے بغیر ممکن نہ ہو۔ اور اس سے مقدم یہ کہ نماز جمعہ اور دیگر اسلامی ضروریات کی تکمیل کس طرح ہو جس کے لئے امام اور خلیفہ کی شدید ضرورت ہے

ان ضرورتوں نے دولت اسلامیہ کے مقدس اراکین کو فقیر نما امیروں اور فاقہ مست اغنیا کو شکستہ حال فاتحین کو انقلاب دنیا کے پاکباز امینوں کو کسی خلیفہ کے انتخاب کے لئے اس جگہ جمع کیا ہے۔

ضروری گفتگو ہوئی۔ چند تجویزیں پیش ہوئیں۔ چند نام پیش کئے گئے۔ مگر حاضرین کے اتفاق رائے نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا۔

کل شام خلافت صدیقی کا اعلان ہو چکا ہے۔ عجم کے بسنے والے روم اور فارس کے زر پرست ...رست اور رعایا کے بھوکے غریبوں کی گاڑھی کمائی کو اپنی عیش و طرب میں اڑانے والے شراب و کباب کے متوالے عصمت اور حیا کو فسق و خواہشات کے قدموں میں پامال کرنے والے یہی قیاس کر سکتے تھے کہ جاہ طرب کا نشہ جو جنگ تبوک میں شہنشاہ روم کے مقابلہ پر بھی آدھمکا تھا آج نہ معلوم کس آن بان اور کس تج دھج سے سریر خلافت پر جلوہ فرما ہوگا ... اور ... کے ... ایوان خلافت کو گھیرے ہوئے ہوں گے۔ وزرا تخت کو بوسہ دیں گے سفرا نذرانے پیش کریں گے۔

مگر دنیا حیرت زدہ ہو گی جب بھی قیاسات کے برخلاف حجاز و عرب کے خلیفہ کو دیکھا کہ وہ چند چادریں ہاتھ پر ڈالے ہوئے اور کپڑا ناپنے کا گز ہاتھ میں لئے ہوئے بازار کی طرف بیچنے کے لئے جا رہے ہیں۔ کمبل کا ایک کرتا بدن پر ہے جس پر کئی جگہ پیوند لگا ہوا ہے پیروں میں چپل ضرور ہے مگر گھسا ہوا اور جگہ جگہ ٹکیاں لگی ہوئی ہیں۔ عجیب اتفاق تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے۔

فاروق اعظم ۔ خلیفہ رسول اللہ۔ کہاں کو   صدیق اکبر   بازار

فاروق اعظم   کیوں   صدیق اکبر   کپڑا بیچوں گا

فاروق اعظم ۔ اور کاروبار خلافت کا کیا ہو گا   صدیق اکبر   اور میرے بچے کہاں سے کھائیں گے

سبحان اللہ۔ یہ ہے ملوکیت سے نفرت۔ یہ ہے سچا اسلام۔ یہ ہے وہ مقدس مذہب جس کی خواب بھی آج سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو سچا مسلمان بنا سکتی ہے بشرطیکہ ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر نہ لگ گئی ہو۔ یعنی خلافت اور اس کے فرائض کی انجام دہی صدیق اکبر کے نزدیک محض اعزازی منصب ہے۔ جو متولی وقف کی طرح بلا معاوضہ ہونا چاہئے تھا۔ اے کاش مسلمان خود بھی سمجھیں کہ وہ کس قدر خود فراموش ہیں۔ بہر حال حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ واپس تشریف لے چلئے۔ ارکان شوریٰ کو میں طلب کر کے آپ کی ضروریات کے متعلق کوئی فیصلہ کراتا ہوں

وہی چھپر کی مسجد جس کا فرش کچا تھا جس کے اوپر کھجور کی پتیوں کا چھپر تھا جس کی دیواریں ان گھڑت پتھروں سے تعمیر کر دی گئی تھیں اور بیچ میں جگہ جگہ کھجور کے کھمبے لگا دیئے گئے تھے جو رحمۃ للعالمین سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار تھا جس کو دنیاوی زیبائش تو کچھ بھی حاصل نہ تھی مگر ایک شرف اس کو حاصل تھا جس کی بنا پر وہ عرش معلےٰ سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جاتی تھی کہ خود رحمۃ للعالمین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیر کے وقت پتھر ڈھوئے اور تعمیر کرنے میں حصہ لیا تھا۔ وہی مسجد مقدس۔ ایوان خلافت ہے۔

خلافت راشدہ کے وزیر مالیات حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔ جن کو لسان رسالت "امین ہذہ الامۃ" کا خطاب دے چکی ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر مال اور دیگر اراکین شوریٰ کا مشورہ ہوتا ہے اور طے کیا جاتا ہے کہ صدیق اکبر کی بالغ اولاد جو الگ رہتی ہے اور اپنی ذمہ دار خود ہے اس کی حیثیت ایک مسلمان کی ہے۔ عام مسلمانوں کی طرح اس کو بھی بیت المال سے وظیفہ دیا جائے گا۔ البتہ جن کا نفقہ خلیفہ پر لازم ہے۔ ان کے لئے متوسط حیثیت کا وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ چنانچہ نصف بکری یومیہ رزق مقرر کیا گیا اور جاڑے اور گرمی کا لباس اس طرح کہ جب ایک جوڑا پھٹ جائے تو دوسرا لے لیا

جاہئے۔ اہتمام مصارف کے لئے سالانہ دو ہزار درہم یعنی تقریباً چھ سو روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ جب ضرورتیں بڑھنے لگیں تو حضرت صدیق نے زیادتی کی فرمائش کی چنانچہ دو ہزار درہم سالانہ یعنی تقریباً چھتالیس روپیہ ماہوار مقرر کر دیا گیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ و تاریخ الخلفاء)

وظیفہ خلیفہ کی حیثیت: قرآن پاک میں مال یتیم کے کھانے کو آگ کا کھانا قرار دیا ہے۔ البتہ اگر اس کا نگران (وصی) ضرورتمند ہو تو مناسب مقدار میں کھانے پینے کی ضرورتوں کے لئے مال یتیم میں سے لے سکتا ہے جمع کرنا حرام ہے ارشاد ربانی ہے:

ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف (النساء)	جو (متولی یتیم) غنی اور آسودہ ہو تو وہ بچتا رہے اور جو (متولی) محتاج ہو وہ کھائے دستور کے بموجب

پھر ارشاد ہوا:

ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا (النساء)	جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ کچھ نہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے

عام لوگوں سے معاملات اور ان کے اموال کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔	نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک تاکہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال میں سے گناہ اور ظلم کے طور پر دانستہ اور جانتے ہوئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام نے مال خلافت کو بھی اسی حیثیت میں رکھا چنانچہ آپ کا ارشاد تھا

انی اخشی ان لا یحل لی من فیٔ المسلمین۔	مجھے خطرہ ہے مسلمانوں کی آمدنی میں سے مجھے لینا جائز نہیں

اس وقت اگرچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے مل کر وظیفہ مقرر کرایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس ضرورت سے منظور کر لیا کہ امور خلافت میں مشغول ہو جانے کے بعد آپ کا ذریعہ معاش بند ہو گیا تھا مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ آخر تک باقی رہا اور آپ نے جو کچھ خرچ کیا وہ قرض کی حیثیت سے۔ چنانچہ مرض الوفات میں آپ نے فرمایا۔ دیکھو! میرے اوپر کتنا خرچ ہوا ہے۔ عرض کیا گیا آٹھ ہزار درہم۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے وارثوں کو وصیت فرمائی کہ پہلے یہ آٹھ ہزار درہم خلافت کے

لوٹا دینا۔ اسی لئے بعد حضرت عائشہ کو وصیت فرمائی۔

میرے پاس بیت المال کی ایک اونٹنی ہے۔ جس کا ہم دودھ پیا کرتے تھے۔ ایک طشت ہے جس میں سالن رکھا کرتے تھے۔ ایک چادر ہے جس کو میں اوڑھا کرتا تھا۔ میں زمانہ خلافت میں جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتا تھا ان چیزوں سے کام لیا کرتا۔ لہذا جب میں مر جاؤں تو ان چیزوں کو واپس کر دینا۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے بعد ان چیزوں کو خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجدیا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا؛

ابوبکر پر خدا کی رحمتیں ہوں۔ انھوں نے اپنے بعد کے خلفاء کے لئے بہت دشواری کردی۔

آپ نے دیکھا یہ ہے ادائے امانت جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلہا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

خداوند عالم تم کو حکم فرماتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل اور مستحقین کو ادا کرتے رہو۔ اور فیصلہ کرو تو انصاف کرو۔

خلیفہ دوم: خلیفہ اول کی وفات ہوئی۔ خلیفہ دوم مسند آرائے خلافت ہوئے تو ان کے سامنے دو سنتیں تھیں ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دوسرے خلیفہ برحق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت آپ ان دونوں ہی پر کاربند ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نصیحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طرز زندگی پر روشنی ڈالتی ہے۔

جب حضرت فاروق منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علی نے فرمایا۔

ان اردت ان تلحق صاحبك فاقع القميص ونكس الازار واخصف النعل وارقع الخف وقصر الامل وكل دون الشبع۔

اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) سے ملو تو کرتہ میں پیوند لگاؤ ازار (تہ بند) کو ٹخنوں سے چڑھائے رکھو۔ چپل کو خود سیو (تلے پر تلا چڑھاؤ) موزوں پر تگیاں لگاؤ۔ آرزوں کو کم کرو پیٹ بھر کر کھانا مت کھاؤ۔

(کتاب الخروج للامام ابی یوسف ص۱۴)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مقدس زندگی شاہد ہے آپ کا یہی عمل رہا۔ آپ کی سیرت مقدسہ کے سیکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ آپ ایک عام مسلمان سے زیادہ اپنی حیثیت نہیں سمجھتے تھے

البتہ ذمہ دار اتنا کہ تمام رعیت کی تکلیف گویا آپ کی تکلیف تھی آپ کی تمنا تھی کہ سارے ملک میں کسی کو فاقہ نہ ہو۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو آپ کے لئے کھانا حرام ہو جاتا جب تک اس کا پیٹ نہ بھرتا آپ کا نظریہ تھا،

انی قاسم ومسئول۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں جس کو قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں جواب دینا ہے۔

آپ کا وظیفہ ابتداءً وہی رہا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا لیکن جب عراق فتح ہو گیا اور اس کی تمام اراضی بحق بیت المال وقف مان لی گئی یعنی حکومت کو اس کا مالک قرار دیا گیا تو اس کی آمدنی میں سے آپ نے حسب ذیل وظائف مقرر کئے۔

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ یعنی تقریباً پونے تین ہزار روپیہ سالانہ جو حضرات جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے پانچ ہزار درہم سالانہ یعنی تقریباً گیارہ سو روپیہ سال۔ جو حضرات اسلام میں مقدم تھے مگر غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے ان میں سے ہر ایک کو چار ہزار درہم سالانہ عام مہاجرین اور انصار کی اولاد کو دو ہزار درہم۔

حضرت عباس رضی اللہ کو بارہ ہزار درہم سالانہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار درہم سالانہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار درہم سالانہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو چار ہزار درہم سالانہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کا نام حضرت عبداللہ تھا جو اپنے تقویٰ اور علم و فضل میں مشہور تھے اتباع سنت کا بے نظیر شوق تھا صحبت رسول کا اعلیٰ شرف حاصل تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے تین ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے ــ حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ ابا جان آپ نے جناب اسامہ کے چار ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے تو میرے وظیفہ میں ایک ہزار کی کمی کیوں کر دی حالانکہ میری اور حضرت اسامہ کی نیز میرے باپ (فاروق اعظم) اور حضرت اسامہ کی حیثیت ایک ہی ہے

فاروق اعظم نے جواب دیا۔ اسامہ تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا اور اس کے باپ تمہارے باپ سے زیادہ بارگاہ رسالت میں منظور نظر تھے۔

مگر وظائف کے اجرا میں جو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا نظریہ تھا وہ آپ کے خطبہ خلافت سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ درج ذیل ہیں،

انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف	میری حیثیت تمہارے مالوں کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے یتیم کے ولی کی۔ اگر مجھ کو ضرورت نہ ہو تو تمہارے

لکم علی ایها الناس خصال فخذونی بها. لکم
علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما
افاء الله علیکم الا من وجهه ولکم علی اذا
وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی
حقه.

مال سے دامن پاک رکھوں گا اور اگر میں محتاج ہو جاؤں تو اتنی خوراک لوں گا جس کو عام طور سے مناسب تصور کیا جائے۔ اے لوگو آپ کی مجھ پر چند ذمہ داریاں ہیں ان کے متعلق میری نگرانی کرتے رہو اور میرے اوپر تمہارا حق ہے کہ میں تمہارے خراج اور ان اموال میں سے جو بطور غنیمت تم کو ملیں صرف اتنا ہی لوں جتنا واجب ہو۔ نیز میرے اوپر تمہارا حق ہے کہ جو مال میرے ہاتھ میں پہنچ جائے اس کو صرف اس کے موقعہ اور محل ہی پر صرف کروں۔

ان الفاظ کو بار بار پڑھئے اور اسلامی نظام حکومت کا نقشہ دل میں جما لیجئے۔

مولانا ضیاء الحسن لدھیانوی

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام

آج سے تقریباً چار ہزار برس قبل بابل و نینوا کی سرزمین تمدن و تہذیب کی برکات سے مالا مال تھی اس میں صنعت و حرفت اور فلسفہ و حکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا عظیم الشان درسگاہیں موجود تھیں جہاں وسیع پیمانہ پر علوم و فنون کے درس و تدریس جاری تھے۔ فلسفہ کی گوناگوں دلچسپیوں نے ہیئت و نجوم کے جلیل القدر ماہرین فن پیدا کر دیئے مصوری و نقاشی کی ترقیوں نے سنگ تراشی و بت تراشی کو فروغ دے کر ہر ہر گھر صنم کدہ بنا رکھا تھا گویا ملک میں رفعت و عروج کا بحر ذخار تلاطم خیز تھا لیکن رفعت کا یہ فلک پیما تخیل مادیات تک ہی محدود و منحصر تھا اس لئے کہ اخلاق و روحانیت کے چشمے خشک پڑے تھے عدل و امانت کے باغیچوں میں خاک اڑ رہی تھی دیانت و راستی کے خزانے خالی ہو گئے تھے۔ خالق حقیقی سے رشتہ روحانیت منقطع ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا باعث ننگ و عار تھا البتہ اگر جذبہ عبودیت داعی ہوتا تو اجرام فلکیہ یا خود ساختہ مورتیوں کی جانب شوق تعبد ہر روز نئے معبودوں سے رشتہ گانٹھتا اگر آج یہ مورتی باعث نجات ہے تو کل وہ سیارہ حاجت روا۔ نہ صرف یہی بلکہ ہر وہ شے جو اپنی اصناف میں کسی خاص تفاوت یا جداگانہ حیثیت سے ممتاز ہوتی ان کی حاجت روا تھی غرضیکہ اشرف المخلوقات جہل مکسوبہ کی بنا پر متاع عزیز کو تباہ و برباد کر رہا تھا اور جادہ جہالت سے قدرت کی واضح ترین دلیل بھی اسے باز نہ رکھ سکتی تھی۔

ظلمت میں نور: اسی کفرستان میں اسی طغیان زدہ ماحول کے اندر انہیں بت تراشوں کے مقتدائے اعظم کے گھر ایک فہم سلیم کا پیکر صورت پذیر ہوتا ہے جو تقاضائے سن کا بچہ اور بحیثیت علوم قائد تھا نہ وہ کسی موحد کا جلیس تھا نہ کسی پرستار حق کا تلمیذ۔ اس کی خلقت ہی ہدایت تھی اور فطرتاً سلامتی و حقیقت شناسی کے سر عظیم کا حامل تھا۔

ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین

وہ اپنی قوم کے اعمال و اطوار دیکھ کر ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا اس کی فطری غیرت اور عاقبت اندیش نظر اس شے کی متحمل نہ تھی کہ وہ اصنام پرستی کے بارگراں کا حامل ہو بلکہ تماثیل ارضیہ کو مسجود بنانے کی جگہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر دامن گیر تھی اس نے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو۔ ما تعبدون

باپ: نعبد اصناما ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں

پھر اس نے جسارت کر کے کہا کیا یہ تمہارے نفع و نقصان پر قادر ہیں۔

باپ اس باطل سوز سوال پر دم بخود ہو کر رہ گیا اور بحالت ندامت کہنے لگا۔

بل وجدنا اٰباءنا کذلک یفعلون نہیں بلکہ اپنے باپ دادوں کو ایسے کرتے پایا

ایک جادہ حق کا متلاشی اور فہم سلیم کا پیکر اس لچر استدلال پر کیا مطمئن ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا اے اباجان میں تمہاری باطل پرستیوں سے بیزار ہوں میں آثار و مظاہر فطرت کا پجاری نہیں ہوں بلکہ فاطر السمٰوٰت والارض کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا ہوں۔ تمہیں کیا ہو گیا جو خود ساختہ مورتیوں کو مسجود گردانتے ہو جن میں قوت سمع و بصر تک نہیں نہ وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہارے نقصان پر قادر ہیں تم سب قعر ذلت میں ہو۔

انی ارٰک وقومک فی ضلٰل مبین۔ میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں

حق کی تلاش: تماثیل ارضیہ کی خدائی کا طلسم توڑنے اور ان کا پردۂ فریب چاک کرنے کے بعد ابراہیمؑ کی متجسس نگاہیں اجرام فلکیہ کی جانب التفات پذیر ہوئیں تاکہ بتدریج اسرار و غوامض پر عبور حاصل کر کے حقیقت و معرفت کے مراحل طے کریں۔ اولاً آپ کی حقیقت شناس نظر کوکب و بدر پر پڑی جنہوں نے اپنی ضیاء پاشیوں سے تمام عالم کو بقعۂ نور بنا رکھا تھا اور ان کی دل افروز چاندنی ایک وجد آگیں کیفیت پیدا کر رہی تھی آپ یہ دل کش منظر دیکھ کر اضطراراً فرمانے لگے

ھٰذا ربی یہ ہے رب میرا

لیکن تھوڑی دیر بعد سیارات و ماہتاب کو مسافت معدودہ کے اختتام پر بدلیوں کی سیاہی میں روپوش ہونا پڑا۔ جسے ابراہیم کی فطرت سلیمہ نے باور نہ کیا اور معاً ان کے قلب سے لا احب الاٰفلین۔ کی صدا بلند ہو گئی۔ جس نے موجودہ پیچیدگیوں کے علاوہ مراحل مستقبلہ کو انتہائی سہل طریقہ پر حل کر دیا یعنی اس کے بعد خورشید خاور نے اپنی تابناکی و لمعہ افگنی سے ابراہیمؑ

کی نکتہ رس وحقیقت شناس نگاہ کو ہر ممکن طریقہ پر مسحور کرنا چاہا لیکن اس کی
مبشۂ مہر نے کوئی حسب کا حجاب نہ ہونے دیا اور آخر ابراہیم کی روح پکار اٹھی۔

یا قوم انی بری من ما تشرکون	اے اصنام پرستو! میں بت پرستی سے بیزار
انی وجھت وجھی للذی فطر	ہوں اپنی عنان توجہ اس بلند و برتر ذات
السمٰوت والارض حنیفاً وما انا	کی طرف پھیر دی ہے جس نے زمین و آسمان
من المشرکین۔	پیدا کیا اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

بت پرستوں کے جلیل القدر مقتدا کا لخت جگر عدوان و شرکت کی مجالس کا تربیت یافتہ اس بلند آہنگی کے ساتھ معبودان باطل سے قطع تعلقی و بیزاری کا اظہار کرتا ہے کہ تمام ملک حیرت و استعجاب میں مستغرق ہو گیا کوئی فساد عقل پر محمول کرتا اور کوئی طفلانہ شوخی کو موجب ٹھہراتا لیکن وائے بوالعجبی وستم ظریفی مادیات میں اپنی ترقیوں کے باوجود اس پرستار حق کی بات ان کی فہم وادراک سے بالاتر تھی شرک نے عقل کی گہرائیوں پر ظلمت کے پردے ڈالدیئے تھے مخلوق پرستی اور اخلاقی کوتاہیوں نے ظرف عقل میں اتنی وسعت وگنجائش نہ رکھی تھی کہ ایسی عظیم الشان ہستی کا تصور کر سکیں جو خالق السمٰوات والارض ہے۔ اسی لئے حق وصداقت کی یہ آواز سن کر ششدر رہ جاتے اور ابراہیم سے کج بحثیاں کرنے لگتے لیکن وہ علمبردار حق ایسے حتمی وواضح دلائل پیش کرتا کہ ملک کے جلیل المرتبت اصحاب بھی ان کے سامنے بزبان حال عجز کا اعتراف کرتے وہ نہیں گوارہ کرتے تھے کہ اشرف ارذل کے سامنے سجدہ ریز ہوں ان کی بلند حوصلگی حق نوازی کے عوض جان عزیز تک قربان کرنے پر تیار تھے

حق وباطل کا تصادم: ابتدائی ایام میں حضرت ابراہیم کے مواعظ و نصائح کا سلسلہ محدود رہا لیکن پھر یوم بعد یوم بتدریج توسیع شروع ہو گئی آپ قومی اجتماعات میں تشریف لے جاتے اور وہاں نہایت اولوالعزمی کے ساتھ دعوت وارشاد کا اہم ترین فریضہ بجالاتے اسی طرح ایک قومی جشن کے موقعہ پر خدا کا برگزیدہ ومقبول دوست علم صداقت بلند کر رہا تھا استے میں اس زمانہ کا معزز ترین انسان جس کے دربار میں سیکڑوں انسان ہر وقت سربسجود رہتے تھے ایران شاہی سمیت ادھر آنکلا۔ عوام نے اپنے معبود کی حضوری کو غنیمت جانا اور اس کی پالکی روک کر کہا آذر صنم تراش کا بیٹا ہمارے معبود سے مضحکہ خیزی کرتا ہے اور ہمیں ان سے اعراض کی تلقین کرتا ہے نمرود نے ابراہیم کو پاس بلا کر شکایت کے متعلق استفسار کیا آپ نے نہایت بلند ہمتی و بیباکی سے اس متکبر وسرکش فرمانروا کے سامنے اپنے مشن کی تبلیغ شروع کر دی اور اصنام کی تذلیل

و تکبیر کے بجائے پیکر انسانیت ادکو بھی وحدہ لاشریک وخالق السمٰوات والارض کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کی دعوت دی۔ نمرود پسر آذر کا یہ معصیت سوز و سکوت آمیز استدلال سن کر طیش و غضب کی آگ سے بھڑک اٹھا اور تحکمانہ انداز سے کہنے لگا جس رب کی اس قدر مدح سرائی کر رہے ہو اس کی طاقت و قدرت بیان کرو۔ بھلا جس بدبخت کے سر پر کبر و نخوت کا بھوت مسلط ہو۔ جو اپنی سیہ بختی کے باعث ربوبیت کا علمبردار ہو اور جس کے لئے ازل سے محرومی ثبت ہو چکی ہو کیونکر سعادت جاودانی سے ہمکنار ہو سکتا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا اور موت و احیا کے تمام تر اختیارات اسی کے قبضہ وقدرت میں ہیں۔

ربی الذی یحیی و یمیت — میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

اس پر نمرود کی رگ استبداد بھڑک اٹھی اور غضبناک ہو کر بولا۔

انا احیی و امیت — میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں

خبردار سوچ سمجھ کر اعلان وحدانیت کرنا موت و احیات میرے دست تصرف میں ہے طرفۃ العین میں سیکڑوں کیا ہزاروں گردنیں تن سے جدا کرا سکتا ہوں۔ عزیمت و ثبات کا کوہ گراں اس لچر استدلال پر کیا ملتفت ہو سکتا تھا۔ وہ افضل الجہاد یعنی جابر سلطان کے روبرو اظہار کلمۃ الحق کے لئے ہم آہنگ ہو گیا۔ اور چمک کر بولا؛

فان اللہ یاتی بالشمس — میرا خدا ہر روز سورج کو مشرق سے جلوہ افروز کرتا ہے

من المشرق فات بھا — اگر تم ایسے ہی با اقتدار و ذی اثر ہو تو ذرا اس

من المغرب۔ — آفتاب کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ صدا قصر استبداد کے لئے برق سوزاں کا اثر رکھتی تھی۔ نمرود کے لئے اس ضرب کاری کی تاب لانا بعید از قیاس تھا۔ وہ دم بخود ہو کر رہ گیا اور اسے اس برہان قاطع کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔

فبھت الذی کفر — کافر لوگ مبہوت ہو گئے۔

اعلائے کلمۃ الحق: حضرت ابراہیمؑ اپنی تمام قوت قوم کی اصلاح میں صرف کر رہے تھے۔ لیکن اس کا اثر متقابل و متضاد تھا یعنی جس قدر آپ سعی عمل فرماتے اسی قدر طغیان شرک مستحکم ہو رہے تھے۔ آپ کی شبانہ روز اصلاحی و تبلیغی سرگرمیوں سے

اصنام پرست بیزار ہو گئے اور ہر سمت مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ لیکن علمبردار صداقت نے مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے مرعوب ہو کر دعوت وارشاد سے دست کشی نہیں کی بلکہ پہلے سے زیادہ استحکام واستقلال کے ساتھ تبلیغ میں اپنی مکمل قوت استدلال اور جرات اعلان صرف کرنے لگے اور ایک دن نگہبانوں کی غیبوبت میں موقعہ پاکر ان کے محترم معبودوں و حاجت رواؤں کو پاش پاش کر ڈالا۔

فجعلهم جذاذا — بس اس نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

خداؤں کی یہ ناقابل برداشت تذلیل دیکھ کر تمام ملک غیظ وغضب کی لہر سے بھڑک اٹھا قلوب میں مخاصمانہ جذبات سرایت کر گئے اور چاروں طرف انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں تحقیق وجستجو کے بعد یہ چیز پایہ ثبوت کو پہونچی کہ یہ کارنامہ ابراہیم کے علاوہ اور کسی کا رہین منت نہیں اس لئے کہ وہی ان کے درپے آزار و تحقیر ہے۔

قالوا من فعل هذا بالهتنا انه لمن الظالمين قالوا سمعنا فتى يذكرهم يقال له ابرهيم — بت پرستوں نے کہا ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے یہ حرکت کی ہے۔ بالیقین وہ ظلم کرنیوالوں سے ہے بعض نے کہا ابراہیم کو ہم نے برا بھلا کہتے سنا ہے

جب حضرت ابراہیم سے باز پرس کی گئی آپ نے معصومانہ انداز میں فرمایا اس بڑے بت سے کیوں نہیں پوچھتے یہ کس کی حرکت ہے۔

قال بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون. — یہ انکے اس بڑے نے کیا ہے اگر وہ بول سکیں تو ان سے پوچھو۔

اصنام پرست ابراہیم کے اس جملہ استہزائیہ پر کسی قدر موید ہوئے اور ان کے قلوب میں اپنے معبودوں کی عظمت و وقعت گھر کر گئی۔ لیکن پھر معاً ان کی بیچارگی کا خیال کرتے ہوئے کہنے لگے کہ بت کبھی بولے ہیں۔

ابراہیم۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا جو اتنی فہم وفراست رکھنے کے باوجود اس لعنت میں گرفتار ہو۔ اور ایسی خود ساختہ مورتیوں کو کارساز مانتے ہو جن میں تاب سخن تک نہیں اف لكم ولما تعبدون۔

حق کی فتح عظیم: ابراہیم کے سکوت آمیز وجرات آزما حتمی دلائل سن کر نمرود کے ارباب اقتدار کی آنکھیں زمین میں گڑ گئیں ان کے پاس سوائے خصومت وندامت کے اور کوئی چارہ نہ تھا وہ اپنے معبودوں کی بیچارگی پر نادم ہو رہے تھے لیکن اس کے بجائے کہ وہ

صراط مستقیم پر گامزن ہو کر خالق السموات کی بارگاہ عالیہ میں سر تسلیم خم کریں اور ابراہیمؑ کے فرامین مقدسہ پر لبیک و سعدیک کہیں ابراہیمؑ سے انتقام لینے پر مصر ہو گئے۔ تمام ملک میں انتقام و اشتعال کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ بت پرست کہنے لگے اس ناشائستہ حرکت کے مرتکب کو ایسی کڑی سزا دینی چاہیے جو آئندہ کسی شخص میں ایسے اقدام کی جسارت نہ ہو بعض نے کہا کہ اسے اس ناقابل عفو جرم کی پاداش میں سنگسار کریں گے۔ اسے جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیں گے

قَالُوا حَرِّقُوهُ ۔ انھوں نے کہا اسے جلا ڈالو

آخر کار اعیان سلطنت ملکی مدبرین اور کاہنوں کی مشاورت سے یہ بات طے پائی کہ توحید کے اس علمبردار کو اس جانباز باغی کو اس قومی معبود کی اہانت کرنے والے کو۔ اس راست گرو حق پرست کو بھڑکتی ہوئی آگ کی نذر کر دیا جائے تاکہ یہ تعزیر دوسروں کے لئے موجب عبرت، وموعظت ہو اس ناقابل تنسیخ فیصلہ کے بعد یوم تعزیر مقرر ہو گیا۔ ایک بہت بڑی بھٹی تیار کی گئی جس میں ہزاروں من ایندھن بھر دیا گیا۔ قرب وجوار کے لوگ خلیل اللہ کو قومی معبود کی اہانت کا اجر پاتا ہوا دیکھنے کے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے آگ روشن کی گئی اور جب اس کے شعلے آسمان سے ہمکلام ہونے لگے تو بڑی سفاکی وبے رحمی سے ابراہیمؑ کو اس میں جھونک دیا گیا انسان نے انسانی احکام کی تعمیل میں کوئی فروگذاشت نہ چھوڑی لیکن دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں نے خالق کائنات کے حکم کو واجب تعمیل گردانا۔

قلنا یانار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم ہم نے کہا اے آگ ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا بس سلام ہو ابراہیم پر

اسلمت لرب العالمین کلمہ پڑھتے والامصائب و آلام میں گرفتار ہونے

ہجرت: کے باوجود مسلسل تبلیغی جد وجہد میں مشغول تھا مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا آفات کو دعوت دیتا لیکن عدول اعراض کا خیال تک دامن گیر نہ ہونے دیتا۔ یہی وہ عزم واستقلال تھا جس نے آتشین امتحان میں فائز المرام کیا اور یہی وہ صداقت جس سے چہار دانگ عالم اسلامی سے دستور العمل کی ترویج ہوئی ابراہیم یہی مہمات سر کرنے میں مشغول تھا کہ بارگاہ عالیہ سے ترک وطن کا حکم صادر ہو گیا پرستار حق انی مھاجر الی اللہ کا نعرہ لگاتا ہوا مملکت بابل سے نکل کھڑا ہوا اور ابنائے وطن کو ایک درس آموز پیام دے گیا۔

واعتزلکم وما تدعون میں تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ کر صراط مستقیم

من دون اللہ عسیٰ الا اکون بدعاء ربی شقیا۔ — پراگندہ ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ میرا محبوب مجھے بے پایاں لطف و کرم سے نوازے گا۔

سرزمین حجاز کو مرکزی عظمت عطا کرنی مقصود تھی اس لئے خالق اکبر نے ابراہیم کو شام کے خوشگوار خطہ سے نکال کر حجاز کی وادی غیر ذی زرع میں آبسایا۔ جہاں نہ اسباب معیشت تھا نہ سامان خور و نوش بلکہ لق و دق بے آب و گیاہ وادیاں پڑی تھیں۔

مشکل ترین آزمائش: خالق السموات والارض نے اپنے پرستار کی ہر طرح کی آزمائش کی باپ سے جدا کیا کنبہ والوں کو بیزار کر دیا بستی کو دشمن بنایا حکومت کو آمادہ عداوت کر کے زندہ آگ میں ڈلوا دیا ان سے جرات آزما امتحانوں میں فائز المرام ہونے کے باوجود ایک اور اقدام کرانا مقصود تھا تاکہ آنے والی امم پر بخوبی منکشف ہو جائے کہ اللہ کا برگزیدہ و مقبول انسان اس کی راہ میں بڑی سے بڑی شئے قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم وطنیت۔ قومیت اور خون کے تمام رشتہ منقطع کر کے عرب کی بے آب و گیاہ وادیوں میں مقیم ہو گئے تو جذبہ رفاقت نے جوش مارا اور آپ کی زبان سے رب ھب لی من الصالحین کی صدا بلند ہو گئی محبوب صادق نے اس کا انتہائی سرگرمی و گرم جوشی سے استقبال کیا تمام کائنات فبشرنٰہ بغلام حلیم کی بشارت عظمیٰ سے گونج اٹھی اور جلیل القدر غلام حلیم معرض تخلیق میں آ گیا جس کی فکر و خون میں عظیم الشان امت کا مادہ مستور تھا جب وہ صالح بچہ سن بلوغ کو پہنچا تو ایک روز ابراہیم نے عالم رویا میں دیکھا کہ اس لخت جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہے۔ طالب کا اشارہ بہت کافی تھا وہ جھوٹا نہ تھا جو اس خواب کو کذب و وہم پر محمول کرتا۔ چنانچہ یہ شئے درجہ اذعان کو پہنچ گئی کہ ترک لذات ترک خاندان ترک وطن کے بعد ترک اولاد کا مطالبہ ہے اس نے لخت دل سے کہا۔

یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری۔ — اے جان پدر میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تیری کیا رائے ہے۔

سعادتمند بیٹے نے باپ کی زبان سے یہ حیات پرور کلمات سن کر سر تسلیم خم کر دیا اور کہا ؎

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین۔ — اے اباجان آپ احکام الٰہیہ کی تعمیل کریں مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔

یہ جملہ کیا تھا ایک موعظت آمیز درس تھا اس پر عبرت و استحکام کی انتہا کہ تائیں عزم بسمل

کس طرح سے اپنے خلیل خلیل اللہ لخت جگر کو قربان گاہ لے جاتے ہیں سعادتمند بیٹا قربان گاہ میں پہنچ کر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اولوالعزم باپ انہیں ہاتھوں سے اسی کے حکم سے چھری چلانی شروع کر دیتا ہے جنہیں کبھی اٹھا کر اسی کی بارگاہ میں اسی لخت جگر کی تخلیق کے لئے دعا گو ہوا تھا اس سے قبل کہ تیغ ابراہیم کو خون اسمٰعیل میں شناوری کی فرصت نصیب ہو ایثار خلیل اللہ کا یہ عدیم النظیر منظر دیکھ کر عالم جبروت میں تہلکہ پیدا ہو گیا اور عالم قدس سے یہ ندا آئی:

یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاخرین سلام علی ابراھیم۔

اے ابراہیم بس کرو تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہم اپنے نیک بندوں کو ایسا ہی اجر دیا کرتے ہیں یہ تو ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی ہم نے اس کے معاوضہ میں بہت بڑی قربانی دیدی اور اسے آنے والی امتوں کے لئے یادگار بنا دیا۔

طفلیان نازنین کہ جگر گوشہ خلیل
تیغش بسر رسید و قتلش نمی کند

یہ اولین عید قربان تھی جو تاجدار مقام خلت کے گھر منائی گئی اور اب ہر سال عمل پیرایان ملت حنیفہ کے یہاں منائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد

یوم الحجّ

میں نے بہت چاہا کہ اپنے زخموں کو چھپاؤں لیکن نہ چھپا سکا۔ ایک مدت کے سکوت و اندمال کے بعد آج پھر ایک لمحۂ اضطراب و کاوش میسر آگیا ہے میرے دل کی بے چینیوں نے مجھے بستر انتظار پر تہ و بالا کر دیا اور میرے زخمہائے کہنہ کے ٹانکے بے اختیار کھل گئے اب ان کی یہ خوں فشانی نہیں رک سکتی۔

آمادہ گشتہ ام دگر امشب نظارہ را　　پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

آج میں پھر اپنی وہی متاع کہنہ لے کر بازار مقصود میں نکلا ہوں جو ہمیشہ سے میرے کاروبار آہ و نالہ کا راس المال رہی ہے، اور جس کے سوا میرے جیب و آستین حسرت میں اور کچھ نہیں ہے میرے پاس ایک زخمی دل کے چند ٹکڑے ہیں جن سے خون تمنا کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں خریداروں کا متلاشی ہوں۔ کوئی ہے جو ان پارہ ہائے خونیں کا طلبگار ہو؟

آسمان کے دروازے بند تھے اور تم ان کی طرف دیکھ دیکھ کر پکارتے تھے۔ لیکن آج کھل گئے ہیں اور تمہاری دعاؤں کے انتظار میں ملائکہ مدبرہ اور ملکوت السموات نے اپنے اجنحۂ نورانیہ کو کھول دیا ہے جبکہ جواب نہیں ملتا تھا تو تم پکارتے تھے آج خود دست اجابت آمادہ استقبال ہے پھر زبان سائل کو کیا ہوگیا کہ خاموش ہے؟

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز می خواہی
متاع جمع کن شاید کہ غارت گر شود پیدا!

موسم بدل رہا ہے اور اضطراب و شورش کی جن خونیں بدلیوں سے فضا چھپ گئی ہے، وہ بالکل ویسی ہی ہیں جیسے ہر عصر انقلاب ارضی و تجدد مواسم اقوام و ملل میں ظاہر ہوئی ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ ایام اللہ کا ایک یوم عظیم ختم اور دوسرے دن کا آفتاب طلوع ہو۔ یہ رات کی آخری گھڑیاں ہیں جو برق کی سی تیزی　　اور بادل کی سی ہیبت میں گزر جائیں گی۔ لہو لہو دھویں

کی بدلیوں کے اندر سے دنیا کی حیات جدیدہ کا ظہور ہوگا۔ پس صبح کی بخشش میں حصہ لینے والوں کو چاہئے کہ اپنے دامنوں کا نہیں بلکہ آنکھوں کا احتساب کریں اور شیطان کی غفلت سے ہوشیار ہو جائیں کیونکہ رات بھر جاگنا آسان ہے اور صبح صادق کی گھڑیوں میں، وگھنے سے بچنا مشکل ہے ایسا نہ ہو کہ رات بھر اختر شماری کرنے کے بعد عین صبح کے وقت سو جاؤ۔ اور جس روشنی کو دیکھنا چاہتے تھے اس کی کرنیں تمہارے خوابیدہ دماغوں پر ماتم کریں۔ سچ یہ ہے کہ نہ تم اٹھے اور نہ تم نے بیداری کے لئے کوئی کروٹ لی۔ لیکن جب کہ دہقان آبپاشی سے غافل تھا تو آسمان نے خود ہی مینہ برسا دیا اور انسانی ہمتیں تھک گئی تھیں تو کارخانۂ الٰہی خود ہی متحرک ہو گیا۔ پس وقت کو اس کا حق دینے میں تساہل نہ کرو کیونکہ وہ صرف اتنے ہی کا طالب ہے اور جس قدر بھی جلد ہو سکے اپنی اصلاح و درستگی کا سامان کرلو۔ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم۔

یوم الحج کا ورود مقدس: آج ذوالحجہ کی پہلی تاریخ ہے اور ایک ہفتہ کے بعد تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان روز طلوع ہونے والا ہے جس کے آفتاب کے نیچے کرۂ ارض کے ہر گوشہ کے لاکھوں انسان اپنے خداوند کو پکارنے کے لئے جمع ہوں گے اور ریگستان عرب کی ایک بے برگ و گیاہ وادی کے اندر خدا پرستی و عشق الٰہی کا سب سے بڑا گھرانا آباد ہوگا۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (۲۲ ع ۵)

وہ لوگ اگر اللہ انہیں زمین میں قائم کر دے تو ان کا کام صرف یہ ہوگا کہ صلوۃ الٰہی کو قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں

"یہ پہلا گھر تھا جو خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا، اور آج بھی دنیا کے تمام بحر و بر میں صرف وہی ایک مقدس گوشہ ہے جو اولیاء الشیطان و اصحاب النار کی لعنت سے پاک ہے اور صرف خدا کے دوستوں اور اس کی محبت میں دکھ اٹھانے والوں کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔

"دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں اور سب ایک ہی حالت، ایک ہی وضع، ایک ہی لباس، ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں، سب خدا کو پکار رہے ہیں، سب خدا ہی کے لئے حیران و سرگشتہ ہیں، سب کی عاجزیاں و درماندگیاں خدا ہی کے لئے ابھر آئی ہیں سب کے اندر ایک ہی ولولہ ہے، سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کے لئے اور پرستشوں اور بندگیوں کے لئے ایک ہی محبوب و مطلوب ہے اور جبکہ تمام دنیا کا محور عمل نفس و ابلیس ہے تو یہ سب صرف خدا کے

عشق و محبت میں خانہ ویران ہو کر اور جنگلوں اور دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور مجنونوں کی طرح یہاں اکٹھے ہوتے ہیں یا انھوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا بلکہ دنیا کی خواہشوں اور مطلبوں سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔ اب یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے جس میں صرف عشق الٰہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہوتی ہے۔ یہاں نہ نفس کا گزر ہے جو خود بینی کا سہارا ہے اور نہ انسانی شرارتوں کو بار مل سکتا ہے جو خونریزی اور ظلم و سفاکی میں کرۂ ارض کی سب سے مجنوں درندگی ہے یہاں صرف آنسو ہیں جو عشق کی آنکھوں سے بہتے ہیں صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اٹھتی ہیں صرف دل سے نکلی ہوئی صدائیں ہیں جو پاک دعاؤں اور مقدس نداؤں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں اور ہزاروں سال پیشتر کے عہد الٰہی اور نیاز عبد و معبودی تازہ کر رہی ہے۔ لبیك لبیك اللهم لبیك لاشریك لك لبیك ۔

یہ وہ مجمع ہے جس کی بنیاد دعاؤں نے ڈالی۔ جس نے دعاؤں سے نشو و نما پائی، جو صرف دعاؤں ہی کے لئے قائم کیا گیا، جس کی ترکیب بھی اول سے لے کر آخر تک دعاؤں ہی کے مناسک سے ہوئی اور جو دعاؤں ہی کی لازوال طاقت سے قائم ہے۔ سب سے پہلی دعا وہ تھی جو اس گھر کی بنیاد رکھتے ہوئے خلت کے دو قدوس دوستوں کی زبانوں پر جاری ہوئی۔

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك وارنا مناسکنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم، ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیاتك ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انك انت العزیز الحکیم۔

(۲ — ۱۵)

اے پروردگار! ہمیں اپنا اطاعت شعار بنا اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر جو تیری مومن و مسلم ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا دے اور ہماری توبہ قبول کر لے۔ تو تو بہت ہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور پھر اے پروردگار! ہماری نسل میں ایک اپنا رسول مبعوث کر جو ان کے آگے تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کر دے۔

پس دعاؤں کا یہ اجتماع لاہوتی، امت مسلمہ کا یہ مجمع مبارک اور روحانیت مقدسۂ ابراہیمیہ کا یہ مظہر عظیم و جلیل قریب ہے کہ اسی بیابان حجاز میں ظہور کرے جہاں خدا نے ابراہیم و محمد علیہما السلام کو امامت و خلافت الٰہیہ کے سلسلۂ اولیں دعا کو سنا اور پھر ہمیشہ دعاؤں کو قبول

اور اپنی پکار اور صداؤں کے بلند ہونے کے لئے اسے برگزیدہ کر دیا۔ جس وقت یہ پرچہ تمہارے ہاتھوں تک پہنچے گا اس وقت بادیہ نوردان عشق آباد حجاز کے قافلے کوچ کے لئے تیار ہوں گے۔ اس وقت کا تصور کرو۔ کہ وہ کیسا وقت عظیم ہوگا جب کہ لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوۂ ابراہیمی کی روحانیت عظمیٰ اپنے خداوند کو بیقرارانہ پکارے گی اور اس کے مقدس عہد و میثاق کا رشتہ تازہ ہوگا! لاکھوں سر ہوں گے جو بیقرارانہ خداوند کے حضور جھکائے جائیں گے۔ لاکھوں پیشانیاں ہوں گی جو اس کی چوکھٹ پر گرائی جائیں گی لاکھوں دل ہوں گے جو اس کے نظارہ جمال کے عشق میں ڈوب جائیں گے اور لاکھوں زبانیں ہوں گی جن سے اس کے حضور میں دعائیں نکلیں گی پھر اس وقت ایسا ہوگا کہ دریائے محبت الٰہی جوش میں آئے گا ملائکہ مقربین اس کے خلوت وصال کو اس کے دوستوں کے لئے خالی کر دیں گے اور وہ اپنے جمال عالم آرا کے جلوے سے اس تمام محشر عشق و طلب کو ڈھانپ لے گا!

سو چاہئے کہ اس وقت عظیم و جلیل اور ایام الٰہیہ مخصوصہ کے حصول کو غنیمت سمجھو اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو لیکن اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے کوشش کرو کہ تمہاری دعائیں بھی ان دعاؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور تمہاری بے تابیاں اور بیقراریاں بھی ٹھیک اسی وقت خدا کے حضور رحمت کی طالب ہوں کہ یہ وقت پھر میسر نہ آئے گا۔ دنیا انقلاب و تجدد کے ایک مہیب عہد سے گزر رہی ہے اور نئے موسموں کی علامتوں نے ہر طرف طوفان اور بجلیوں کی ایک قیامت کبریٰ بپا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ روز ہجر ختم ہونے والا اور عہد وصال کی ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو۔ پس ضروری ہے کہ دن بھر جن لوگوں نے غفلت کی ہے وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہ کریں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آگئی ہے، اور چراغوں کا انتظام کرنا چاہئے۔

ہاں ہر مومن کو چاہئے کہ وہ یکسر دعاؤں میں ڈوب جائے اور ان مقدس ایام کے اندر صدق دل سے توبہ کرے اور اپنے خداوند سے اپنا معاملہ درست کر لے۔ یہ بڑا ہی سخت وقت ہے جس کی نوشتہ الٰہی ہی میں خبر دی گئی ہے۔ وہ وقت موعودہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آگیا ہے اور زمین اپنے گناہوں کی پاداش میں الٹ دی گئی ہے پس توبہ کرو اور اس کے سامنے اپنی سرکشیوں کا سر مجرموں کی طرح ڈال دو اور تڑپ تڑپ کے وہ سب کچھ مانگو جس کو تمہارا دل چاہے۔ مگر تمہارے اعمال اس کے سزاوار نہیں ہیں۔ تم اس کے حضور حج کے دن اور عید کی صبح کو جبکہ خلیل اللہؑ نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی تھی مسکینوں اور لاچاروں کی طرح گر جاؤ اپنی سرکشیوں اور نفس پرستیوں کے گوسالہ کو ذبح کر دو فاقتلوا انفسکم باتخاذکم العجل۔ اور گڑگڑا کر دعا مانگو کہ خداوندا!

[illegible] سب سے بڑی مصیبت انسانی معصیت کے سبب سے تم نے عذاب اور انقلاب اقوام و ملل کی سب سے زیادہ مصیبت سہی ہے، اس وقت ابراہیم و اسماعیل کی ذریت کو نہ بھلائیو اور ان کے گناہوں کو معاف کیجیئو!

علی الخصوص عید کے دن جب اس کے حضور کھڑے ہو تو اپنے گناہوں کو یاد کرو۔ تم میں ایک دل بھی ایسا نہ ہو جو تڑپتا نہ ہو اور ایک آنکھ بھی ایسی نہ ہو جس سے آنسوؤں کے چشمے نہ بہہ رہے ہوں۔ یاد رکھو کہ دل کی آہوں اور آنکھوں کے آنسوؤں سے بڑھ کر اس کی بارگاہ میں کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح بھی ہو سکے اپنے خداوند کو راضی کرو اور اسے منالو، کیونکہ تم اپنی بد اعمالیوں سے اسے بہت غصہ دلا چکے ہو اور اس کے پاک حکموں کی پرواہ نہ کی! اور تم یوں پکارو کہ اے ابراہیم اور اسماعیل کے خداوند اے رسول امی کے پروردگار! ہم نے تیرے عہد کی پرواہ نہ کی اور اپنی بد اعمالیوں سے تیری مقدس زمین کو ملوث اور گھنونا کر دیا۔ لیکن اب ہم اپنی سزاؤں کو پہنچ چکے اور ہم نے بڑے سے بڑا دکھ اٹھا لیا۔ ہم مثل یتیم لڑکوں کے ہو گئے ہیں جن کے والدین کو ان سے جدا کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ ہمارا خدا ہم سے راضی نہ رہا اور ہم غمگینی اور رسوائی کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ پس اے حیّ و قیوم! اب ہم پر رحم کر، ہمارے قصوروں کو معاف کر اور ہم سے منہ نہ موڑ، گو ہماری خطائیں بے شمار ہیں لیکن ہم سب تیرے کہلاتے ہیں اور تیری راہ میں دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔!

اے ستار و تواب رحیم! کیا ہمارا غم دائمی ہے، کیا ہمارے خزاں کے لئے کبھی بہار نہیں اور کیا ہمارے زخم کے لئے کوئی مرہم نہ ہوگا؟ اے نسل ابراہیمی کے امیدگاہ! تو ہمیشہ کے لئے ہمیں نہ بھول اور ہمیں اپنی طرف لوٹا لے۔ ہم تجھ سے ہمیشہ بھاگتے ہیں۔ مگر اب ہم تیری طرف لوٹ آئیں گے۔ کیونکہ ہمیں کہیں بھی پناہ نہ ملی۔

تو ہمیں نیکی اور صداقت کے لئے چن لے، اور اپنی ہدایت و عدالت کی تبلیغ کا بوجھ پھر ہماری گردن پر ڈال! دنیا آج انتہائے ترقی کے بعد بھی امن و عدالت کے لئے ویسی ہی تشنہ ہے جیسی ظہور صداقت کبریٰ کے اولین عہد جہالت میں تھی!

ماہر القادری

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے، اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جیسے کسی طوطے مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسے میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سو بار رلایا جاتا ہوں

یہ میری عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں میرا ذکر نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

ادارہ

اقوالِ زرّیں:

- چپ رہنا سیکھو، تاکہ تم فرشتوں کی سرگوشی سن سکو۔
- اپنی قوتوں کو عمل میں لاؤ، تم خدا کی مدد کے مستحق ٹھہرو گے۔
- جس دل میں بندوں کی محبت نہ ہو، وہ خدا کی محبت سے بھی خالی ہوگا
- لوگوں کو حقیر نہ سمجھو، ورنہ تم لوگوں کے خالق کی نظر میں حقیر ہو جاؤ گے۔
- جو ارباب جاہ کی قربت ڈھونڈتا ہے، وہ خدا کی قربت سے دور ہو گیا۔
- کوئی شخص تم کو پتھر مارے تو اس سے لڑنے میں وقت ضائع مت کرو، بلکہ اپنے آپ کو اتنا اونچا اٹھاؤ کہ پتھر مارنے والے کا پتھر وہاں تک پہنچ ہی نہ سکے۔
- جو لوگ دوسروں کی شکایت کرتے ہیں وہ صرف اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ زندگی کی دوڑ میں وہ دوسروں سے پیچھے ہو گئے۔
- جو اپنے کو جہنم کے دروازہ پر کھڑا ہوا پائے وہی جنت میں داخل ہوگا۔
- جو چپ رہنے لگے اس کو بولنا آگیا۔
- جو بے عزتی پر راضی ہو جائے اس نے اپنی عزت کو بچا لیا۔
- جو خاموش آوازوں کو سننے لگے وہی کان والا ہے۔
- جس کو اپنی برائیاں دکھائی دینے لگیں وہی قابلِ تعریف ہے۔
- جو اپنی غلطی کو مان لے وہی صحیح راستہ پر ہے۔
- جس کی نظر میں تمام چیزیں بے لذت ہو جائیں اس نے لذت کا راز پا لیا۔

- جو اپنے سے آغاز کرے وہی دوسروں تک پہنچے گا۔
- جو اپنے کو بے علم جانے وہی علم والا ہے۔
- وہی آدمی باشعور ہے جس نے اپنے لاشعور کو جان لیا۔
- جو کمزوروں سے ڈرے وہی طاقتور کی پکڑ سے بچ سکتا ہے۔
- جو دوسروں کو دیتا ہے اسی نے اپنے آپ پر خرچ کیا۔
- جو اپنے معاملات میں نادان ہو جائے وہی ملت کے معاملات میں ہوشیار ثابت ہو گا۔
- جس کو اپنے منافق ہونے کا اندیشہ ہو وہی ایمان والا ہے۔
- جو کھونے والا ہے اسی نے دراصل پایا۔
- جس کو ہارنا آجائے اس کو کوئی ہرا نہیں سکتا۔

وحیدالدین خاں

دعا

حضرت مسیح نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا: "مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا۔ تم میں سے ایسا کون آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا روٹی مانگے تو وہ اس کو پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اس کو سانپ دے۔ پس جبکہ تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا رب جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا" ——— یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا مگر مانگنا صرف کچھ لفظوں کو دہرانے کا نام نہیں ہے۔ مانگنا وہ ہے جس میں آدمی کی پوری ہستی شامل ہو گئی ہو۔ ایک شخص زبان سے کہہ رہا ہو "خدایا مجھے اپنا بنا لے" مگر عملاً وہ اپنی ذات کا بنا رہے تو یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس نے مانگا ہی نہیں۔

ایک بچہ اپنی ماں سے روٹی مانگے تو یہ ممکن نہیں کہ ماں اس کے ہاتھ میں انگارہ رکھ دے۔ خدا اپنے بندوں کی تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے یہ ممکن نہیں کہ آپ خدا سے خشیت مانگیں اور وہ آپ کو قساوت دیدے۔ آپ آخرت کی تڑپ مانگیں اور وہ آپ کو دنیا کی محبت میں ڈالدے۔ آپ حق پرستی مانگیں اور وہ آپ کو شخصیت پرستی کی کوٹھری میں بند کر دے ——— آپ کی زندگی میں آپ کی مطلوب چیز کا نہ ہونا اس کا ثبوت ہے کہ آپ نے اس کو مانگا ہی نہیں اگر آپ کو دودھ خریدنا ہو اور آپ چھلنی لے کر بازار جائیں تو پیسے خرچ کرنے کے بعد بھی خالی ہاتھ واپس آئیں گے۔ اسی طرح اگر آپ زبان سے دعا کے کلمات دہرا رہے ہوں مگر آپ کی اصل ہستی کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ نہ آپ نے مانگا تھا اور نہ آپ کو ملا جو مانگے وہ کبھی پائے بغیر نہیں رہتا یہ مالک کائنات کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ کسی بندے کو اس حال میں رہنے دے کہ قیامت میں جب خدا سے اس کا سامنا ہو تو وہ اپنے رب کو حسرت کی نظر سے دیکھے اور کہے کہ خدایا میں نے تجھ سے ایک چیز مانگی تھی مگر تو نے مجھے نہ دی۔ بخدا یہ ناممکن ہے، ناممکن ہے۔ کائنات کا مالک تو ہر صبح و شام اپنے تمام خزانوں کے ساتھ آپ کے قریب آ کر آواز دیتا ہے ——— "کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے دوں"۔ مگر جنہیں لینا ہے وہ اندھے بہرے بنے ہوئے ہوں تو اس میں دینے والے کا کیا قصور۔

مولانا خلیل الرحمن مظاہری

عجائباتِ رومۃ الکبریٰ

رومۃ الکبریٰ کا نام فلنسطانوس (والی رومۃ الکبریٰ) کے دادا ارمونیا کے نام پر رکھا گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رومۃ الکبریٰ میں ایک بہت بڑا مکان بنا ہوا تھا جس کا نام ابوسوقیا تھا اس میں تانبے کی ایک تصویر جس پر سونے کا کام تھا بنی ہوئی تھی، اس مکان کے سات دروازے تھے جو سب سونے کے بنائے گئے تھے اور ہر دروازے پر ایک مدور عمارت تھی جس کے اوپر ایک آدمی کی شبیہ بنی ہوئی تھی اور اس آدمی کے ہاتھ میں سونے کی سات تختیاں تھیں ہر سال یہ آدمی ایک تختی کو اس عمارت کے اوپر آفتاب کے مقابلہ میں بلند کر دیا کرتا تھا اور اس مکان کا کاہن اس تختی کو دیکھ کر اس سے اس اقلیم کے متعلق جو اس تختی سے مخصوص تھی حالات معلوم کر لیا کرتا تھا کیونکہ ہر تختی اقالیم سبعہ میں سے ایک ایک اقلیم کے ساتھ مخصوص تھی یہی حال باقی دروازوں کا تھا اور اہل رومۃ الکبریٰ اس علم کے ذریعہ جو ان کے متقدمین حکماء نے وضع کیا تھا تمام دنیا کے حالات معلوم کر لیا کرتے تھے۔

ان ساتوں دروازوں کے درمیان ایک ہشت پہلو تانبے کا معلّیٰ قبہ (گنبد) جو پیتل کے آٹھ مطلّا ستونوں پر قائم کیا گیا تھا بنا ہوا تھا جسے سیاہی اور سفیدی مائل ایک دیوار نے گھیر رکھا تھا اس دیوار میں ایک عظیم الشان دروازہ تھا اور اسی دروازہ کے اوپر پتھر کی ایک تصویر رکھی گئی تھی جو دیکھنے میں محض ایک سیاہ پتھر معلوم ہوتی تھی جب موسم اعتدال اور زیتون کی فصل کا زمانہ آتا تھا تو پتھر کی اس تصویر سے ایک سخت آواز نکلتی تھی جو مشرق و مغرب میں یکساں سنائی دیتی تھی اور اتنی کرخت ہوتی تھی جو ناقابل برداشت ہوتی تھی۔

آواز کے آگے بڑھ دنیا کے ہر حصہ سے زائر جو ایک قسم کا پرندہ ہوتا ہے اڑاڑ کر یہاں آتے تھے جن کے پاس تین تین دانے زیتون کے ہوتے تھے ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں اور اس تصویر پر ان دانوں کو ڈال دیتے تھے برابر اسی طرح ہوتا رہتا یہاں تک کہ وہ مکان ان دانوں سے بھر جاتا اور وہاں کے آدمی اس سے اس قدر تیل حاصل کر لیتے جو ان کے لئے سال بھر تک کافی ہوتا لیز اسی بڑے اور عالیشان مکان میں ایک اور مکان بنا ہوا تھا جو ہمیشہ مقفل رہتا تھا اور جب سے رومۃ الکبریٰ کی بنیاد پڑی تھی اس وقت سے لے کر آج تک کبھی نہیں کھلا تھا جب والی رومۃ الکبریٰ قلنسطانوس نے ہرقل بادشاہ کی ملک کا عرب کے مقابلہ میں ارادہ کیا تو اس کو لشکر وغیرہ کی رسد کے لئے خزانہ کی ضرورت پڑی تو اس مکان کے پاس آیا اور اس کو کھولنے کا ارادہ کیا تو اس مکان کے مہتمم عطماوس نے کہا،

اے بادشاہ اس مکان میں قفل پڑے ہوئے آج تک عرصہ سات سو سال کا گذر چکا ظہور مسیح علیہ السلام سے ایک سو ستر سال قبل اس میں یہ قفل پڑا تھا، آپ کے باپ دادا میں سے کسی شخص نے اس سے تعارض نہ کیا، اس گھر کا جو متولی ہوتا رہا ہے اس کی وصیت برابر یہ ہی رہی کہ اس مکان کو نہ کھولا جائے اس لئے اگر جناب اپنے پیشتر حکماء اور بادشاہوں کی حکمت کو جس کی بنا انھوں نے ڈالی تھی کھول کر ضائع نہ کریں تو بہتر ہے اس شہر کی بنا آپ کے دادا نے ڈالی تھی اور اس کی بنیاد بھی انھوں نے ہی رکھی تھی۔ انھوں نے تین سو برس حکومت کی اور اپنے لڑکے کو بھی وصیت کی کہ اس کو نہ کھولا جائے پھر اس کے لڑکے یعنی آپ کے باپ نے بھی تین سو ستر سال تک حکومت کی اور اپنے باپ کی طرح وصیت کی کہ اس مکان کو نہ کھولنا۔ سو سال حکومت کرتے ہوئے آپ کو بھی گذر گئے اب آپ اس مکان کو کھول کر ان کی وصیت کو ضائع نہ کریں۔

مگر بادشاہ نہ مانا اس کے کھولنے پر برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو کھول لیا، اس میں سوائے بیت المقدس اور بلاد شام کے نقشوں اور شاہان شام کی تصویروں کے اور کچھ نہ نکلا، بادشاہوں کی تعداد اور ہر ایک کی تصویر بنی ہوئی تھی، سب سے آخر میں اطین یعنی بادشاہ ہرقل کی تصویر اس ہیئت سے بنائی گئی تھی کہ گویا اس کتبہ کو جو اس کے سامنے معلق ہے اور جس پر یونانی زبان میں حسب ذیل مضمون درج تھا، بغور پڑھ رہا ہے، وہ مضمون یہ ہے۔

اے علم کے طلبگار تجھے چاہئے کہ تو ہمیشہ علم حاصل کرتا رہے اور اسے بار بار پڑھتا رہے کیونکہ جب متعلم کے کانوں میں علم کے نکات ہمیشہ پہنچتے رہیں گے، اور اس کے گوش سراپا ہوش بات کی باریکیوں سے آشنا ہوتے رہیں گے تو اس کی قوت علمیہ کے لئے ازدیاد کا باعث اور اس کی دست اندازی علم کے واسطے اعانت کا سبب ہوگا۔ اس لئے کہ تمام علوم کا استخراج اور استنباط عقل و قیاس کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے اور قیاس علم میں بدون کثرت ریاضت کے حاصل نہیں ہوتا، علم دراصل تدبیر یعنی انجام کار معلوم کرنے کا نام ہے اور تدبیر علم کے محل اور موضوع کا نام ہے اور علم عقل کے موضوع اور محل کا نام ہے اور عقل علم کے تمام اشکال کی متمم اور پورا کرنے والی ہے ہم نے حکمت و دانائی اور اسرار خفیہ میں یہ دیکھا اور معلوم کیا ہے کہ جب صحن زمین پر ظلمت کا خیمہ نصب ہو جائے گا اور اس کے سائے میں چاروں طرف ضلالت کا اندھیرا چھا جائے گا، تو ارض تہامہ (یعنی مکہ معظمہ) سے ہدایت کا قمقمہ روشن ہو کر اپنے نور سے دنیا کو جگمگانے لگے گا اور جہل کی اس تاریکی کو جس نے دنیا کے حس و ادراک پر ایک بہت بڑا پردہ ڈال رکھا تھا، ہٹا کر ہر جگہ اپنی روشنی پہنچانے لگے گا، وہ دراصل خدا کا نور ہوگا جو چراغ ہدایت بن کر لوگوں کو اپنے دین میں ملا کر توحید صانع کی طرف بلائے گا اور تخت کیو دحشم کا مالک ہوگا جو دنیا کے تمام دیان باطل کرے گا۔ بادشاہ اس کی سہل دعوت سے تنگی میں آجائے گا پہاڑ اور زمین اس کی آواز پر لبیک کہیں گے اور جب اس کے نور کا غلبہ دنیائے پر ظلمت کدہ پر ہو جائے گا تو اس کی روح اس عالم سفلی سے عالم علوی اور روحانی کی طرف پرواز کر جائے گی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے بعد اس کا جانشین (ابو بکر صدیقؓ) ایک ایسا دبلا پتلا شخص ہوگا جس کا قلب نور صدق سے منور اور جس کا دل راستی اور صفائی سے معمور ہوگا یہ شخص اس کی شریعت کو مضبوط اور ملت کو مستحکم کر دے گا۔

شام کو اس وقت جبکہ ایک سیاہ چشم والا شخص (عمرؓ) ملک قیصر کو بھگا دے گا، سخت مصیبت کا سامنا ہوگا وہ ایسا آدمی ہوگا کہ میانہ قد رکھنے والا اور دبدبہ صولت والا ہوگا، اس کا وصف حق کی پابندی اس کا فقر، پیوند کا کپڑا اس کا جبہ اور درّہ اس کی تلوار ہوگی، اس کے ایام حکومت میں سلطنتیں تباہ ہو جائیں گی، اکاسرہ وقت نیست ہو جائیں گے اور دولتیں مفقود ہو جائیں گی، اس کی حکومت کا زمانہ وہی ہوگا جب یہ گھر جس میں یہ حکمت کی تصویریں ہیں اور جنہوں نے نعمتوں کو گھیر رکھا ہے کھلے گا پس خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کے قلب میں حکمت راسخ ہوگی اور جس کے عقل کے طاق میں

حکمت کا چراغ روشن ہو گیا حق کو پہچانا، اس کی پیروی کی اور باطل سے کنارہ کش رہا۔

جب والی دومۃ الکبریٰ اس مضمون کو پڑھ چکا تو تعجب و حیرانی سے ششدر و متحیر کھڑا کا کھڑا رہ گیا، پھر بطلماوس مہتمم مکان سے کہنے لگا، پدر مہربان! اس حکمت و دانائی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا کہ اے شاہ میں اس حکمت و دانائی کے متعلق جو حکماء نے وضع کی ہے میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ علم دراصل ایک بحر ذخار ہے کہ اس کی تہ تک سوائے تجربہ کار غوطہ خور کے اور کوئی نہیں پہنچ سکتا وہ ایک ایسا گوہر آبدار ہے کہ اس کی قدر سوائے نور رکھنے والے جوہری کے اور کوئی نہیں پرکھ سکتا میری رائے میں ہرقل کی دولت و حکومت کا زمانہ جاتا رہا۔ ارض سوریا میں اس کی مملکت کے ستون گر پڑے اور اس کی بادشاہت قسطنطنیہ کی طرف بدل گئی۔ میں یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حکیم ہرمیس نے اپنی معزز کتاب "اسلاوس" یعنی جواہر الحکمت میں یہی لکھا ہے۔ وہ منجملہ ان باتوں کے لکھتا ہے کہ

"جب اس یتیم کا نور جو تمام اوناس سے پاک و صاف اور جبل فاران سے روشن ہوگا، تو افق اس کی حکمت کے نور سے منور ہو جائیں گے اور جو ظلمتیں آسمان کی جبین پر چاروں طرف مستولی ہوں گی وہ اس کے عزم و ارادے کی قوت سے کائی کی طرح پھٹ کر علیحدہ ہو جائیں گی وہ لوگوں کو حکمت و موعظہ حسنہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں گے اور نیکی و لطافت کی مہار پکڑ کر اپنی طرف کھینچیں گے اور آسمان تک بلند ہو جائیں گے، زمین ایلیا (بیت المقدس) پر ان کے ایک صحابی کے دبدبہ کی وجہ سے سختی آجائے گی وہ صحابی (حضرت عمرؓ) ہیبت کے محاسن سے آراستہ عقل کے تاج سے مزین زمین کی فتوحات کے فاتح اور سلاطین دنیا کے ذلیل کرنے والے ہوں گے، عدل ان کی ترازو اور پیوند در پیوند کپڑا ان کا لباس ہوگا، ان کے زمانہ حکومت میں صلیب منکسر ہو جائے گی گرجا منہدم ہو جائیں گے قربانی کی جگہ اور مقادم ہو جائے گی اور معلومہ معمورہ کے کنشت اور مندے ہو جائیں گے اور کسی آدمی کو ان کے دبدبہ کے باعث سوائے ان کی شریعت اور نبی کی اتباع کرنے کے نجات نہیں ملے گی۔"

ان تقریروں کا اثر والی دومۃ الکبریٰ کے دل پر ایسا ہوا کہ ایک وہ دن آیا یہ عظیم الشان بادشاہ اسلام کا گرویدہ ہو کر حلقہ بگوشان اسلام میں شامل ہو گیا۔

مولانا ریاست علی ظفر، استاد دارالعلوم دیوبند

ترانۂ دارالعلوم دیوبند

یہ علم و ہنر کا گہوارا، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے

خود ساقیٔ کوثر[۱] نے رکھی، میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں

جو وادیٔ فاراں سے اٹھی گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کے لیے ہوتا ہے حرم تعمیر یہاں

برسا ہے یہاں وہ ابرِ کرم، اٹھا تھا جو سوئے یثرب سے
اس وادی کا سارا دامن سیراب ہے جوئے یثرب سے

کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

ہر بوند ہے جس کی امرت جل، یہ بادل ایسا بادل ہے
سو ساگر جس سے بھر جائیں، یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے

مہتاب یہاں کے ذروں کو ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے

---

[۱] مبشراتِ دارالعلوم میں سے یہ ہے کہ خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدرسے کی تعمیر کی جگہ نشانات لگائے جو صبح کو دیکھے بھی گئے۔ (یہ خواب جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے دیکھا)

یہ صحن چمن ہے بر کھا رت، ہر موسم ہے برسات یہاں
گلبانگ سحر بن جاتی ہے ساون کی اندھیری رات یہاں

اسلام کے اس مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی
اس بام حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی

اس وادئ گل کا ہر غنچہ، خورشید جہاں کہلایا ہے
جو رند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیر مغاں کہلایا ہے

جو شمع یقیں روشن ہے یہاں وہ شمع حرم کا پرتو ہے
اس بزم ولی اللّٰہی میں تنویر نبوت کی ضو ہے

یہ مجلسِ مے وہ مجلس ہے خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہئے جو صبح ازل سے قائم ہے

جس وقت کسی یعقوب کی لے اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے
ذروں کی ضیا خورشید جہاں کو ایسے میں شرماتی ہے

عابد کے نفیں سے ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں محمود بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرے ذرے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے

ہے عزم حسین احمد سے بپا ہنگامۂ گیر و دار یہاں
شاخوں کی لچک بنجاتی ہے باطل کیلئے تلوار یہاں

رومی کی غزل، رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمال انور سے پیمانۂ فخر الدین یہاں

ہر رند ہے ابراہیم یہاں، ہر میکش ہے اعزاز یہاں
رندان ہدیٰ پر کھلتے ہیں تقدیسِ طلب کے راز یہاں

ہیں کتنے عزیز اس محفل کے انفاس حیات افروز ہمیں
اس ساز معانی کے نغمے دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں

اس جرم جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوار چمن سے زنداں تک

سیکھا ہے سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

جو صبح ازل میں گونجی تھی، فطرت کی وہی آواز ہیں ہم
پروردہ خوشبو غنچے ہیں، گلشن کے لئے اعجاز ہیں ہم

اس برق تجلی نے سمجھا، پروانۂ شمع نور ہمیں
یہ وادی ایمن دیتی ہے تعلیم کلیم طور ہمیں

دریائے طلب ہو جاتا ہے ہر میکش کا پایاب یہاں
ہم تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں مے نوشی کے آداب یہاں

بلبل کی دعا جب گلشن میں فطرت کی زباں ہو جاتی ہے
انوار حرم کی تابانی، ہر سمت عیاں ہو جاتی ہے

ہر موج یہاں اک دریا ہے اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے ابد تک گونجے گا آوازۂ اہل درد یہاں

امداد و رشید و اشرف کا یہ قلزم عرفاں پھیلے گا
یہ شجرہ طیب پھیلا ہے تا وسعت امکاں پھیلے گا

خورشید یہ دین احمد کا عالم کے افق پر چمکے گا
یہ نور ہمیشہ چمکا ہے، یہ نور برابر چمکے گا

یوں سینۂ گیتی پہ روشن، اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوار حرم، سینہ میں دل بیدار رہے

حکیم سعد اللہ صاحب ندوی

محدّثین کرام کا اعجاز نما حافظہ

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بکثرت معجزات عطا فرمائے جن میں ایک قرآن مجید ہے جس کا اعجاز ہم اپنی آنکھوں سے آج بھی دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرا اعجاز آپ کی امت کے بکثرت ایسے افراد کا زبردست حافظہ ہے جنھوں نے اپنے حافظہ کے ذریعہ احادیث نبوی کو اپنے دلوں میں بھی محفوظ رکھا ہے یہ محدثین کی جماعت ہے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث شریف کے لئے وقف رہتا ہے۔

یہ جماعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اب تک ہر عہد اور ہر زمانہ میں اپنے اس فریضہ کو انجام دیتی چلی آئی ہے اس جماعت میں ایسے افراد بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں جن کا حافظہ اعجاز نما نظر آتا ہے۔

اسلام کے علاوہ دوسری شریعتوں کے عالمین نے اپنی مذہبی کتابوں کی حفاظت کے لئے صرف تحریر پر اعتماد کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مرور ایام کے بعد وہ کتابیں اپنی ابتدائی اصلی حالت پر باقی نہیں رہیں لیکن امت اسلامیہ نے شریعت اسلامیہ کی کتاب الٰہی اور حدیث نبوی کو تحریف اور لفظی اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لئے صرف ظاہری تحریر پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے قوی حافظہ کے ذریعہ اپنے دلوں میں نقش کالحجر بنایا جس کی وجہ سے قرآن شریف اور احادیث نبوی جو شریعت اسلامیہ کا ماخذ ہیں کسی تحریف اور تغیر کے بغیر اب تک اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں

آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون میں قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ الٰہی ہے وہ لاکھوں حفاظ قرآن کے ذریعہ برابر پورا ہوتا چلا جا رہا ہے قرآن شریف کے بعد احادیث نبوی

کے حفظ کے لئے محدثین کرام نے بہت زیادہ اہتمام کیا حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اس وعدہ الٰہی میں احادیث نبوی کو بھی شریک فرماتے ہیں۔

قیل لابن المبارک هٰذه الاحادیث المصنوعة؟ قال یعیش لها الجهابذة انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔	حضرت ابن مبارک سے کسی نے پوچھا ان بناوٹی حدیثوں کا کیا حال ہوگا آپ نے جواب دیا اس کے لئے بڑے بڑے لوگ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

امام ذہبیؒ نے حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مبسوط کتاب تذکرۃ الحفاظ تصنیف کی ہے خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں ابن جوزی نے المنتظم میں حفاظ حدیث کے جستہ جستہ حالات قلمبند کئے ہیں اس کے دوسرے اکابر تراجم نگار نے بھی اس جماعت کے حالات و سوانح پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بعض صحابی ایسے تھے جو حدیث شریف کو باجازت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلم بند فرماتے تھے جیسے عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ جن کے مجموعہ احادیث کا نام صادقہ ہے مگر اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم احادیث نبوی کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے اور زبانی روایت فرماتے تھے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تلقیح فہوم الاثر میں ایک صحابی کی مرویات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ——— ۵۳۷۴

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۲۶۳۰	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۲۲۸۶
ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۲۲۱۰	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۱۶۶۰
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۱۵۴۰	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۱۱۷۰

احادیث مروی ہیں ان کے علاوہ باقی صحابہ کرامؓ سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد ایک ایک ہزار تک ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا حافظہ مشہور ہے ایک دفعہ مروان حاکم مدینہ منورہ نے آپ کے حافظہ کا

امتحان لینے کے لئے پس پردہ ایک زود نویس شخص کو بٹھا دیا اور حضرت ابوہریرہ سے فرمائش کی کہ وہ حدیثیں سنائیں چنانچہ وہ حدیثیں سناتے گئے اور پردہ کے پیچھے بیٹھنے والے شخص نے لکھنا شروع کیا جب کافی تعداد میں حدیثیں سنا چکے تو مجلس برخواست ہوئی کچھ مدت بعد مروان نے پھر حدیث کی مجلس منعقد کی اور حضرت ابوہریرہ سے درخواست کی کہ پہلی مجلس میں جو حدیثیں سنائی تھیں ان کو دوبارہ دہرائیں حضرت ابوہریرہ حدیثیں سنانے لگے اور پردہ کی اوٹ میں بیٹھنے والے کاتب کے مکتوبہ حدیثوں سے مقابلہ شروع کیا اس مقابلہ میں ایک حرف کا فرق نہ پایا گیا واضح رہے کہ عہد صحابہ میں احادیث کے قلم بند ہونے کی یہ بھی ایک مثال ہے۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں انھوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری کو چھ لاکھ سے زیادہ حدیثوں سے تخریج کیا ہے صحیح بخاری میں جملہ حدیثیں ۷۲۷۵ ہیں اور اگر مکرر حدیثوں کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کی تعداد ۴۰۰۰ چار ہزار رہ جاتی ہے جسے انھوں نے سولہ سال کی مدت میں تصنیف کیا ہے اور ہر حدیث کو کتاب میں لکھنے کے بعد دو رکعت نماز شکرانہ کی ادا فرماتے تھے۔

ان کے حافظہ کے متعلق حاشد بن اسمٰعیل اور ایک دوسرے شخص کا متفقہ بیان ہے کہ امام بخاری اپنی کمسنی کے زمانہ میں حدیث کی سماعت کے لئے ہمارے ساتھ جایا کرتے تھے لیکن وہ کچھ لکھتے نہ تھے ہم اس بات پر انھیں ٹوکا کرتے تھے کچھ دن اسی طرح گذر گئے ایک دن امام صاحب ہم دونوں کے ٹوکنے پر فرمانے لگے آپ دونوں مجھے بہت کچھ کہہ چکے ہیں اچھا آپ نے جو کچھ لکھا ہے مجھے دکھایئے چنانچہ ہمارے پاس جس قدر حدیثیں لکھی ہوئی تھیں ان کے سامنے پیش کیں امام صاحب نے اس پر مزید پندرہ ہزار حدیثیں زبانی پڑھ کر سنائیں جو دوران سماعت میں ہم سے لکھنے سے رہ گئی تھیں پھر امام بخاری نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث کی سماعت کے لئے میں فضول جایا کرتا اور اپنے دن گنواتا ہوں ان دونوں بزرگوں کا بیان ہے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ امام صاحب پر کوئی سبقت نہیں لے جاسکتا ہے امام بخاری کے حافظہ کے متعلق ایک دوسرا اہم واقعہ صاحب اکمال نے اس طرح بیان کیا ہے۔

امام بخاری بغداد تشریف لائے اصحاب حدیث کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے آپ ۔

حافظہ کا امتحان لینے کے لیے سو حدیثوں کے متن اور اسناد کو الٹ پلٹ کر کے ایک حدیث کا متن دوسری حدیث کی اسناد کے ساتھ وصل کیا اور دس آدمیوں کو دس دس حدیثیں تقسیم کر دیں اور ہدایت کی کہ جب اصحاب حدیث مجلس میں پہنچ جائیں تو امام صاحب کے سامنے ان حدیثوں کو ایک ایک کر کے پیش کریں جب مجلس میں اصحاب حدیث پہنچے اور وہاں سکون طاری ہوا تو ان دس آدمیوں میں ایک شخص نے امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک حدیث پیش کی امام بخاری نے فرمایا میں اس حدیث کو نہیں جانتا پھر اسی شخص نے دوسری اور تیسری یہاں تک کہ دس حدیثیں جو اس کے پاس تھیں پیش کیں اور امام موصوف نے ہر حدیث کے متعلق فرمایا میں اس حدیث کو نہیں جانتا آپ کے انکار کی حقیقت علمائے حدیث سمجھ گئے تھے مگر عوام نہ سمجھ سکے بعد ازاں دوسرے شخص نے اپنی دس حدیثیں پیش کیں اسی طرح دسوں آدمیوں نے سو حدیثیں جو اس مجلس کے لیے بغرض امتحان تیار کی گئی تھیں پیش کیں اور امام بخاری نے سب کے جواب میں یہی کہا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا اس کے سوا ایک لفظ نہ بولے جب سب کے سوالات ختم ہو گئے تو امام بخاری پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری پہلی حدیث اس طرح ہے اور دوسری اس طرح واقع ہوئی ہے اسی طرح دسوں کی صحت کر کے اور متن حدیث کو اصل اسناد سے وصل کر کے واضح فرمایا بعد ازاں باقی نو آدمیوں کی حدیثوں کی صحت فرمائی یہ ماجرا دیکھ کر سب نے آپ کے حافظہ اور فضل کا آپ کے سامنے اعتراف کیا

شیخ الاسلام ابن الانباری متوفی ۳۲۸ھ قوت حافظہ میں یکتائے روزگار تھے ابو علی قاری فرماتے ہیں کہ ابن الانباری کو تین لاکھ اشعار قرآن پاک کے شواہد میں بر زبان یاد تھے۔ ابو علی تنوخی کہتے ہیں کہ ابن الانباری برابر املا کرایا کرتے تھے اور کبھی کتاب دیکھ کر املا نہیں کرایا محمد بن جعفر تمیمی کا قول ہے کہ میں نے ابن الانباری سے زیادہ کسی کو قوت حافظہ کا مالک نہیں دیکھا۔

ابن الانباری کہا کرتے تھے کہ مجھے تیرہ صندوق کتابیں زبانی یاد ہیں نیز ان کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں ایک سو بیس تفسیر کی کتابیں مع اسناد زبانی یاد تھیں ابن الانباری نے بکثرت کتابیں تصنیف کیں اور اپنی تمام تصانیف کو اسناد کے ساتھ زبانی املا کرایا یہ بہت بڑے نحوی بھی تھے امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث کے سلسلہ میں ان کا نام شمار کیا ہے۔

ابو زرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ فرماتے ہیں مجھے دو لاکھ حدیثیں اس طرح زبانی یاد ہیں جس طرح

کوئی شخص قل ھو اللہ احد کی سورۃ یاد رکھتا ہے اور وقت نکلنے پر مجھے تین لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں کہ پچاس برس میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ سب میرے گھر میں محفوظ ہے اور لکھنے کے بعد میں نے ان کا دوبارہ مطالعہ نہیں کیا ہے تاہم مجھے معلوم ہے کہ وہ سب کس کتاب کس ورق کس صفحہ اور کس سطر میں مرقوم ہیں اور جو کچھ علمی باتیں میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں میرا دل ان کو یاد کر لیتا ہے اور جب میں بغداد کے بازار میں چلتا ہوں اور جھگڑالو ناسے گانے والیوں کی آواز سنتا ہوں تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتا ہوں اس ڈر سے کہ میرا قلب ان گانوں کو سنکر یاد نہ کرلے

ابو زرعہ رازی کے حافظہ کی ستائش میں حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ صحیح حدیثیں سات لاکھ ہیں جن میں اس نوجوان ابو زرعہ رازی کو چھ لاکھ حدیثیں برزبان یاد ہیں۔

محدث ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے قوت حافظہ میں ابو زرعہ سے برتر کسی کو نہیں دیکھا مشہور محدث ابن راہویہ کا قول ہے کہ جس حدیث کو ابو زرعہ نہ جانتے ہوں اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

ابو الحسن دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۸۵ھ حافظ زماں کے وصف سے یاد کئے جاتے ہیں مشہور محدث حاکم کا قول ہے کہ دارقطنی قوت حافظہ میں یکتائے زمانہ ہیں۔

ایک دفعہ دارقطنی اپنی نوعمری میں اسمٰعیل صفار کی مجلس درس میں آئے اس وقت صفار حدیث کا املا کرا رہے تھے یہ بھی بیٹھ گئے اور ایک جزو دیکھنے لگے کسی نے انھیں ٹوکا اور کہا میاں! اس نوعمری میں آپ کی سماعت حدیث تو درست نہیں آپ کیسے لکھ رہے ہیں۔ دارقطنی نے جواب دیا کہ املا کے لئے میری سمجھ آپ کی سمجھ سے مخالف ہے کیا آپ زبانی بتا سکتے ہیں کہ شیخ نے کتنی حدیثیں املا کرائی ہیں معترض نے کہا میں نہیں بتا سکتا دارقطنی نے فرمایا کہ اس وقت شیخ نے اٹھارہ حدیثیں املا کرائی ہیں پہلی حدیث یہ ہے اور دوسری یہ ہے اسی طرح تمام حدیثوں کو مشرح زبانی بیان فرما دیا یہ سن کر سب لوگوں کو تعجب ہوا۔

خطیب بغدادی اپنی کتاب تاریخ بغداد میں دارقطنی کے حالات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے برقانی سے پوچھا کہ دارقطنی نے علل حدیث تمہیں زبانی لکھوایا ہے برقانی نے جواب دیا ہاں میں نے ہی دارقطنی کی علل حدیث کو جمع کیا ہے اور لوگوں نے میرے ہی نسخے سے پڑھا ہے۔

ابونعیم جرجانی متوفی سنہ ۳۲۳ھ حافظ حدیث تھے انھیں موقوف اور مرسل حدیثیں اس طرح زبانی یاد تھیں جس طرح حفاظ حدیث کو مسند حدیثیں یاد ہوتی ہیں۔ (المنتظم)

ابن السقاء متوفی سنہ ۳۷۳ھ حافظ حدیث تھے دارقطنی اور ابن مظفر فرماتے ہیں کہ ہم نے ابن السقاء کے پاس کوئی کتاب نہیں دیکھی بلکہ وہ ہم لوگوں سے زبانی حدیث بیان کرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ)

ابن عقدہ متوفی سنہ ۳۳۲ھ حافظ حدیث تھے انھیں ایک لاکھ حدیثیں اسناد کے ساتھ زبانی یاد تھیں

ابوحامد ابن الشرقی متوفی سنہ ۳۲۵ھ امام مسلم کے شاگرد تھے قوت حافظہ میں اپنے زمانہ میں فرد مانے جاتے تھے ابن عدی کا قول ہے کہ میں نے ابوحامد ابن الشرقی سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا نیز ابن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے ایوب سختیانی کی احادیث کا مجموعہ جسے ابن الشرقی نے جمع کیا تھا لکھ کر ان کے سامنے پڑھنا شروع کیا میں کتاب دیکھ کر پڑھتا تھا اور ابن الشرقی میرے ساتھ ساتھ اول سے آخر تک زبانی پڑھتے چلے جاتے تھے۔

امام ابوجعفر عقیلی متوفی سنہ ۳۲۲ھ حافظ حدیث تھے مسلمہ بن قاسم کا بیان ہے کہ عقیلی جلیل القدر وعظیم المرتبت شخص تھے ان کی مانند کسی کو میں نے نہیں دیکھا محدثین میں سے جو عقیلی کے پاس آتا وہ فرماتے کہ اپنی کتاب پڑھو لیکن وہ خود اپنی اصل نہیں نکالتے تھے اس بات پر ہم لوگوں میں گفتگو ہوئی اور ہم کہنے لگے کہ عقیلی یا تو سب سے زیادہ حافظہ کے مالک ہیں اور یا وہ سب سے زیادہ جھوٹے ہیں ایک روز ہم سب ان کی مجلس درس میں شریک ہوتے اور میں کتاب پڑھنے لگا جس وقت حدیث میں کمی یا بیشی کے الفاظ میں پڑھتا تھا وہ سمجھ جاتے اور مجھ سے کتاب اور قلم لے کر اپنے حافظہ سے اس کی اصلاح فرما دیتے جب ہم ان کے پاس سے واپس ہوتے تو ہمارے دل مسرور تھے اور اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ قوت حافظہ میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں (تذکرۃ الحفاظ)

ادارہ

مولانا ماجد علی خاں

دارالعلوم میرٹھ کا ایک فرزند جلیل

جسے رابطہ عالم اسلامی نے ان کی کتاب فائنل میسیجر پر ایک لاکھ روپیہ کا انعام دیا ہے

نسلاً خانصاحب واقع ہوئے ہیں لیکن ساری خانصاحبیت علمیت اور شعور کی نذر ہو گئی۔ رامپور ضلع مرادآباد میں ۱۹۴۲ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران پیدا ہوئے اور اب تک ۴ فرزندان توحید کے اضافہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آج کل بٹلہ ہاؤس کے ایک مختصر سے مکان میں جس کا بالجبر تین صد روپیہ ماہانہ جرمانہ ادا کرتے ہیں قیام پذیر ہیں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں دینیات کی تدریس کے فرائض کے بعد اپنی بیٹھک میں جو بیٹھک کم اور کتبخانہ زیادہ ہے معتکف رہتے ہیں آپ تشریف لے جائیں تو بغیر شیرینی کے چائے نہیں پیش کریں گے حنفی المسلک ہیں اور تھانہ بھون سے بیعت ہیں مشائخ سے انتہائی عقیدت مند رہے ہیں مشائخ کی تاریخ کے مصنف بھی ہیں

ابتدائی زندگی دین سے جداگانہ تھی ۱۹۵۵ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۵۷ء میں انٹرمیڈیٹ اور اس کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی سے ایم ایس سی ریاضی اور بی ایڈ پاس کیا۔

مزاج دینی زندگی کا پایا تھا۔ علی گڈھ کے دینی حلقے نے اس پر جلا بخشی شوق منزل نے دینیات کے علم کی طرف راغب کر دیا اور چار سال تک فرش اور تپائی پہ دارالعلوم میرٹھ میں درس حدیث حاصل کیا۔ لوٹ کر علی گڈھ یونیورسٹی سے ایم ایس سی دینیات اور تجوید القرآن حاصل کر کے شوق تشنگی کی تکمیل کی اور پھر دینیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

قدرت نے جب بیرونی دنیا سے روشناس کرایا تو ویسٹ انڈیز جنوبی امریکہ تشریف لے گئے اور وہاں پہ درج ذیل خدمات انجام دیں:

۱۔ صدر شعبہ دینیات اسمٰعیلیہ کالج سان فرنانڈو ٹرینیڈاڈ ویسٹ انڈیز

۲۔ آنریری ڈائریکٹر اسلامک اسٹڈیز انجمن سنت والجماعت ٹرینیڈاڈ جس کے تحت ۱۵ کالجوں کی نگرانی ہوتی تھی۔

۳۔ صدر نصاب تعلیمی کمیٹی اسلامک اسٹڈیز ویسٹ انڈیز

۴۔ رکن مشیر تعلیمی مسلم ایڈوائزری کونسل مسلم یوتھ آرگنائزیشن ویسٹ انڈیز

۱۹۷۸ء میں ہندوستان واپسی ہوئی اور علی گڑھ یونیورسٹی میں بحیثیت لکچرار اسلامیات جوائن کیا اور اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ تشریف لے آئے۔

رابطہ عالم اسلامی کے ایک علمی تقابل کے اعلان کے تحت ۱۹۷۶ء میں ان کی کتاب آخری پیغامبر کل مقابلہ میں دوسرے نمبر پر شمار کی گئی اور چالیس ہزار ریال سعودی انعام کی مستحق پائی جس کی قیمت ہندوستانی سکہ میں ایک لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔ ان کی یہ کتاب رابطہ ہی کی طرف طبع ہو گی۔ اس سے قبل ایک کتاب پاک خلفاء کرام کویت سے شائع ہو چکی ہے جو انگریزی میں ہے۔ تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے

انگریزی

ختم المرسلین Last Prophet

نصاب تعلیم اسلامی Syllabous of Islamic Education

اسلام ہماری زندگی کا طرز عمل Islam our way of life (5 volumes)

اسلامی کہانیاں Islamic Stories

قرآنی ریڈر Quranic Reader

اردو تصانیف: تسلسلات امدادیہ ــــ مقالات جو مختلف رسائل میں چھپتے رہے بے شمار ہیں

غیر مطبوعہ: آخری پیغامبر یہ کتاب تقریباً چھ سو صفحات انگریزی ٹائپ پر مشتمل ہے اور رابطہ عالم اسلامی نے سیرۃ کے عنوان پر اسے دوسرے نمبر کی کتاب قرار دیتے ہوئے ایک لاکھ روپیہ کا انعام دیا ہے۔

ادارہ دار العلوم میرٹھ اپنے اس فرزند جلیل کی رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ہمت افزائی پر مبارکباد پیش کرتے ہو دعا گو ہے کہ

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قلمی خطابات و پیغامات

"بدقسمتی سے عالم کی زمام قیادت کافی عرصہ سے خدا ناشناس تہذیبوں اور بد دین قوموں کے ہاتھوں میں ہے جن کے یہاں (الا ماشاء اللہ) دین و دیانت نام کی کوئی شے ہی نہیں۔ اور شرم و حیا، عفت و عصمت، غیرت و حمیت کا لفظ ان کے لغت سے خارج ہے۔ ان کے نزدیک مکر و فن اور دغا و فریب کا نام "سیاست" ہے۔ انسانیت کشی کے وسائل و اسباب کا نام "ترقی" ہے۔ فواحش و منکرات کا نام "آرٹ" ہے۔ مرد و زن کے غیر فطری اختلاط کا نام "روشن خیالی" اور "خوش اخلاقی" ہے، بے پردگی اور عریانی کا نام "ثقافت" ہے اور پسماندہ ممالک ان کی تقلید —— اندھی تقلید —— اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لئے آج سارے عالم میں فتنوں کا دور دورہ ہے۔" ص ۱۹۴

(بصائر و عبر، شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ)

"ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت و تقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت و نزاہت سے چاند بھی شرماتا تھا اسے پردہ سے باہر لا کر ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام اس سے لیا گیا۔ جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں، شمع محفل ہے، اس کی محبت و خلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لئے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی و زیبائی تماشائے عالم ہے، وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں نامحرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں بلکہ وہ بازار کی رونق ہے۔ آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام

بجنا تھا؟ کیا یہی آزادیٔ نسواں ہے۔ جس کے لئے گلے پھاڑ پھاڑ کے نعرے لگائے جاتے ہیں؟" صـ ۱۸۸

(بصائر و عبر، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ)

"عورت کی ساخت و پرداخت اس کے عادات و اطوار اور اس کی گفتار و رفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے" صـ ۱۹۴

(بصائر و عبر، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ)

"ملاحدہ نے آج میدان کو خالی دیکھ کر اور فضا کو سازگار سمجھ کر وہ شگوفے کھلانے شروع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے "تحریف دین" کا نام "تحقیق اسلام" ہے اور "الحاد فی الدین" کا نام "اظہار حقیقت" ہے۔ حقائق دین کو اس طرح پامال ہوتا دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کیا کیا جائے، "از ماست کہ بر ماست" اسلام کی غربت و بے چارگی یہ دور انتہائی حسرت ناک بھی ہے اور عبرتناک بھی۔" صـ ۴۰۱

(بصائر و عبر، رجب المرجب ۱۳۸۸ھ)

"آج علماء کے امتحان کا وقت آگیا ہے ضرورت ہے کہ ہم حق کہیں اور حق کے لئے کہیں اور حق تعالیٰ جل مجدہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کہیں اور جو کام کریں نفس کا شائبہ تک اس میں نہ ہو" صـ ۴۰۱

(بصائر و عبر، محرم الحرام ۱۳۸۹ھ)

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو تمام انبیاء سابقین و ملوک صالحین و عابدین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی کہ تمام مناصب اصلاح خواہ دعوت و تبلیغ کے ہوں یا جہاد و قتال کے یا نظم مملکت کے آپ کی ذات بابرکات میں جمع کر دیئے گئے تھے۔ بیک وقت آپ داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکم اعلیٰ بھی اور قائد جیوش بھی۔ آپ کے خلفاء راشدین بھی آپ کی صفات کمال صحیح جانشین تھے" صـ ۴۳۷ (بصائر و عبر، رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ)

"خلافت راشدہ کا بابرکت دور علم و عمل، صلاح و تقویٰ، فقر و زہد، ایثار و قربانی، اخلاق و شفقت ومساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار و برکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔" ص ۴۳۴

(البصائر و عبر، ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ)

"اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیریں کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشیین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقام نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔" ص ۴۹۵

(البصائر و عبر، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ)

"قرآن کریم اگرچہ جدید اصطلاح میں دستور یا قانون کی کتاب نہیں ہے جسے عنوانات و دفعات پر مرتب کیا گیا ہو لیکن اس میں انسانیت کے تمام ہمہ گیر مسائل کی طرف اصولی اشارات دیئے گئے ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ میں متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں خلافت راشدہ کی تشریحات اور فقہائے امت کی تنقیحات کے بعد وہ ایسا کامل و مکمل دستور ہے کہ دنیا کا کوئی دستور نہ اس کی ہمسری کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔" ص ۵۳۶

(البصائر و عبر، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ)

"اسلام علیم و خبیر اور سمیع و بصیر رب العالمین جل ذکرہ کی طرف سے نازل کردہ دین ہے چند عقلاء و حکماء کے ذہنی ادراک کا نتیجہ نہیں نہ قانون ساز اداروں یا قوم کے چند نمائندوں کی دماغی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ یہ اس علیم و خبیر کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا ظہور ہے جو ہر دور ہر زمانہ ہر قوم اور ہر ملک کے انسانوں کا خالق ہے جو پوری انسانیت کے حقیقی امراض سے باخبر، اس کی واقعی ضروریات سے واقف اور اس کی دقیق نفسیات کا راز داں ہے۔" ص ۵۷۷

(البصائر و عبر، ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ)

حکومت و سلطنت اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلہ میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ (نماز کی پابندی) ایتاء الزکوٰۃ (نظام زکوٰۃ کا قائم کرنا) امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا) نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا) ص ۶۵

(بصائر و عبر، ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ)

"ہم ارباب اقتدار سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر (جن کے نام پر ہمیں یہ ملک اور حکومت ملی) گزارش کرتے ہیں کہ وہ اخلاص اور سچائی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دین اور سچے اسلام کی حفاظت کریں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم ملحدین کی حوصلہ افزائی نہ کریں خدانخواستہ اگر محمدؐ والے اسلام کو یہاں ختم کر دیا گیا تو پاکستان کو نہ مسٹر پرویز کا طلوع اسلام بچا سکتا ہے نہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا اسلام نہ کوئی ظلی بروزی نبوت" ص ۱۲

(بصائر و عبر، شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ)

جہاں تک اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور رہنماؤں کا تعلق ہے، ان کو سمجھنا چاہیئے کہ تجدد و مغربیت کی اس اندھادھند تقلید سے خواہ وقتی طور پر ان کو اور ان کے جانشینوں کو فائدہ پہونچے مگر مجموعی طور پر ملت کو ایسا نقصان پہونچے گا اور اس کی جڑیں اس طرح ہل جائیں گی کہ صدیوں تک تلافی نہ ہو سکے گی" ص ۱۲

(بصائر و عبر، شوال المکرم ۱۳۸۸ھ)

سید عاصم گیلانی

نعتِ سرورِ کونین

جو بھی غلام سید لولاک ہو گیا
اس کو خدا کی ذات کا ادراک ہو گیا

ان کا جمال بن گیا آنکھوں کی روشنی
ان کا خیال ذہن کی پوشاک ہو گیا

خود ہو کے روبرو اسے دیکھا حضورؐ نے
جس کی جھلک سے طور بھی خاک ہو گیا

اٹھتے ہی ان کے در سے قیامت گذر گئی
پھولوں کی طرح دامن دل خاک ہو گیا

امی لقب پہ جب ہوا احسان کردگار
جھپکی پلک تو محرم افلاک ہو گیا

اس آستان پاک پہ رہتا ہے نشیمن
میرا خیال کس قدر چالاک ہو گیا

عاصم سنبھل کر کوچۂ نعت حبیب میں
پچھتائے گا جو بھول کر بے باک ہو گیا